بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز

حبیبِ کبریاء علیہ التحیۃ والثناء

تصنیف
جناب حافظ عبد الرزاق چشتی
بھترالوی مدظلہ العالی

ناشر
جامعہ حمائتیہ مہر العلوم
رحیم آباد شکریال راولپنڈی

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ

تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو (الحدیث)

نبی کریم علیہ السلام کی نماز کے طریقہ کا ثبوت احادیث مبارکہ سے

نماز
حبیب کبریاء
علیہ التحیۃ والثناء

تصنیف
حافظ عبد الرزاق چشتی
بھترالوی، حطاروی مدظلہ

ناشر
جامعہ جماعتیہ مہر العلوم
رحیم آباد شکریال راولپنڈی

نام کتاب: نماز حبیب کبریا ﷺ

تالیف: حافظ عبد الرزاق چشتی بھترالوی

ضخامت: 450 صفحات 16 / 23x36

کمپوزنگ: ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

کمپیوٹر گرافکس: محمد شاہد خاقان، محمد یعقوب چشتی، راجہ ارشد، صداقت علوی

بار طباعت: اول

تاریخ اشاعت: جون 2000ء

پروف ریڈنگ: حافظ شوکت حیات الخیری، قاضی سعید الرحمٰن، سید ظہور احمد شاہ

ناشر: شعبہ تحقیق و تصنیف

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم

رحیم آباد شکریال، راولپنڈی

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

☆ جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد

☆ مکتبہ قادریہ نزد ستا ہوٹل۔ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ برکاتیہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

☆ جامع مسجد کنز الایمان ۱۰-۱ اسلام آباد

فہرست مضامین

﴿ تقدیم ﴾

آئے دن نئے نئے فتن کے ابواب کھلتے جارہے ہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ اسلام، قرآن اور حدیث کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ بے چارے سیدھے سادھے مسلمان جو حضور کا نام ہی سن کر مرمٹنے والے ہیں۔ جب ان کے سامنے احادیث مبارکہ کو در پردہ مذموم عزائم کے پیش کیا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تک تم نے اپنی زندگی مشرکانہ گزاری اور ابھی تک تو تمہیں وہ نماز ہی پڑھنا نہ آئی، جو آقائے دو عالم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ نتیجتاً وہ سادہ لوح مسلمان کف افسوس ملتے ہوئے اپنی سابقہ زندگی پر پشیماں ہونے لگتا ہے اور گویا اس کا ذہن ایک منجدھار میں پھنس گیا ہے کہ اسے ماضی و مستقبل تاریک نظر آنے لگتا ہے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں طرح طرح کے خدشات جنم لینے لگتے ہیں۔ بالآخر وہ راہ راست سے بھٹک کر شیطان کے پنجے میں پوری طرح جکڑا جاتا ہے۔

ایسے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے مرد مجاہد میدان علم وعمل کے غازی اور درس و تدریس کے میدان کے شہسوار اور خداداد بے پناہ (خوبیوں) کے مالک کہ جن کا اسم گرامی تحریری میدان میں گویا شیر کی دھاڑ ہے۔ اور جنہیں تحریری ملکہ کا وافر حصہ بارگاہ خداوندی سے ملا ہے۔ میری مراد شیخ الحدیث (مفتی) حضرت علامہ **عبد الرزاق** بھترالوی مدظلہ العالی ہیں۔ آپ نے نماز کے حوالے سے منسوخ روایات کے بل بوتے پر لوگوں کو گمراہ کرنے والے غیر مقلدین کو آئینہ دکھایا ہے اور **نمازِ حبیب کبریاء** علیہ التحیۃ والثناء تالیف فرما کر یہ ثابت فرمایا ہے کہ اے طبقۂ غیر مقلدین آؤ دیکھو حدیث رسول پر عمل کرنے والے ہم ہیں یا تم؟ آپ کی مدلل تحریر پڑھ کر اس بات کا قاری فیصلہ خود ہی کریگا۔

اللہ کریم اپنے محبوب رحیم کے صدقے موصوف کو صحت کے ساتھ عمر خضری عطا فرمائے آپ اہل سنت کا فخر اور عظیم سرمایہ ہیں۔

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم کے شعبہ نشر واشاعت کو اس کتاب کے شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے، اور اس سے قبل بھی "ایصال ثواب مستحب ہے" اور "تکریم والدین مصطفی ﷺ" شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ادارہ کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے دعا فرمائیں۔

یکے از خوشہ چین علامہ بھترالوی

حافظ شوکت حیات الخیری

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

﴿وجہ تالیف﴾

ایک مرتبہ قاری محمد آصف صاحب نے فرمایا کہ فقہ حنفی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مضمون تحریر کر دو۔ لیکن وہ بہت مختصر ہو اور آسان ہو جس سے عوام فائدہ حاصل کر سکیں۔

میں جو کتاب بھی لکھتا ہوں اس میں کافی کوشش کرتا ہوں کہ آسان فہم ہو۔ جس سے ہر پڑھنے والا فائدہ حاصل کر سکے یہی وجہ ہے کہ میں اردو کے پیچ وخم کی طرف کم ہی دھیان کرتا ہوں، مشکل الفاظ سے اجتناب کرتا ہوں سجع الفاظ اور مترادفات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ علماء کی علمی ایسی بحثیں جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوں انہیں میں اپنی تحریر میں زیادہ ذکر نہیں کرتا۔ ہاں ایسی بحث جس کو ذکر کرنے کے بغیر مسئلہ ہی سمجھ میں نہ آئے وہ ذکر کرنا ایک مجبوری بن جاتی ہے۔

بہر حال قاری محمد آصف صاحب کے کہنے پر میں نے ایک مختصر مضمون تحریر کر دیا جو ایک رسالہ کی شکل میں طبع ہو کر غالباً ختم بھی ہو چکا ہے۔ اُسی رسالہ کو اس کتاب کے مقدمہ کے طور پر ضم کر رہا ہوں۔

اس مضمون کی تحریر کے وقت خیال تو ہوا تھا کہ فقہ حنفی کے مخالفین کے اختلافی مسائل پر بھی قلم اٹھایا جائے۔ تاکہ اپنے اہل سنت وجماعت حنفی حضرات کو اپنے مذہب کا پتہ چل جائے اور آئے دن مخالفین کی

اشتہار بازی سے کہیں دھوکہ میں آکر مذہب حق سے روگردانی نہ کرلیں۔ لیکن اپنے خیال کو عملی جامعہ پہنانے سے قاصر ہی رہا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ کئی اور تصنیفات میں مشغول تھا۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ مولنا محمد اسحاق نظیری صاحب کے والد مکرم کے جنازہ میں شریک تھا، وہاں قاری عبید احمد سنی صاحب نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے، رفع یدین، اور بلند آواز سے آمین کہنے پر زور دینے والوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ بخاری (مترجم اردو) لوگوں کو دکھاد کھا کر متزلزل کر رہے ہیں اسلئے ان مسائل پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم ان مسائل پر کچھ ضرور لکھو گے۔ ساتھ ہی برادر محترم، شفیق و مہربان حضرت علامہ عبدالغنی نقشبندی خطیب اعظم اسلام آباد نے بھی ان کی تائید کی اور مجھے لکھنے کا مشورہ اور حکم دیا۔ علامہ نقشبندی جو خود بھی علم کا موجزن دریا ہیں، بہت عظیم مقرر ہیں، آپ کا مجھے کہنا صرف مجھ پر حسن ظن کرتے ہوئے تھا۔

ورنہ من آنم کہ من دانم

اس کے بعد عزیزم محمد رضوان زاھد (جو علمی اور روحانی بزرگوں کی اولاد سے ہے پوڑ میانہ اس کا گاؤں ہے اس کے بزرگوں کا مزار جوڑوں کے درد کی شفاء کے حصول کیلئے مرجع خواص و عوام ہے۔ اور وہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں زیر تعلیم ہے راقم بھی اسی جامعہ میں خادم التدریس ہے اسطرح طلباء کرام سے ملنے کا ایک ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے ان کی دعاؤں سے ممکن ہے اللہ تعالی دین و دنیا بہتر بنادے۔ موصوف خوش اخلاق، باادب عزیز ہے) نے بھی کئی مرتب کہا کہ میں کوئی کتاب اس قسم کے مسائل کے متعلق لکھوں۔

اسی طرح ایک اور عزیز متعلم نے بھی کہا کہ آزاد کشمیر کے علماء کہتے ہیں کہ چھوٹے شاہ جی (استاذ العلماء حضرت علامہ پیر سید حسین الدین شاہ مدظلہ العالی) اتنے بڑے عالم ہیں کاش کہ وہ ان مسائل پر کوئی کتاب تصنیف کر دیتے تاکہ عوام غیر مقلدین کے جال سے بچ جاتے تو کتنا اچھا تھا۔ میں نے کہا: قبلہ شاہ صاحب مدرسہ کے نظم ونسق میں اتنے مصروف ہیں کہ ان کا تین، چار اسباق پڑھا دینا بھی غنیمت ہے۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اس قسم کے کام کریں۔

یہ تو یقینی بات ہے کہ ان کے علم، زہد و تقویٰ سے ہمیں عشر عشیر بھی حاصل نہیں، لیکن وہ اپنی شفقت و مہربانی سے میری تحریروں کو سراہتے ہوئے اس طرح حوصلہ افزائی فرماتے ہیں جیسے کہ عظیم المرتبت علماء کرام اساتذہ کرام اپنے ادنیٰ طلباء کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

خیال ہوا کہ آزاد کشمیر کے علماء کرام کے اس مطالبہ کو حضرت شاہ صاحب کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنی وسعت کے مطابق میں ہی پورا کردوں۔ اور ساتھ ساتھ قاری عبید ستی برادرم حضرت مولانا عبد الغنی نقشبندی اور عزیزم محمد رضوان زاہد کے مطالبہ پر بھی عمل ہو جائے اور اپنے دیرینہ خیال کی ترجمانی بھی ہو جائے۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس مطالبہ کے بعد کچھ وقت گزر گیا کہ ان مسائل پر قلم نہ اٹھا سکا، اسلئے کہ اسی وقت مطالبہ پر میں نے عرض کیا تھا کہ میں ابھی **کنز الدقائق** کے عربی حاشیہ ترتیب دینے میں مشغول

ہوں۔ غالباایک سال سے زائد ہی وقت اس پر صرف ہوگیا۔ حاشیہ سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن آرام کرتا رہا کیونکہ صحت لگاتار کام کرنے کی متحمل نہیں ۔ اب چند ضروری مسائل کو میں نے اپنی علمی وسعت کے مطابق تحریر کردیاہے امید ہے کہ عوام اس سے فائدہ حاصل کرسکیں گے میں سمجھتا ہوں کہ طلباء کرام کوبھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوسکے گا۔

علمائے کرام کم ازکم عوام کو اس کتاب کی رہنمائی کرکے امید ہے کہ حوصلہ افزائی فرمائیں گے اگرچہ علماء کرام کے ذہنوں میں پہلے سے ہی یہ تمام مسائل موجود ہوتے ہیں انہیں اس کتاب کی غالبا زیادہ ضرورت محسوس نہ ہو ۔ میں نے تین مسائل کو تحریر کرکے اپنے پرانے تلمیذ رشید اب جو بہت بڑے فاضل اور مقرر ہیں یعنی مولنا ضمیر احمد ساجد خطیب اسلام آباد کو دکھائے کہ ان سے رائے لے لوں کہ یہ تحریر چھپوانے کے قابل ہے یانہیں ، انہوں نے پڑھ کر بہت حوصلہ افزائی کی کہ ضرور چھپوایا جائے ، کوئی مانے یا نہ مانے کم ازکم اپنے لوگ تو اس سے ضرور فائدہ حاصل کریں گے برادر محترم حضرت علامہ مولنا عبد الرشید قریشی مدرس جامعہ ضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نے بھی چند اوراق دیکھے انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ ضرور چھپوانا چاہئے۔ منصب تدریس پر فائز ایک عظیم محقق کا مشورہ بھی یقیناً حوصلہ افزائی کا سبب بنا قاری محمد آصف اور قاری محمد عارف صاحب ہر کتاب کی تصنیف پر عظیم مشوروں سے نوازتے ہیں اس کتاب کے بھی چند ابتدائی اوراق سب سے پہلے انہوں نے ہی دیکھے ۔

میرے زیر انتظام نیا قائم ہونے والا دینی مدرسہ بیاد گار سید الاولیاء

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الاصفیاء حضرت پیر سید جماعت علی علی پوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم آباد شکریال راولپنڈی کے مدرسین جناب قاری بشیر احمد صاحب مولنا ضیاء الحق قریشی صاحب ، مولنا سمیع الدین صاحب بھی تصنیفی خدمات پر محبت سے داد تحسین دیتے ہیں اللہ تعالی سب کو جزاء خیر عطافرمائے اور میرے مدرسہ کو کامرانی وکامیابی عطافرمائے۔ (آمین)

خصوصاً میرے والدین کریمین کی زندگی میں میرے حق میں کی گئی دعائیں اور آج تک ان کا روحانی فیض، اور میرے اساتذہ کرم کی نظر رحمت بالخصوص استاذ المحققین والمدققین اشرف العلماء حضرت علامہ ابو الحسنات **محمد اشرف سیالوی** مدظلہ عالی اور میرے شیخ کامل رئیس الاصفیاء حضرت **پیر نصیر الدین شاہ** گولڑوی مدظلہ العالی کی نظر کرم کا اثر ہے کہ میں تصنیفی کام میں علماء کرام، طلباء کرام اور عوام اہل سنت سے شرف قبولیت حاصل کررہا ہوں اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے اور دعاء ہے کہ اللہ تعالی مجھے اور میرے بچوں حافظ **عبدالماجد** سلمہ اللہ تعالی حافظ **عبدالباسط** سلمہ اللہ تعالی حافظ **عبدالواسع** سلمہ اللہ تعالی کو راہ حق پر قائم ودائم رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

عبد الرزاق بھترالوی حطاروی

۵ جنوری ۲۰۰۰ء

عرض دعاء :

ابھی" جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم آباد شکریال" کے اساتذہ کا ذکر کیا تھا۔ تو قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ جامعہ کی ترقی کے لئے دعاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

جامعہ کے قیام کے متعلق :

جس مسجد میں خادم الخطابات ہوں (مسجد غوثیہ ۱-۶-F اسلام آباد) اس مسجد کی کمیٹی کے صدر حاجی غلام احمد صاحب نے ایک چھوٹے سے مدرسہ کے قیام کا ارادہ فرمایا۔ اور مجھے اس کے تمام انتظام چلانے کا پابند کیا۔ تعمیر کے لئے انہوں نے ایک مرتبہ ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے اور دوسری مرتبہ ایک لاکھ روپے عطا فرمائے لیکن اسلام آباد میں زمین کا خریدنا تو ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ تو راولپنڈی شکریال میں مولنا محمد حنیف صاحب اور حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کی وساطت سے چار مرلہ زمین جامعہ کے لئے خرید لی گئی۔

زمین کی رجسٹری حاجی غلام احمد صاحب اور میرے نام (عبد الرزاق بھتر الوی) ہے۔ چونکہ زمین کی خریداری پر رقم زیادہ خرچ ہو گئی، اس لئے میں نے اپنا ذاتی مکان فروخت کر کے تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے خرچ

کئے۔ تعمیر کی ابتداء میں کسی سے معاونت نہیں لی۔

قاری بشیر احمد صاحب مدرس کی وساطت سے جامع کے لئے دروازے ایک مخیر صاحب نے عطا کئے۔ فرش کے سلسلہ میں ایک دو دوستوں نے تعاون کیا۔ میرے محلّہ کے احباب رمضان المبارک میں اور عید الاضحیٰ پر (قربانی کی کھالوں کی صورت میں) امداد کرتے ہیں۔ کچھ احباب خطباء حضرات راولپنڈی کے میرے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے امداد کرتے ہیں۔ جس سے مدرسین کی تنخواہیں اور طلباء کے اخراجات کچھ چل پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

اظہار تشکر :

مدرسہ کے لئے جگہ کی خرید اور رجسٹری کرانے میں ۔

حاجی حبیب الرحمٰن صاحب آف شکریال نے بھاگ دوڑ میں بہت معاونت کی اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ تعمیر کے سلسلہ میں حاجی حبیب الرحمٰن صاحب (جو کہ مسجد قباء غوثیہ شکریال کے بانی و صدر بھی ہیں اور ماہر تعمیرات بھی ہیں) نے بہت کام کیا ہے اور آپ کے بیٹے بابر سلطان نے بھی بہت کام کیا ہے۔ یقین جانیئے! ان دونوں حضرات نے اتنا کام کیا ہے۔ جتنا ذاتی کام بھی کوئی نہیں کرتا انہوں نے صرف دینی کام سمجھ کر کیا ہے ذاتی کئے

ہوئے کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

شکریال سے تعاون بھی **حاجی حبیب الرحمن** صاحب کے ذریعہ سے ہی ہو رہا ہے۔ آپ بدستور تعاون فرما رہے ہیں تمام حضرات کا میں شکر گزار ہوں۔ اور دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کے مال و اولاد، علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم

رحیم آباد شکریال راولپنڈی

۲۰۰۰/۱/۵

☆☆☆☆☆

﴿ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴾

﴿ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ﴾

باوضوء ہو کر جسم کو ڈھانپ کر یعنی ستر عورت اور مستحب لباس کا لحاظ کرتے ہوئے ، قبلہ کی طرف منہ کر کے انسان کھڑا ہو جائے ۔

نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے یعنی نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہے ، تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھائے ہاتھ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو تک ہوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں اور ہاتھوں کی انگلیاں کانوں سے اوپر ہوں ۔

پھر اپنے ہاتھ باندھ لے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے اوپر دایاں ہاتھ ہو اسطرح کہ بائیں ہاتھ کی پیٹھ پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی ہو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کا بائیں ہاتھ کے جوڑ پر گھیرا ہو اور دائیں ہاتھ کی درمیان والی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر ہوں

پھر ثناء پڑھے پھر تعوذ پڑھے پھر تسمیہ ، سورۃ الفاتحہ ، پھر کوئی اور سورۃ یا ایک بڑی آیت جو اٹھارہ حرفوں سے زائد ہو۔ یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے کم از کم ہر آیت چھ لفظوں پر مشتمل ہو۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے ، یہاں ہاتھ نہ اٹھائے ، رکوع

میں کم از کم تین مرتبہ " سبحان ربی العظیم "پڑھے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ پھر ربنالک الحمد کہے۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے، یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے، پھر سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھے۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسرے سجدہ میں چلا جائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔ پھر دوسرے سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان ربی الا علی" پڑھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔

دوسری رکعت تسمیہ سے شروع کرے، پھر پہلی رکعت کی طرح ہی اسے مکمل کرے۔ دوسری رکعت کے مکمل ہونے پر دو زانو ہو کر بیٹھ جائے۔ اس طرح کہ بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اس قعدہ (بیٹھنے کی حالت) میں تشہد پڑھے۔ یعنی التحیات سے لے کر عبدہ ورسولہ تک پڑھے۔

اگر انسان نے دو ہی رکعت پڑھنے ہیں تو تشہد کے بعد درود پاک پڑھے۔ پھر کوئی دعا پڑھے جو دعا قرآن پاک میں ہو یا حدیث پاک میں۔ زیادہ مشہور دعا "رب اجعلنی" الخ ہے۔

دعاء کے مکمل کرنے کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے پہلے دائیں طرف منہ پھیرے پھر اسی طرح السلام علیکم ورحمۃ

اللہ کہتے ہوئے بائیں طرف منہ پھیرے۔

اگر ایک شخص نے تین رکعت یا چار رکعت پڑھنی ہوں تو دوسری رکعت کے بعد قعدہ میں صرف تشہد پڑھے۔ درود شریف اور دعا نہ پڑھے۔

تشہد کے بعد تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو جائے۔ اگر نفل نماز ہو یا سنت ہوں تو تیسری رکعت اور چوتھی رکعت بھی دوسری رکعت کی طرح ہی پڑھے یعنی تسمیہ سے شروع کرے اور سورۃ فاتحہ بھی پڑھے اور سورۃ بھی ملائے۔

اگر فرض پڑھ رہا ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھ لینی کافی ہے۔ تاہم اگر سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور کوئی سورۃ بھی ملالے تو کوئی حرج نہیں۔

اگر وتر پڑھ رہا ہو تو تیسری رکعت کو تسمیہ سے شروع کرے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے پھر اور سورۃ ساتھ ملائے۔ سورۃ پڑھ لینے کے بعد اللہ اکبر کہے اور ہاتھ کانوں تک اٹھائے۔ کھڑا رہے۔ رکوع میں نہ جائے۔ اسی کھڑے ہونے کی حالت میں دعاء قنوت پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے۔ ہاتھ نہ اٹھائے۔ اس کے بعد عام نماز کی طرح مکمل کرے۔

وتر صرف رمضان المبارک میں جماعت سے پڑھے جاتے ہیں۔ باقی دنوں میں اکیلے ہی پڑھے جاتے ہیں۔ وتر کی صرف تین رکعت ہیں۔ ایک رکعت یا پانچ رکعت یا سات رکعت وتر نہیں۔ رمضان المبارک میں وتر جماعت

کے ساتھ بیس رکعت تراویح ادا کر لینے کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

تنبیہ :

کوئی شخص جب اکیلے نماز ادا کر رہا ہو تو سنت کی ہر رکعت میں، نفلوں کی ہر رکعت میں، وتروں کی ہر رکعت میں مطلقاً قرأت فرض ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھنی واجب ہے۔ اور کوئی سورۃ ملانا بھی واجب ہے۔

فاتحہ پڑھ لے اور کوئی سورۃ بھول کر نہ ملائے تو فرض بھی ادا ہو گیا۔ اور ایک واجب بھی ادا ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ پڑھ لی۔ لیکن ایک واجب چھوٹ گیا کہ دوسری کوئی سورۃ نہیں ملی۔ لہذا سجدہ سہو لازم آئے گا۔

اگر اور کوئی سورۃ پڑھ لی بھول کر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو پھر بھی یہی صورت ہے کہ فرض ادا ہو گیا۔ ایک واجب بھی ادا ہو گیا۔ اور ایک واجب رہ گیا۔

اگر فرض نماز پڑھ رہا ہو تو پہلی اور دوسری رکعت میں مطلقاً قرأت فرض ہے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب اور کسی سورۃ کا ملانا بھی واجب ہے۔ لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہیں۔ البتہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا :

اگر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہو تو امام کے لئے وہی حکم ہے جو اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے ہے۔ البتہ چند صورتوں میں کچھ فرق ہے وہ یہ

ہیں۔ اکیلا نماز پڑھنے والا تکبیریں، سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام آہستہ آواز سے کہتا ہے۔ اور امام بلند آواز سے۔ اسی طرح اکیلا نماز پڑھنے والا جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اس کے بعد ربنا لک الحمد کہتا ہے لیکن امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، ربنا لک الحمد نہیں کہتا۔

جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے وہ ہر نماز میں قرأت آہستہ آواز سے کرتا ہے۔ ہاں اگر فجر کی فرض نماز میں، مغرب کی فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشاء کے فرضوں کے پہلی دو رکعت میں اتنی آواز سے پڑھنا چاہے جو اپنے آپ کو آواز سنائی دے تو جائز ہے بلند آواز سے نہیں پڑھنا۔

امام کو فجر کے فرضوں کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کے فرضوں کی پہلی دو رکعت میں، عشاء کے فرضوں کی پہلی دو رکعت میں بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

مقتدی کے لئے حکم:

مقتدی ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے قرأت امام نے کرنی ہے۔ نماز کوئی بھی ہو خواہ ظہر و عصر کی ہو یا فجر و مغرب و عشاء کی ہو یعنی امام آہستہ قرأت کر رہا ہو یا بلند ہر حال میں مقتدی نے خاموش رہنا ہے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے یعنی امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے۔

امام جب بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو تو سورۃ فاتحہ کے ختم کرنے

پر امام اور مقتدی آہستہ آواز میں آمین کہیں گے۔امام جب "سمع الله لمن حمده " کہے گا تو مقتدی نے "سمع الله لمن حمده "نہیں کہنا بلکہ صرف "ربنا لك الحمد" کہنا ہے۔

فائدہ :

یہ لفظ حدیثِ پاک میں تین طرح آیا ہوا ہے تینوں میں سے جس پر عمل کرے جائز ہے۔وہ تین طرح یہ ہیں :

"ربنا لك الحمد،اللهم ربنا لك الحمد، اور اللهم ربنا ولك الحمد"

باقی رکوع اور سجود کی تسبیحات مقتدی نے بھی کہنی ہیں۔ تشھد،درود، اور دعاء بھی مقتدی پڑھے گا۔

مرض وعذر :

نماز میں کھڑا ہونا فرض ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر، بیماری کی وجہ سے نہ کھڑا ہو سکے تو بیٹھ کر نماز ادا کرے۔اگر تشھد میں بیٹھنے کی طرح بیٹھے تو زیادہ بہتر ہے۔اگر اس طرح نہ بیٹھ سکے تو جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہو اسی طرح بیٹھ جائے اور نماز ادا کرے۔ نماز میں رکوع اور سجود فرض ہیں اگر رکوع اور سجود کر سکے تو بہتر ہے۔ورنہ اشارہ سے نماز ادا کرے۔اشارہ کا یہ مطلب ہے کہ تھوڑا سر جھکائے تو اس سے رکوع ادا ہو جائے گا اور تھوڑا سر نیچے کر لے

تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ رکوع میں کمر کو بالکل سیدھا کرے۔ اس طرح کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا جائے تو پانی نہ گرے۔ اگر کمر وغیرہ میں تکلیف ہو پیٹھ کو سیدھا نہ کر سکے تو جس طرح بھی ممکن ہو اسی طرح ہی رکوع کر لے۔

راقم کمر کی شدید تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ اور ایک مرتبہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بایاں پاؤں ٹیڑھا ہو گیا۔ اسلئے راقم وجہ عذر رکوع میں کمر کو ہموار نہیں رکھ سکتا اور قعدہ میں بائیں پاؤں کے اوپر نہیں بیٹھ سکتا بغیر زمین پر سہارا لینے کے کھڑا ہونا دشوار ہے یہ سب عذر ہیں۔

رکوع سے سجدہ میں جانے کے لئے گھٹنے پہلے زمین پر رکھے اور ہاتھ بعد میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے جب کھڑا ہونا ہو تو ہاتھ پہلے اٹھائے اور گھٹنے بعد

عذر کی صورت میں جیسے ممکن ہو اسی طرح سجدہ میں جائے اور جیسے ممکن ہو اسی طرح سجدہ سے اٹھے۔

سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں لگائے اور ناک یا پیشانی میں تکلیف ہو کسی ایک کو زمین پر نہ لگا سکے تو ایک کا ہی زمین پر لگانا کافی ہو گا۔

مرض کی حالت میں جب لیٹ کر نماز پڑھنی ہو تو پیچھے سہارا لگائے۔ اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے تاکہ اس کے رکوع اور سجود میں اشارہ کرنے کی صورت میں چہرہ قبلہ کی طرف رہے۔

جب کسی شخص کو ایسی تکلیف ہو کہ وہ کھڑا تو ہو سکتا ہے لیکن رکوع

وسجود نہیں کر سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، کیونکہ اس نے اشارے سے نماز ادا کرنی ہے نماز میں سب سے اعلیٰ رکن سجدہ ہے جو غیر خدا کو نہیں ہو سکتا۔ اسلئے بیٹھ کر جب اشارہ کرے گا تو وہ اشارہ سجدہ کے زیادہ قریب ہوگا۔

عید کی نماز :

دو رکعت نماز ہے خواہ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ ہو۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین مرتبہ تکبیریں کہے اور ہر مرتبہ ہاتھ اٹھائے جائیں دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہے اور ہر مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ پھر چوتھی مرتبہ اللّٰہ اکبر کہہ کر بغیر ہاتھ اٹھانے کے رکوع میں چلا جائے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام نے دو خطبے پڑھنے ہیں عوام نے فقط سننا ہے پڑھنا نہیں۔

مسافر کی نماز :

جب کوئی شخص گھر سے ساڑھانوے کلو میٹر (ساڑھے ستاون میل) سفر کا ارادہ کر کے نکلے تو اپنے شہر کی حدود سے جب نکل جائے تو اس کی نماز قصر شروع ہو جائے گی۔ قصر کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعت والے فرض دو رکعت ادا کرے اگر سفر میں گاڑی وغیرہ کے نکلنے کا خطرہ ہو کسی طرح بھی وقت کم ہو، سنتیں نہ ادا کر سکے تو سنت کو چھوڑ سکتا ہے اور اگر سنت ادا کرنے کا وقت مل جائے تو سنت موکدہ ادا کرے سنتوں میں قصر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ مسافر کو قصر کرنا واجب ہے قصر نہ کرنا مکروہ ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز مکمل پڑھنے میں ثواب ہے حالانکہ ایسا نہیں۔

مسافر شخص اگر مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کرے گا تو مکمل نماز پڑھے گا اب قصر نہیں کرے گا۔

مسافر آدمی اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو مقیم بن جاتا ہے اب اسے نماز مکمل کرنی پڑے گی۔ اگر پندرہ دنوں سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز قصر ہو گی۔

اگر کہیں باہر سے انسان اپنے گھر آجائے تو اپنے اصلی گاؤں شہر میں نماز مکمل پڑھے گا۔ خواہ تھوڑی دیر کے لئے آیا ہو پھر اس نے واپس ہی کیوں نہ جانا ہو۔

سفر والی قضاء نماز اقامت والی جگہ آکر قصر پڑھے گا۔ اور اقامت والی جگہ کی قضاء نماز سفر میں مکمل پڑھے گا۔ واپس جب اپنی شہری حدود میں آجائے تو نماز مکمل ہو جائے گی۔ قصر ختم ہو جائے گی۔

اگر ایک شخص نے پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ ارادہ یہ ہو آج چلا جاؤں گا، کل چلا جاؤں گا، اس طرح اسے کام پڑتا رہا وہاں ہی رہنا پڑا تو نماز قصر ہی ہو گی خواہ کئی مہینے کیوں نہ ٹھہرنا پڑے۔

سر سے ننگے نماز پڑھنے کا حکم :

اگر سستی سے سر ننگا رکھے تو نماز مکروہ ہوگی اگر حقیر سمجھ کر سر کو ننگا رکھے، طنز کرے کہ سر کو ڈھانپنے کا کیا فائدہ تو ایسے شخص کے کفر کا خدشہ ہے۔ (طحطاوی، شامی)

اعتراض : حج میں سر ننگا رکھا جاتا ہے تو آگے پیچھے سر کو ننگا رکھنے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔

جواب : حج میں صرف احرام کے دنوں میں سر کو ننگا رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ سر کو ننگا رکھنا مرد کے احرام کا حصہ ہے۔ حج کے احکام علیحدہ ہیں۔ اور باقی دنوں میں اور عبادات کے احکام علیحدہ ہیں۔ اگر حج پر ہی قیاس کرنا ہو تو پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حج میں سوائے دو چادروں کے، سلے ہوئے کپڑے پہننا منع ہے، لہٰذا نماز میں بھی منع ہونا چاہیے۔ اس طرح کی سوچ احمقانہ ہے۔ ایسے جگ ہنسائی والے دلائل ممکن ہے کوئی جاہل مان لے۔

حضراتِ محترم: یہ چند مسائل صرف کتاب کے لئے رابطہ کے طور پر ذکر کر دیئے ہیں۔ ورنہ اصل مقصد صرف وہ مسائل بیان کرنے ہیں، جن میں غیر مقلدین اختلاف رکھتے ہیں۔ صرف مشہور مسائل پر بحث کرنی مقصود ہے۔ رب تعالیٰ حق کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

﴿ مقدمہ ﴾

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

" الحمد للہ رب العلمین ☆ والصلوۃ والسلام علی رسولہ رحمۃ للعلمین ☆ وعلی الہ وصحابہ اجمعین"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد"

(ترمذی ، ابن ماجہ ، مشکوۃ کتاب العلم)

یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہوتا ہے ۔

ہزار عابد سے مراد معین تعداد نہیں بلکہ "المراد الکثرۃ "مراد کثیر عبادت گذار لوگ ہیں خواہ ہزار سے زائد ہی کیوں نہ ہوں ، ایک فقیہ کثیر عابدوں کی بنسبت شیطان پر سخت اور بھاری کیوں ہے ؟ اس لئے کہ جب شیطان مکر وفریب کے دروازے کھولتا ہے تو فقیہ اسے جانتا ہے وہ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے دوسرے لوگوں کو بھی اس کے مکر و فریب سے آگاہ کرتا ہے اس طرح وہ شیطانی راستے کو بند کرتا ہے کیونکہ جب لوگ شیطان کے جال میں نہیں پھنستے تو وہ رسوا ہو جاتا ہے ۔

لیکن عابد اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے اسکی توجہ ہی شیطانی مکر وفریب کی طرف نہیں ہوتی ، اس لئے وہ تو خود شیطانی جال کی زد میں ہوتا ہے دوسروں کو کیا بچائے گا خیال رہے کہ فقیہ یعنی عالم سے مراد باعمل

عالم ہے اور عابد سے مراد بے علم عابد ہے ۔

اعتراض : اس حدیث کے متعلق تو طبرانی نے لکھا ہے " سنده ضعيف وله شواهد اسانيدها ضعيفة "اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر کثیر شواہد پائے جاتے ہیں؟

جواب : طبرانی نے اگرچہ اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے لیکن سند اس کی دوسری ہے وہ بیہقی نے شعب میں اور طبرانی نے اوسط میں ذکر کی ہے جسکی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" لكن كثرة طرقه تخرجه من الضعف خصوصا حيث اعتضده برواية الترمذی وابن ماجه عن ابن عباس "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بے شک راویوں کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے ضعف سے خارج بلکہ حسن لغیرہ ہے خصوصاجب اس کو تائید حاصل ہے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت سے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ واضح ہوا کہ حضرت ابن عباس کی سند سے مروی حدیث نے تو حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث کو بھی ضعف سے نکال دیا ہے، یہ خود ضعیف نہیں ۔

(مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۸٤)

اجتہاد کے درجہ کا علم فرض کفایہ ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة "

ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ ہر مسلمان پر جس علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے یہ وہ علم ہے کہ جسکے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ جس طرح اللہ تعالی کے موجود ہونے ، خالق ہونے کا علم ، اس کی وحدانیت کا علم اور اس کے رسولوں کی نبوت کا علم ، اور نماز کی کیفیت کا علم فرض عین ہے یعنی یہ باتیں ہر شخص کو جاننا ضروری ہیں اگر کوئی ان چیزوں سے بے خبر رہا تو گناہگار ہوگا ۔

"واما بلوغ رتبة الاجتهاد والفتيا ففرض كفاية"

(ازمرقاۃ ج ۱ ص ۲۸٤)

یعنی اجتہاد اور فتوی دینے کی حد تک علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ تقریباً ستاون میل کے اندر کوئی ایک بھی ایسا عالم پایا جائے جو علم رکھتا ہو تو دوسرے لوگ گنہگار نہیں ہونگے ورنہ تمام گناہگار ہونگے ۔

اس سے واضح ہوا کہ تفصیلی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض نہیں لیکن مسائل کا خود علم نہ رکھنے کی وجہ سے مجتہد عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا ۔

فائدہ : " فان قيل ما الفرض قبل الفرض فقل العلم قبل العمل وان قيل ماالفرض فى الفرض فقل الاخلاص فى العلم والعمل وان قيل ما الفرض بعد العمل فقل الخوف والرجاء '

(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۸٤)

اگر کہا جائے کہ فرض سے پہلے کیا فرض ہے تو تم کہو عمل سے پہلے علم یعنی فرض دونوں ہی ہیں لیکن علم پہلے اور عمل بعد میں) اگر کہا جائے کہ فرض میں فرض کیا ہے تو تم کہو علم اور عمل میں خلوص (یعنی جس طرح علم اور عمل فرض ہیں اسی طرح ان میں خلوص بھی فرض ہے) اگر کوئی کہے عمل کے بعد کیا چیز فرض ہے تو تم کہو خوف اور امید (یعنی عمل بھی فرض ہے اور عمل کے بعد یہ بھی فرض ہے کہ انسان بخشش کی امید بھی رکھے اور اللہ تعالے کے عذاب سے ڈرتا بھی رہے، یہ امید و بیم بھی فرض ہے۔

فقہ کیا ہے؟

فقہ کا لغوی معنی ہے "سمجھنا" اور اہل شرع کے نزدیک فقہ ایک خاص علم کا نام جسکی تعریف یہ ہے:

" الفقة هو العلم الحاصل بجملة من الاحكام الشرعية الفرعية بالنظر والاستدلال" (مقدمہ نور الانوار)

فقہ وہ علم ہے کہ نظر و استدلال سے تمام احکام شرعیہ فرعیہ حاصل ہوں۔

فقہ کی تعریف میں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے یہ بمعنی یقین کے ہے یعنی جس کے ذریعے احکام شرعیہ فرعیہ کا یقین حاصل ہو اگر گمان حاصل ہوا تو وہ حقیقی معنی کے لحاظ سے فقہ نہیں اگر چہ مجازاً اسے فقہ کہہ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ تمام احکام کا علم حاصل ہوا اسلئے کہ اگر کسی کو ایک دو

مسئلے آجائیں تو اس کے علم کو فقہ نہیں کہا جائے گا۔

یہ کہا گیا کہ احکام بھی شرعی ہوں، اسلئے کہ اگر عقلی یا حسی اشیاء کا علم حاصل ہو جائے تو اسے فقہ نہیں کہتے۔ فرعیہ کہا گیا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ علم جو خود دلیلوں کے حجت ہونے کا ہے یعنی قرآن، سنت (حدیث)، اجماع اور قیاس دلائل فقہ ہیں اس چیز کے جاننے کا نام فقہ نہیں بلکہ ان سے حاصل ہونے والے مسائل کا نام فقہ ہے نیز اصولی اشیاء کا علم بھی فقہ نہیں توحید باری تعالیٰ، رسالت و نبوت، قیامت کا علم، جنت و دوزخ وغیرہ اس قسم کے عقائد کا علم فقہ نہیں۔

فقیہ کون ہے؟

"ولم يطلق الفقيه الاعلى المستنبطين منهم يعنى يشترط لهم ملكة الاستنباط الصحيح وهو ان يكون مقرونا بشرائطه"

(از توضیح)

یعنی فقیہ وہ ہوگا جسے تمام احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط صحیح کا ملکہ حاصل ہو اور استنباط صحیح کی تمام شرائط پائی جائیں یعنی مجتہد ہو اور اجتہاد کی شرائط اسمیں پائی گئی ہوں۔

وشرط الاجتهاد ان يحتوى علم الكتاب بمعانيه اللغوية والشرعية ووجوهه التى قلنا من الخاص والعام والامر والنهى وسائر الاقسام السابقة وعلم السنة بطرقها المذكورة وان يعرف وجوه القياس بطرقها وشرائطها

(از منار و نورالانوار ص ۲۴۶)

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی معانی لغویہ اور شرعیہ پر انسان حاوی ہو اور اصول فقہ کے تمام ضوابط یعنی خاص، عام، مشترک ،مأول ، ظاہر، نص، مفسر ، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، حقیقت، مجاز ،صریح ،کنایہ ،عبارۃ النص، دلالۃ النص ، اشارۃ النص ، اقتضاء النص ،اور امر و نہی وغیرہ کو جانتا ہو ، اور تمام طریقوں کا علم اسے سنت میں بھی حاصل ہو جیسے قرآن پاک کا علم ان طریقوں کے مطابق ہونا ضروری ہے نیز قیاس کے تمام طریقے اور انکی شرائط کو جانتا ہو ۔

خیال رہے کہ جو مسائل کتاب وسنت و اجماع سے ثابت ہوں ان میں قیاس واجتہاد نہیں ہوگا البتہ ایک مسئلہ مختلف احادیث سے مختلف طریقوں سے ثابت ہو رہا ہو تو ان احادیث میں تطبیق دینا اور مسئلہ کا استنباط کرنا مجتہد کا کام ہے اسی طرح قرآن پاک کی آیت اور حدیث میں اگر بظاہر تعارض نظر آرہا ہو تو اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے اجتہاد ہوگا۔

اسلام کے پہلے فقیہ و مجتہد :

رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں آپ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا خاوند جماع سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور نکاح کے وقت اسکا مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا اسکا کیا حکم ہے یعنی وہ عورت کتنا مہر لینے کی حقدار ہے ؟ آپ نے فرمایا :

" اجتهد فيها برايي ان اصبت فمن الله وان اخطات فمنى

ومن الشیطان "

میں اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کروں گا اگر میں نے درست بیان کر دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہو گی اور اگر میں نے اس میں غلط فیصلہ کیا تو میرے اجتہاد میں میری اپنی ہی غلطی ہو گی یا شیطان کی طرف سے شک ڈالا گیا ہو گا۔

آپ نے اس مسئلہ میں ایک ماہ تک اجتہاد کرنے کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا" اری لھا مھر مثل نسائھا لاوکس ولاشطط "میں نے اپنے اجتہاد سے یہ مسئلہ حاصل کیا کہ اسکا مہر اس کے خاندان کی اس جیسی عورتوں کی مثل ہو گا یعنی وہ مہر مثل کی حقدار ہے نہ اس سے کچھ کم ہو گا اور نہ زائد۔

آپ کا یہ قول سنکر ایک صحابی نے کہا کہ حضور ﷺ نے بھی ایک عورت کے متعلق یہی فیصلہ کیا تھا۔ یہ سن کر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے کہ میرا اجتہاد نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کے مطابق ہو گیا کیونکہ آپ نے پہلے اس مسئلہ کے متعلق کسی سے نہیں سنا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس میں کوئی حکم فرمایا ہے ۔

" وکان ذالك بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیه احد منھم"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اجتہاد کئی صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا اور کسی نے انکار نہیں کیا لہذا اس مسئلہ پر اجماع صحابہ ہو گیا کہ اجتہاد کیا جا سکتا ہے ، اور اجتہاد میں غلطی کا بھی گمان ہو سکتا ہے اور اجتہاد صحیح بھی ہو سکتا ہے ۔

مجتہد کو اجتہاد کرنیکا ثواب ہر حالت میں حاصل ہوگا اگر درست فیصلہ ہوا تو دو ثواب حاصل ہونگے ایک اجتہاد کا، اور دوسرا درست فیصلے کا اور اگر خطا ہو گئی تو بھی اجتہاد کا ثواب ضرور حاصل ہوا۔

(از نور الانوار ص ۲۴٦)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد کے فقہاء کرام :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مزید فقہ کی مزید وضاحت حضرت علقمہ بن قیس نے کی، یہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں ہی پیدا ہو گئے تھے انہوں نے حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت ابو الدرداء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا اور ان سے ہی قرآن پاک پڑھا۔ ان کے بعد ابراہیم بن یزید نخعی نے مختلف فوائد ونوادر جمع کئے اور ان کے بعد مزید وضاحت اور چھان بین حضرت حماد مسلم کوفی نے کی۔

ان کے بعد اثر اصول و ضوابط امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرمائے، سب سے پہلے فقہ کو تدوین کرنے والے آپ ہی ہیں آپ نے ہی فقہ کی کتب کو کتاب باب وغیرہ میں مرتب فرمایا اور آج تک اسی پر فقہی کتب مرتب ہو رہی ہیں خیال رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے مؤطا میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب ہی کی تابعداری کی ہے۔ کتاب الفرائض اور

کتاب الشروط کو بھی سب سے پہلے مرتب کرنے والے امام اعظم ہی ہیں، آپ کے بعد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کے بیان کردہ اصول وضوابط میں مزید نظر فرمائی اور فروع کا استنباط کیا ان کے بعد مزید وضاحت اور استنباط امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کیا

(شامی جلد ۱ ص ۳۵)

تقلید کیا ہے؟

" التقليد اتباع الرجل غيره فيما يقول او فى فعله على زعم انه محق بلانظر فى الدليل فكان المقلد جعل قول الغير او فعله قلادة فى عنقه كذافى مختصر المنار "

(حاشیہ نور الانوار ص ۲۱٦)

تقلید کا لغوی معنی ہے گردن میں قلادہ یعنی پٹا ڈالنا۔ اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ غیر کے قول اور فعل کی تابعداری کرنا یہ قوی اور غالب گمان کرتے ہوئے کہ اس شخص کا قول اور فعل حق ہے اس کے دلائل کو بھی نہ دیکھا جائے کہ اس کے دلائل کس درجہ کے ہیں لغوی اور اصطلاحی معنی میں مطابقت واضح ہے کہ تقلید کرنے والے نے گویا اپنے گلے میں غیر کے قول و فعل کا قلادہ ڈال لیا ہے۔

تقلید صرف مجتہد کی ہوگی :

صاحب منار نے تحریر فرمایا ہے" تقليد الصحابى واجب يترك به القياس "صحابی کی تقلید واجب ہے اس کے ذریعے قیاس کو

چھوڑ دیا جائیگا۔ اس عبارت کی وضاحت میں صاحب قمر الاقمار فرماتے ہیں

"والمراد بالصحابی الصحابی المجتهد کذافی التلویح فان روایة الصحابی الغیر المجتهد قدتترك اذاخالف القیاس من کل وجه فقوله اولی بالترك" (نور الانوار ص ۲۱۶)

صحابی سے مراد وہ صحابی ہے جو مجتہد ہو یعنی مجتہد صحابی کے قول کے خلاف اگر قیاس ہو تو اسے چھوڑ دیا جائیگا۔ جیسا کہ اصول فقہ کی مشہور کتاب تلویح میں بھی ذکر ہے لیکن غیر مجتہد صحابی کی روایت جب قیاس کے سراسر مخالف ہو اور ان میں تطبیق کی کوئی وجہ نہ ہو تو وہاں قیاس پر عمل ہو گا اور قول صحابی کو چھوڑ دیا جائے گا۔

مذاہب اربعہ حق ہیں :

مذہب حنفی، مذہب مالکی، مذہب شافعی اور مذہب حنبلی چاروں حق ہیں ان چاروں مذاہب میں جس کسی کی تقلید کی جائے صحیح ہے تقلید کرنے والا گناہ گار نہ ہو گا کیونکہ مجتہد سے اپنے اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو وہ گناہگار نہیں۔ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اسکا عمل صحیح ہو گا اور اس کی تقلید بھی اس اجتہاد میں صحیح ہو گی۔

"ان المجتهد یخطی ویصیب والحق فی موضع الخلاف واحد لکن لایعلم ذلك الواحد بالیقین فلهذا قلنا بحقیة المذاهب الاربعة ای الحنفی والشافعی والمالکی والحنبلی" (منار، نور الانوار، قمر الاقمار ۲۴۶)

بے شک مجتہد سے اجتہاد میں کبھی خطا ہو جاتی ہے اور کبھی اسکا اجتہاد

درست ہوتا ہے جب مجتہدین کے اجتہادات میں اختلاف ہو تو حق صرف ایک میں ہے ہو گا کیونکہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کس اجتہاد میں حقانیت ہے اسلئے چاروں مذاہب یعنی حنفی، شافعی مالکی اور حنبلی حق ہو نگے۔ خیال رہے کہ ایک کے حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے حق ایک ہی ہے۔

" ان لله تعالیٰ فی کل مسئالة فیها المجتهدون حکما معینا فمن اصابه اصاب و من اخطأه اخطاء "

(قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص ٢٤٦)

یعنی جس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہو گا ان مختلف اجتہادات میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی حکم معین ہو گا جس کو اس کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی اس نے راہ حق کو پالیا اور دوسرے سے خطا واقع ہو گئی۔ لیکن خیال رہے کہ تقلید کرنے والے صرف دلائل کی برتری اور طرز استدلال کو دیکھ کر کسی ایک مذہب کو ترجیح دیں گے اسلئے جس مذہب کو غالب سمجھ کر کسی نے تقلید کر لی وہی اس کے حق میں درست ہو گا۔

مذاہب اربعہ کے بغیر تقلید منع ہے :

" ولایجوز تقلید ماعدا المذاهب الاربعة ولووافق قول الصحابة والحدیث الصحیح والایة فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذالك الى الكفرلان الاخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر "

(صاوی ، سورۃ الکهف ایة واذکر ربك اذانسیت)

ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید درست نہیں اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کے قول اور حدیث اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے کیونکہ بسااوقات یہ کفر تک پہنچادیتا ہے اسلئے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معانی مراد لینااور انکی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ ہے۔

تقلید بہت ضروری ہے :

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا...... ! فاسئلوا اهل االذکر ان کنتم لاتعلمون تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔اہل ذکر سے مراد کون ہیں ؟فاسئلوا المؤمنین العالمین من اهل القرآن (خازن) یعنی جو مومن ہیں اور قرآن کا علم رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمنثور میں فرماتے ہیں :

" اخرج ابن مردویه عن انس قال سمعت النبی ﷺ یقول ان الرجل یصلی ویصوم ویحج ویغزووانه لمنافق قالوا یارسول الله بما ذا دخل علیه النفاق قال لطعنه علی امامه' وامامه من قال قال الله فی کتابه فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون"

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو کو فرماتے سنا کہ بیشک ایک شخص نماز پڑھتا ہوگا، روزے رکھتا ہوگا، حج کرتا ہوگا اور جہاد کرتا ہوگا لیکن

وہ منافق ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ نے فرمایا! اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے، امام کون ہے؟ فرمایا، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**

تقلید مذاہبِ اربعہ ہی کی کیوں ضروری ہے:

صرف ان چاروں ائمہ کی ہی تقلید ہو سکتی ہے کسی اور کی نہیں کیونکہ ان حضرات نے ہی وہ قوانین و ضوابط مرتب فرمائے ہیں جن کے ذریعہ مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے اور باقی تمام لوگ ان کے ہی پیروکار ہیں۔ خیال رہے کہ غیر مقلدین بھی اپنے دلائل وہی پیش کرتے ہیں جو کسی نہ کسی امام کے مذہب میں پیش کیے گئے ہیں۔ تمام حنفی فقہاء امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

تمام فقہاء کے کل سات درجے ہیں:

پہلا درجہ ان حضرات کا جو مجتہد فی الشرع ہیں جس طرح چاروں امام یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین انہی حضرات نے فقہ کے قواعد و اصول مرتب فرمائے ہیں۔

دوسرا درجہ ان حضرات کا ہے جو مجتہد فی المذہب ہیں جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، رحمۃ اللہ علیہما اور امام اعظم کے دیگر شاگرد جن کو یہ طاقت حاصل تھی کہ وہ اپنے امام اور استاذ کے بتائے ہوئے قوانین کے ذریعے قرآن وحدیث سے مسائل نکال سکتے تھے۔

تیسرا درجہ مجتہدین فی المسائل کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو اصول اور فروع میں اپنے امام کے مقلد ہیں ہاں البتہ جن مسائل میں کوئی نص نہیں پائی جاتی یہ حضرات وہ مسائل اپنے امام کے بنائے ہوئے اصول و قوانین سے نکالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جیسے خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضیخان وغیرہ۔

چوتھا درجہ مقلدین میں اصحاب تخریج کا ہے یہ حضرات اجتہاد پر تو بالکل قادر نہیں ہوتے لیکن انہیں قوانین اور ماخذ کا علم ہوتا ہے اگر کوئی مسئلہ مجمل ہوتا اور اس میں دو وجوہات ہوتیں یا اسی طرح کوئی مسئلہ مبہم ہوتا جس میں دو احتمال پائے جاتے تو یہ ترجیح دے سکتے تھے جیسے رازی وغیرہ۔

پانچواں درجہ مقلدین میں اصحاب ترجیح کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو روایات کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے کہ یہ اولیٰ ہے، یہ اصح ہے، یہ لوگوں کے لئے بہتر اور آسان ہے جیسے ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ۔

چھٹا درجہ مقلدین میں سے ان حضرات کا ہے جو زیادہ قوی اور قوی و ضعیف کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ظاہر اور روایات نادرہ وغیرہ میں تمیز کر سکتے تھے جیسے متأخرین فقہاء کرام جنہوں نے وہ کتب تصنیف کیں جنہیں متن کہا جاتا ہے جیسے صاحب کنز، صاحب مختار،

صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔ یہ حضرات اقوال مردود اور روایات ضعیفہ نقل نہیں کرتے۔

ساتواں درجہ ان فقہائے کرام کا ہے جو ان چھ مذکورہ مدارج میں سے کسی درجہ پر نہیں ہوتے بلکہ انہیں صرف یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ فقہ کی کسی کتاب کو دیکھ کر مسئلہ بتا سکتے ہیں۔ جو فقہ کی کتب کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو اسے ہم فقیہ اعظم اور فقیہ العصر کے القاب دیتے ہیں یہ کامل طور پر مقلد ہوتے ہیں۔

(از شامی ج ۱ ص ۵۷)

تنبیہ : ایک درجہ کے فقہاء ایک دوسرے کے مقلد نہیں ہوتے لیکن اوپر والے درجہ کے فقہاء کے مقلد کی حیثیت میں ہوتے ہیں اگرچہ در حقیقت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مقلد ہوتے ہیں۔

امام اعظم کے شاگردوں کا آپ سے کئی مسائل میں اختلاف کیوں؟

ایک مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بچہ کو کیچڑ میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا، دیکھنا کہیں گر نہ جانا۔ اس بچے نے عرض کی:

" احذر انت السقوط فان فی سقوط العالم سقوط العالم "

آپ احتیاط کرنا کیونکہ ایک عالم کے پھسلنے اور گرنے سے تمام جہان گر جاتا ہے۔

یعنی عالم کی غلطیوں سے لوگ غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اس واقعہ کے

بعد امام صاحب نے اپنے اصحاب کو حکم دیا :

" ان توجه لكم دليل فقولوا به "

اگر تمہیں کوئی دلیل نظر آئے تو اس کے مطابق تم مسئلہ بیان کر دیا کرو، آپ کا یہ ارشاد آپکے کامل تقوی پر دلالت کرتا ہے آپ کے اس ارشاد کے باوجود آپ کے تلامذہ نے آپکے بیان کردہ اصول وضوابط کے خلاف کوئی قانون نہیں وضع کیا بلکہ آپکے اصولوں کے مطابق ہی مسائل میں اجتہاد کیا ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں :

" ماقلت قولا خالفت فيه اباحنيفة الا قولا قد كان قوله "

یعنی میں نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" ماخالفت اباحنيفة في شئى الاقد قاله ثم رجع عنه "

میں نے امام صاحب کے کسی قول کی مخالفت نہیں کی ہاں البتہ آپ کا ایسا کوئی قول ہو جس سے آپ نے خود ہی رجوع فرمالیا ہو تو اس کی مخالفت اگرچہ میں نے کی لیکن وہ بھی درحقیقت مخالفت نہیں کیونکہ آپ نے اسے ترک کر دیا تھا۔

" فهذا اشارة الى انهم ماسلكوا الطريق الخلاف بل قالوا ماقالوا عن اجتهاد ورأى اتباعا لما قاله استاذهم ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ "

(درمختار و شامی ج۱ ص ۴۹، ۵۰)

اس سے واضح ہوا کہ امام صاحب کے شاگردوں نے آپ کے مخالف کسی راہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے اجتہاد یا اپنی رائے سے جو مسئلہ بھی بیان کیا ہے اس میں انہوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تابعداری کی ہے۔

اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام فقہاء کے طبقات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہی مقلد ہیں اور آپکے شاگرد بھی آپ ہی کے مقلد ہیں ایک درجے کا فقیہ اپنے ہی درجے کے فقیہ کا مقلد نہیں نیز ہمارے زمانے کے سب فقہاء پہلے تمام فقہاء کے تابع ہیں۔

تقلید کن مسائل میں جائز ہے؟

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آیۃ "نصیبهم غیر منقوص" کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

" وفی الایة ذم التقلید وهو قبول قول الغیر بلادلیل وهو جائز فی الفروع والعملیات ولایجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لابد من النظر والاستدلال "

تقلید صرف فروعی مسائل اور عملیات میں ہے اصول دین اور اعتقادی مسائل میں تقلید جائز نہیں بلکہ ان میں نظر واستدلال ضروری ہے آیتِ کریمہ میں جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ اعتقادیات اور اصول دین کو بغیر نظر واستدلال کے صرف کسی شخص کے کہنے پر تسلیم نہ کیا جائے۔

اپنے امام کے مذہب کو حق ماننا واجب ہے :

" اذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوبا مذهبنا صواب يحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا خطاء يحتمل الصواب "

(مقدمہ در مختار)

جب ہم سے ہمارے مذہب (مذہب حنفی) اور دوسروں کے مذہب کے متعلق سوال کیا جائے تو ہم پرواجب ہوگا کہ ہم یہ جواب دیں، ہمارا مذہب حق اور درست ہے اور غلطی کا اس میں بہت ہی کم احتمال ہے جبکہ ہمارے غیر کا مذہب درست نہیں اور اس کے صحیح ہونے کا بہت ہی کم احتمال ہے۔

" واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا بالحق ما نحن عليه والباطل ما عليه خصومنا "

(در مختار)

اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ ہمارا عقیدہ سچا ہے یا ہمارے مخالفین کا تو ہم پر یہ جواب دینا واجب ہے کہ ہمارا عقیدہ حق، اور سچ اور درست ہے اور ہمارے مخالفین کا عقیدہ باطل ہے۔

یعنی ہمیں اپنے عقیدے کی اور اپنے مذہب کی حقانیت پر کامل یقین ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عقیدے اور مذہب میں متزلزل اور متردد نہ ہوں ۔

در مختار کی اس عبارت پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" عن معتقدنا اى عما نعتقده من غير المسائل الفرعية مما

یجب اعتقاده علی کل مکلف بلا تقلید لاحد وھو ما علیه اھل السنة والجماعة وھم الاشاعرة والماتریدیة وھم متوافقون الافی مسائل یسیرة اربعھا بعضھم الی الخلاف اللفظی "

(شامی ج۱ ص ۳۶)

عقیدہ سے مراد فروعی مسائل کے بغیر اصول دین ہیں عقائد میں ہر مکلف یعنی عاقل وبالغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شخص کی تقلید کے بغیر ان پر اعتقاد رکھے۔ (فروعی مسائل میں تقلید واجب ہوگی) عقائد صحیحہ صرف وہی ہونگے جن پر اہلسنت وجماعت یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اجماع ہے، انکا آپس میں بہت ہی کم اختلاف ہے وہ بھی بعض حضرات کے نزدیک لفظی اختلاف ہے۔

علامہ شامی کی اس تحقیق کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اعتقادیات یعنی اصول دین میں تقلید نہیں، صرف فروعی مسائل میں تقلید ہوگی۔ اسی وجہ سے صاحب درمختار نے بھی مذھب اور عقیدہ کاالگ الگ ذکر کیا ہے کیونکہ مذہب سے مراد فروعی مسائل میں امام کی تقلید ہے اور عقیدہ سے مراد اصول دین ہیں جنہیں بغیر تقلید کے تسلیم کرنا اور ان پر قائم رہنا واجب ہے۔

خیال رہے کہ صریح احکام جن میں احادیث متعارض نہیں ان میں بھی تقلید نہیں اور نہ ہی ان میں کسی امام کا اختلاف ہے جیسے نماز کی رکعتیں یعنی فجر کی نماز دو رکعت فرض ہیں اور ظہر کی چار، اسی طرح رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض ہیں، اس قسم کے مسائل میں تقلید نہیں۔

صحابہ کرام پر کس کی تقلید ضروری تھی؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ فقہاء کرام کے کئی طبقات ہیں ہر طبقہ کے لوگوں کو اپنے ہی درجے کے لوگوں کا مقلد ہونا ضروری نہیں البتہ اپنے سے اوپر والے درجے کے فقہاء کا مقلد ہونا ضروری ہے اس سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کو آقائے دو جہاں ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی وہ جب چاہتے نبی کریم ﷺ سے مسائل پوچھ لیتے تھے اسلئے انکو دین سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔

اسی طرح تابعین صحابہ کرام کی طرف رجوع فرمالیتے تھے اور انکو بھی کسی ایسے امام کی ضرورت نہیں تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مسائل کو سمجھنا اور احادیث میں تطبیق دینا دشوار ہوتا چلا گیا اسلئے بعد کے لوگوں کو ائمہ کی تقلید کرنا واجب ہوا کیونکہ ان ائمہ نے مسائل کے حل اور احادیث میں تطبیق کے لئے اصول وضوابط مقرر فرما دیئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو فوقیت کیوں؟

1 :- مذہب حنفی کی فضیلت کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور تابعی کا قول حدیث قولی ہے اور تابعی کا فعل حدیث فعلی ہے اور تابعی کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور وہ اس سے نہ روکے تو وہ حدیث تقریری ہے یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے اقوال

وافعال اور ان کا کسی کام کے کرنے سے نہ روکنا احادیث ہیں اسے طرح تابعی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ قوت اور ضعف کا فرق ہو گا لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور خصوصاً جبکہ تابعی بھی وہ ہو جسے علم اور تقوی کا اعلیٰ مقام حاصل ہو تو یقیناً اس کے اقوال نے حجت ہونا ہی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تابعی ہونا :

" ادرك بالسن نحو عشرين صحابيا " (مقدمہ در مختار)

آپ نے اپنی عمر میں تقریباً بیس صحابہ کرام سے ملاقات کی۔

جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ابن فضیل ، واثلہ ، عبداللہ بن عامر ، ابن ابی اوفی ، ابن جزء ، عتبہ ، مقداد ، ابن بسر ، ابن ثعلبہ ، سہل بن سعد ، انس ، عبدالرحمٰن بن یزید ، محمود بن لبید ، محمود بن ربیع ، ابو امامہ ، ابو الطفیل ، عمرو بن حریث ، عمرو بن سلمہ ، ابن عباس ، سہل بن منیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔

"وصح ان ابا حنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة "

(مقدمہ درمختار)

صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سات صحابہ کرام سے احادیث بلاواسطہ سنیں ہیں :

" ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامعاصرين له كالاوزاعى بالشامى والحمادين بالبصرة والثورى بالكوفة ومالك بالمدينة الشريفة والليث بن سعد بمصر "

(شامی ج ۱ ص ۴۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں صحابہ کی ایک جماعت کو پایا اور یہ مقام آپ کے زمانے کے دوسرے اکابر ائمہ کو حاصل نہیں ہو سکا جن میں ملک شام میں اوزاعی، بصرہ میں حماد بن، کوفہ میں ثوری، مدینہ طیبہ میں امام مالک اور مصر میں لیث بن سعد علیہم الرحمۃ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعا :

دوسری وجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی فوقیت کی یہ ہے کہ آپکے لئے شیر خدا، حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی جو یقیناً قبول ہوئی اسی وجہ سے کسی امام کو آپکا سا مرتب حاصل نہ ہوا دعا کی یقینی قبولیت کا میں نے اسلئے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سید الاولیاء اور مستجاب الدعوات ہیں۔

وقد ثبت ان ثابتا ادرك الامام علی بن ابی طالب فدعا له ولذریته بالبرکة (مقدمه درمختار)

یعنی تحقیق یہی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت ثابت بن نعمان (آپ اپنے دادا کے ہم نام ہیں) نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دی تو انہوں نے ان کے لئے اور انکی اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

اسی لئے امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت فرماتے ہیں (نحن نرجو ان یکون اللہ تعالی قد استجاب لعلی فینا) یعنی ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی دعا قبول فرمالی ہے۔ قد استجاب کا معنی یہ ہے یقیناً دعا قبول فرمالی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ دعا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے پہلے کی ہے کیونکہ آپکی پیدائش ۸۰ھ میں جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اصل میں جو مشہور ہے کہ امام اعظم کے والد آپکو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ ابن خلکان کے بعض نسخوں میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

" ولد جدی ابوحنیفة سنة ثمانین وذهب ثابت بجدی الی علی ابن ابی طالب "

یعنی میرے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور انکے باپ ثابت انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس لے گئے، لیکن صحیح نسخہ میں "ذهب ثابت جدی" کے الفاظ ہیں۔

یعنی میرے دادا ثابت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے

"والظاهر ان لفظة بجدی من زیادة النساخ او الباء زائدة واصله جدی لان علیا مات سنة اربعین من الهجرة "

(شامی ج۱ ص ۴۷)

ظاہر یہی ہے کہ بجدی یا تو کتابت کی غلطی اور یا لفظ باء زائد ہے اصل جدی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔

آپکی فضیلت میں حضور علیہ السلام کے ارشادات :

تیسری وجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور انکے مذہب کی برتری کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کئی ارشادات ایسے ہیں جو امام صاحب کی افضلیت پر دلالت کررہے ہیں اگرچہ بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ بھی ذکر ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے آپکا نام لے کر آپ کی افضلیت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض حضرات نے جرح کی ہے۔

حدیث نمبر ا :

" وعنه عليه الصلوة والسلام ان ادم افتخربی وانا افتخر برجل من امتی اسمه نعمان وكنيته ابوحنيفة هو سراج امتی"

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر تھا اور مجھے اپنی امت کے ایک شخص پر فخر ہے جسکا نام نعمان ہوگا اور کنیت ابو حنیفہ۔ وہ میری امت میں ایک چراغ کی حیثیت رکھے گا۔

حدیث نمبر ۲ :

" وعنه عليه الصلوة والسلام ان سائرالانبياء يفتخرون بی وانا افتخر بابی حنيفة من احبه فقد احبنی ومن ابغضه فقد ابغضنی"

حضور ﷺ فرماتے ہیں، بیشک تمام انبیاء کرام نے مجھ پر فخر کیا اور

مجھے ابو حنیفہ پر فخر ہے جس نے اس سے محبت کی وہ میری محبت کی وجہ سے ہی اس سے محبت کرتا ہوگا اور جس نے اس سے بغض رکھا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی اس سے بغض رکھے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے متعلق ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ موضوع ہیں اگرچہ صاحب در مختار نے اسکا رد ان الفاظ سے کیا ہے ۔

" وقول ابن الجوزی انه موضع تعصب لانه روی بطرق مختلفة "

ابن جوزی کا موضوع کہنا صرف تعصب کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے مروی ہے جو حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے لیکن علامہ شامی کہتے ہیں کہ ان احادیث کو کئی اور حضرات نے بھی موضوع کہا ہے۔ اسلئے علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خیرات الحسان میں فرمایا :

" ومن اطلع علی مایأتی فی هذا الکتاب من احوال ابی حنیفة و کراماته واخلاقه وسیرته علم انه غنی عن ان یستشهد علی فضله بخبر موضوع "

جو شخص اس کتاب میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال ،کرامات اخلاق اور سیرت پر مطلع ہوگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ آپکے فضائل پر موضوع احادیث کے دلیل بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ صحیح احادیث آپکی شان پر دلالت کر رہی ہیں۔

حدیث نمبر ۳ :

" روی عنه علیه الصلوة والسلام انه قال ترفع زینة الدنیا سنة خمسین ومائة"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک سو پچاس سن ہجری میں دنیا کی زینت کو اٹھالیا جائے گا۔ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ کردی بیان کرتے ہیں" ان هذا الحديث محمول على ابى حنيفة لانه مات تلك السنة" یعنی بے شک یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کو واضح کر رہی ہے کیونکہ آپکا وصال ۱۵۰ھ میں ہی ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔

حدیث نمبر ۴ :

" ان النبى ﷺ قال لو كان الايمان عند الثريا لتناوله رجال من ابناء فارس "

بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایمان ثریا یعنی آسمان کے پاس بھی ہوا تو فارس کے شخص اسے حاصل کرلیں گے۔

ابو نعیم نے ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے اور شیرازی اور طبرانی نے قیس بن سعد بن عبادہ سے روایت کی ہے :

"ان النبى ﷺ قال لو كان العلم معلقا عندالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس".

بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر علم آسمان کے پاس بھی لٹکا ہوا ہو گا تو فارس کے شخص اسے حاصل کرلیں گے۔

طبرانی کے الفاظ قیس کی روایت سے یہ ہیں :

" لا تناله العرب لناله رجال من ابناء الفارس "

یعنی جسے عرب حاصل نہیں کر سکیں گے اسے فارس کے شخص حاصل کرلیں گے۔

مسلم نے حضرت ابو هریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا :

" لو كان الايمان عند الثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله "

اگر ایمان آسمان کے پاس بھی ہوا تو فارس سے ایک شخص جائے گا اور اسے حاصل کرلے گا۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو هریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا :

"والذی نفسی بیده لو كان الدين معلقا بالثريا لتناوله رجل من فارس"

ارشاد نبوی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر دین آسمان کے ساتھ بھی ہوا تو فارس کا ایک شخص اسے حاصل کرلے گا۔

اعتراض : امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں عبد الملک بن مردان کے زمانے میں کوفہ میں پیدا ہوئے، جب آپ شیراز وغیرہ کے نہیں تو یہ حدیثیں آپ پر کیسے صادق آرہی ہیں ؟

جواب : جس طرح فقہ وغیرہ کی کتب میں اردو، پنجابی، سرائیکی وغیرہ تمام زبانوں کو ہندیہ کہا گیا ہے اور ہندوستان وپاکستان کے تمام علاقوں کو ملک ہند بولا گیا ہے اسی طرح حجاز سے باہر کے علاقے جن پر اسوقت بلاد عرب کا اطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو بلاد عجم کہا جاتا تھا، ان علاقوں کے لیے فارس ہی بولا

جاتا تھا اس لئے فارس سے مراد خاص شیراز وغیرہ کا علاقہ نہیں" و لیس المراد بفارس البلاد المعروفة بل جنس من العجم" فارس سے مراد خاص فارس کا خطہ نہیں بلکہ اسی کی جنس سے دوسرے عجمی علاقے بھی فارس کہلاتے ہیں۔

دیلمی میں مذکور ہے" خیر العجم فارس " یعنی عجم میں سے بہتر حضرات کو فارس کہا جاتا تھا۔ و قد کان جد ابی حنیفة من فارس علی ما علیہ الاکثرون"۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا محترم خاص مشہور ملک فارس کے تھے اسلئے بھی آپ کو فارس کا شخص کہا گیا ہے جیسا کہ ہمارے علاقہ میں ہندوستانی، کشمیری وغیرہ کے الفاظ ان لوگوں پر بھی استعمال ہو رہے ہیں جن کے آباؤاجداد ہندوستان یا کشمیر سے تشریف لائے تھے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" ھذا الحدیث الذی رواہ الشیخان اصل صحیح یعتمد علیہ فی الاشارة لابی حنیفة و ھو متفق علی صحتہ "

یہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے بیان کی ہے اسکے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور اسی پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کی طرف یہ حدیث واضح طور پر اشارہ کر رہی ہے اسلئے موضوع احادیث کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔

مواہب کے حاشیہ پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد

علامہ شامی (یہ اور شامی ہیں، مشہور علامہ شامی نہیں) فرماتے ہیں :

" ماجزم به شيخنا من ان اباحنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس في العلم مبلغه احد "

(شامی ج ۱ ص ۳۹، ۴۰)

ہمارے شیخ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یقین کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے مراد امام ابو حنیفہ ہی ہیں، یہ ظاہر بات ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ فارس کے علاقوں میں سے کوئی ایک بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے منصب پر نہیں پہنچ سکا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام :

چوتھی وجہ امام اعظم اور آپکے مذہب کی برتری کی یہ ہے آپ کے علمی مقام کو کسی اور امام نے نہ پایا، ابھی آپ کے علمی مقام کی طرف حدیث پاک میں اشارہ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تقوی کا بادشاہ اور احادیث میں کامل علم رکھنے والا علامہ سیوطی حنفی نہیں، جس نے ثابت کیا ہے کہ حدیث میں بلاشک اشارہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف ہے۔ امام اعظم کے علمی مقام کو سمجھنے کے لئے پہلے آپکے دو مشہور شاگردوں کے علم کا اندازہ کریں پھر خود بخود سمجھ میں آئے گا کہ آپکا مقام کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ :

آپ کا نام یعقوب ہے، کنیت سے ہی مشہور ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اصول و قواعد میں آپ نے دقیق نظر فرمائی، فروع و احکام کے استنباط میں آپ نے اجتہاد فرمایا، قاضی القضاۃ (چیف جسٹس آف سپریم کورٹ) کے منصب پر قائم رہے، آپ نے حنفی مذہب کو مختلف علاقوں تک پہنچایا۔

" وهو افقه اهل عصره ولم يتقدمه احد فى زمانه وكان النهاية فى العلم والحكم والرياسة "

آپ اپنے زمانے میں تمام اہل علم سے زیادہ فقیہ تھے آپکے زمانہ میں کوئی ایک شخص بھی آپ سے زیادہ فقہ میں مہارت نہیں رکھتا تھا آپکو علم و حکمت و ریاست میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

آپکی پیدائش ۱۱۳ھ میں ہوئی اور وفات بغداد میں ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

(شامی ج ۱ ص ۳۷)

آپکو موضوع احادیث ہی ہزاروں کی تعداد میں یاد تھیں تاکہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ پر موضوع حدیث کو بطور دلیل پیش کرے تو دفاع کیا جا سکے اور اسے بتایا جا سکے کہ یہ حدیث تو موضوع ہے۔ صحیح حدیثیں آپکو بہت ہی کثیر تعداد میں یاد تھیں یہاں سے ہی ایک اور سوال خود بخود رد ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث کا علم نہیں تھا، یہ بہتان عظیم ہے۔ حقیت یہ ہے کہ اسوقت احادیث لکھنے کا رواج کم تھا یاد کرنے کا ہی زیادہ رواج تھا، آپکو ہزاروں

بلکہ لاکھوں احادیث یاد تھیں۔ جس شخص نے صحابہ کرام سے بلاواسطہ احادیث سنیں ہوں اور وہ خود بھی تابعی ہو اور اسے جلیل القدر تابعین کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کے ہزاروں مواقع میسر آئے ہوں اسکے متعلق یہ تصور کرنا باطل ہے۔

آپکی کتاب مسند امام اعظم اور آپکے شاگرد امام محمد کی مؤطا امام محمد اس پر شاہد ہیں کہ آپ سے بڑھ کر کسے حدیث کا علم ہو سکتا ہے۔ صرف یہ خیال کر کے کہنا کہ آپ سے کم احادیث مروی ہیں یا آپ نے کتابی شکل میں احادیث کو جمع نہیں کیا اسلئے آپکو احادیث کا علم نہیں تھا، یہ ایسی عظیم غلطی ہے کہ اس سے معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ کسی صحابی کو بھی حدیث مین کوئی دسترس حاصل نہ ہو۔ کیونکہ کسی نے بھی کتابی شکل میں احادیث کو جمع نہیں کیا۔ نیز خلفاء راشدین کا علم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کم ماننا پڑے گا کیونکہ خلفاء راشدین سے مروی احادیث کی تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے بہت ہی کم ہے، لیکن یہ دلیل ہی باطل ہے۔

مقامِ تفکر:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی جبکہ امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں اب آپ خود غور و فکر کریں کہ دو سو سال تک مسلمان کیا دین سے اور علم حدیث سے بے خبر تھے ؟

لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایک سازش یہ کی جاتی ہے کہ صرف وہ حدیثیں معتبر ہیں جو صحاح ستہ میں ہیں یہ بھی ایک غلط روش ہے کیونکہ صحیح احادیث صرف صحاح ستہ ہی میں نہیں ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" وقد حدث هذا فرقة من المبتدعة اطالوا السنتهم بالطعن على ائمة الدين بان مجموع ماصح عندكم من الاحاديث لم يبلغ زهاء آلاف "

ایک نیا بدعتی فرقہ ایجاد ہو چکا ہے جو ائمہ کرام پر طعن کی زبانیں لمبی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے پاس تو دس ہزار تک صحیح حدیثیں نہیں پہنچیں۔

حالانکہ ان کا یہ قول سراسر باطل ہے کیونکہ امام بخاری خود کہتے ہیں :

" حفظت من الصحاح ماة الف حديث ومن غير الصحاح مائتى الف "

یعنی میں نے صحیح حدیثیں ایک لاکھ حفظ کیں اور غیر صحیح حدیثیں یعنی حسن، ضعیف وغیرہ دو لاکھ۔

حالانکہ بخاری نے اپنی کتاب میں صرف سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث جمع کیں جبکہ کثیر حدیثیں تکرار سے آئی ہوئی ہیں اگر تکرار کو حذف کیا جائے تو صرف چار ہزار حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ بخاری اور مسلم نے یہ نہیں کہا کہ صحیح حدیثیں صرف وہی ہیں جو ہم نے جمع کی ہیں بلکہ امام بخاری کہتے ہیں ۔

" ما اوردت فى كتابى هذا الاماصح ولقد تركت كثيرا من الصحاح "

یعنی میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن بہت سی صحیح حدیثوں کو جمع نہیں بھی کیا۔

امام مسلم کہتے ہیں :

" الذی اوردت فی هذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف "

یعنی میں نے اس کتاب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ مین نے جن کو ذکر نہیں کیا وہ ضعیف ہیں۔

واضح ہوا کہ یہ رٹ لگانا کہ حدیث وہی معتبر ہے جو صحاح ستہ میں ہو۔ یہ اپنی زبان سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتا ہے :

" ولقد صنف الآخرون من الائمة صحاحا مثل ابن خزیمه وصحیح ابن حبان وصحیح الحاکم ابی عبد الله النیشابوری المسمی بالمستدرك وصحیح ابن عوانه وابن السکن والمنتقی لابن جارود وهذه الکتب کلها مختص بالصحاح ، ولقد اورد السیوطی فی کتاب جمع الجوامع من کتب کثیرة یتجاوز خمسین مشتملة علی الصحاح والحسن والضعاف "

(از مقدمه مشکوة)

یعنی دوسرے ائمہ نے بھی صحیح احادیث جمع کی ہیں جیسے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری کی صحیح جس کا نام مستدرک ہے اور صحیح ابن عوانہ اور صحیح ابن جارود کی صحیح منتقی، یہ سب کتب صحیح احادیث پر مشتمل ہیں علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں احادیث کی پچاس سے زائد کتب کا ذکر کیا ہے جن میں صحیح حسن اور ضعیف حدیثوں کا ذکر ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دن رات یہ رٹ لگانے والے کہ ہم تو صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور اسکے بعد کی کسی کتاب کو نہیں مانتے، تو وہ جب حدیث کی سند پر بحث کرتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے تو قرآن سے کیسے ثابت کریں گے کہ یہ ضعیف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال سے کیسے ثابت کریں گی کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جب وہ بعد کی لکھی ہوئی کتب سے اسماء الرجال کی بحثوں کو صحیح مانتے ہیں تو فقہی مسائل کو تسلیم کرنے میں انہیں کیا تکلیف ہوتی ہے جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات امام بخاری و مسلم کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ بات صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں، حقیقت پسندی ہی انسانیت ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ :

آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف کے بھی شاگرد ہیں۔ جو مسائل آپ نے امام اعظم سے بلاواسطہ سنے انکو آپ نے جس کتاب میں جمع کیا اسکا نام جامع کبیر ہے اور جو مسائل امام ابو یوسف کے واسطہ سے سنے انکو اپنی کتاب جامع صغیر میں جمع کیا اور جو ثقہ راویوں سے آپ تک امام صاحب کے مسائل تواتر اور مشہور طریقے سے پہنچے ان کو آپ نے جمع کیا وہ اصل یعنی مبسوط اور ظاہر الروایۃ ہیں۔

نوادر کو آپ نے اپنی دوسری کتب کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، میں جمع کیا اسطرح آپ کی کتاب سیر صغیر ہے جب کچھ لوگوں نے اس کے مختصر ہونے پر چہ میگوئیاں کیں تو آپ نے سیر کبیر تصنیف فرمائی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپکے شاگرد ہیں :

امام شافعیؒ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور یہ بھی خیال رہے کہ جس دن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی اسی دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی اور آپ کے والد کے فوت ہونے پر آپکی والدہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نکاح کر لیا یوں امام شافعی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت، زیر پرورش اور زیر تعلیم رہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کردہ کتب بھی انکے ہی حوالے کر دی تھیں اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انصاف کرتے ہوئے، حقیقت پسندی سی کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"من اراد الفقه فليلزم اصحاب ابی حنيفة فانّ المعانی قد تيسرت لهم واللّٰه ماصرت فقيها الابكتب محمد بن الحسن"

(مقدمه در مختار)

یعنی جو شخص فقہ کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے پاس جائے، ان سے فیض حاصل کرے کیونکہ وہ آسانی سے مسائل و معانی کو سمجھتے ہیں، اللہ تعالی کی قسم!

میں امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابوں کو پڑھنے سے ہی فقیہ بنا ہوں۔

" روی الخطیب عن الربیع قال سمعت الشافعی یقول الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقة کان ابو حنیفة ممن وفق له الفقة

(شامی ج ۱ ص ۳۷)

خطیب نے ربیع سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تمام لوگ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے بچے ہیں کیونکہ امام اعظم ہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالی نے فقہ کے علم میں خاص توفیق عطا فرمائی۔ باقی امام آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپکے شاگرد نہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سات صحابہ کرام سے بلاواسطہ روایت بیان کرنے کی وجہ سے ان پر بھی برتری حاصل ہے اور آپ کے طرز استدلال سے انکا بھی مقابلہ نہیں ۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام کافی حد تک واضح ہو چکا ہے لیکن ایک دو مثالوں سے اندازہ کریں کہ آپ کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ اس بارے میں ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ "کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوة "جب نماز کو شروع فرماتے تو ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، اور دوسری روایت میں ہے :

کان رسول اللہ ﷺ اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه

حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے اور تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ

کانوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ایک اور روایت میں ہے۔

"یرفع ابھامیه الی شحمة اذنیه "رسول اللہ ﷺ جب ہاتھ اٹھاتے تو آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو(نرم حصہ) تک آتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے،" الی فروع الاذنین "کانوں کے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے تھے اب اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما ہاتھوں کے کندھوں تک اٹھانے کے قائل ہیں اس طرح ان کے مسلک میں صرف ایک روایت پر عمل ہوتا ہے۔دوسری روایات پر عمل نہیں ہوتا لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانے کا حکم فرماتے ہیں اس پر عمل کرنے سے تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہونگی ، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہونگے اور انگلیاں کانوں کے اوپر ہوں گی۔

یعنی امام اعظم کے مسلک کو مد نظر رکھتے ہوئے اور ہاتھوں کے اٹھانے کی روایات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے جسے صحابہ کرام نے اپنے اپنے انداز پر بیان کر دیا ، جس نے ہتھیلیوں کو دیکھا اسنے کندھوں کے برابر اٹھانے کا ذکر کر دیا، جس نے ہاتھ کے انگوٹھوں کو دیکھا اس نے کہہ دیا کہ آپ نے ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور جس نے آپکی انگلیوں کو دیکھا اس نے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھ کانوں کے اوپر تک اٹھائے ،واقعہ ایک ہے مگر انداز بیاں مختلف ہے۔

اس پوری تفصیل پر ابو داؤد شریف کی حدیث حضرت وائل بن حجر

سے مروی شاہد ہے، وہ کہتے ہیں :

" انه بصر النبی ﷺ حین قام الی الصلوۃ رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه و حاذی ابھامیه اذنیه "

(مشکوۃ باب صفة الصلوۃ)

ایک اور مثال دیکھئے امام صاحب اور دوسرے اہل علم حضرات ایک ولیمہ میں شریک تھے میزبان نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح دو بھائیوں سے کر دیا تھا، ولی مکان سے باہر آیا اور اس نے کہا ہم سخت مصیبت میں پڑ گئے ہیں کیونکہ رات کو غلطی سے دلہنیں بدل گئیں اور ایک کی زوجہ سے دوسرے نے اور اس دوسرے کی زوجہ سے اس نے وطی کر لی ہے اب کیا کیا جائے اس پر سفیان نے کہا، کوئی حرج نہیں ہر شخص جس سے اس نے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ مہر اسے دے۔

شرعی نکتہ نظر سے مسئلہ کا یہ حل بھی ٹھیک ہے کیونکہ شُبہ سے جو وطی ہو جائے اس کا مہر ادا کرنا لازم آتا ہے اور اپنا نکاح بر قرار رہتا ہے لیکن اس میں خرابی یہ تھی کہ ہر ایک جس نے وطی کی اس کے دل میں اس سے تعلق بر قرار رہتا ہے جس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ امام اعظم نے دونوں لڑکوں کو بلایا اور پوچھا، تم نے جس جس عورت سے وطی کی ہے وہ تمہیں پسند بھی ہے؟ ہر ایک نے کہا ہاں ہمیں وہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی اپنی زوجہ کو یعنی جس سے نکاح ہوا ہے اسے طلاق دو اور پھر جس جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ مسئلہ کا یہ حل بہت زیادہ اچھا تھا اس لئے تمام حاضرین نے آپکو داد دی۔ (خیرات الحسان)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب :

" قد صح عنه انه قال اذاصح الحديث فهو مذهبی "

(شامی ج ۱ ص ۵۰)

صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ،جو حدیث صحیح ہو گی وہی میرا مذہب ہے۔

آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ آپ کا مذہب احادیث صحیح کے مطابق ہے ان کے مخالف نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کئی ایسی احادیث سے مسائل کو حاصل کرتے ہیں جن سے امام صاحب نے مسائل کو حاصل نہیں کیا۔

" ظن الناس ان مذهبه مخالف لاحاديث والحال ان ههنا احاديث اصح واقوى من تلك الاحاديث التى تمسك بها الشافعی تركها ابو حنيفة لاجلها "

یعنی لوگوں نے سمجھا کہ آپ کا مذہب احادیث کے مخالف ہے حالانکہ امام صاحب نے ان احادیث سے زیادہ صحیح اور قوی احادیث کو بطور دلیل پیش کیا ۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث بطور دلیل پیش کیں ان پر اصحاب شافعی اور بعد والوں نے جو ضعف کا قول کیا ہے ان کے اس قول سے امام صاحب کے مذہب پر کوئی عیب نہیں لگایا جا سکتا ، کیونکہ آپ

تابعی ہیں آپ کے پاس پہنچنے والی بعض احادیث صحابہ کرام سے بلا واسطہ ہیں اور بعض احادیث آپ کے پاس تابعین کے ذریعے پہنچی ہیں۔ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی راوی ثقہ نہ ہو تو حدیث میں ضعف آئے گا۔

" ولکم بضعف الحدیث من جهة الراوی لا یستلزم الحکم بضعفه فی الزمان المتقدم الذی لم یکن هٰذا الراوی موجودا فیه "

(مقدمه مرقاة شرح مشکوة ص ۸۰)

راوی کی وجہ سے ان احادیث کو ضعیف کہنا جو امام صاحب نے بطور دلائل پیش کی ہیں، درست نہیں کیونکہ متاخرین کے پاس وہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں اور ان میں کوئی راوی ضعیف ہو تو حدیث ضعیف ہو جائے گی لیکن امام اعظم کے پاس تو وہ حدیث صحابی سے بلاواسطہ پہنچی ہے یا صرف ایک واسطہ تابعی کا ہے اور جب آپ کا ارشاد ہی یہ ہے کہ میرا مذھب وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے تو پھر ان احادیث کو امام صاحب کے زمانہ میں ضعیف کیسے کہا جا سکتا ہے۔

خیال رہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کوئی حدیث بھی ضعیف، حسن معلل، شاذ وغیرہ نہیں بلکہ سب حدیثیں صحیح تھیں اسی طرح نبی کریم ﷺ سے براہ راست سننے والے کے لئے آپ کے ارشاد پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری تھا جتنا قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنا ضروری تھا اور یہ بھی خیال رہے کہ احادیث کے راویوں کے متعلق کئی حضرات نے بحثیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کسی راوی کو غیر ثقہ کہا، بعض دوسرے حضرات نے اسے ثقہ کہا ہے، یہ

اپنے اپنے علم کے مطابق کہا ہے۔ اسلئے کسی حدیث کو مطلقاً غیر ثقہ راوی کی روایت نہیں کہا جائے گا۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں :

" کم من راو یختلف فیه الناس باجتهاد هم ومن جارح ومعدل.فعسی ان یکون الذی عدلوه مجروحا عند امامنا "

(مقدمہ مرقاۃ ص ۷۸)

کتنے راوی ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اختلاف ہے کسی نے راوی پر جرح کی تو کسی نے عادل کہا، ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں کو دوسرے حضرات عادل کہیں۔ اور وہ ہمارے نزدیک عادل نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی راوی کو دوسرے حضرات ضعیف کہیں اور وہ ہمارے نزدیک ثقہ راوی ہو۔

" لاترجیح بکثرة الرواة وانما هو بفقه الراوی وهکذا لاترجیح بکثرة الرویات وانما هو بقوة الروایة "

کثیر راویوں کی وجہ سے روایت کو ترجیح نہیں دی جاتی بلکہ راوی کی فقاہت سے ترجیح دی جاتی ہے اسی طرح کثیر روایات وجہ ترجیح نہیں بلکہ روایت کا قوی ہونا وجہ ترجیح ہے۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ فلاں مسئلہ میں ہمارے عقیدہ کے مطابق اتنی حدیثیں ہیں جو تمہارے مسلک کے مطابق پیش کردہ حدیثوں سے زائد ہیں، بات دلیل کی قوت وضعف پر مبنی ہے، کثرت وقلت پر نہیں۔

بخاری یا مسلم میں آنے والی کئی حدیثیں منسوخ بھی ہیں جن پر عمل نہیں کیا جائے گا، کئی حدیثیں دوسری حدیثوں سے متعارض بھی ہیں ان میں یا

تطبیق دی جائے گی یا تعارض کو ختم کرنے کے لیے ایک حدیث کو چھوڑنا پڑے گا۔ اہل علم کو انصاف سے لوگوں کو حق بات بتانی چاہیے صرف قوم کو انتشار میں مبتلا کر کے دین سے برگشتہ کرنا علم و عقل سے دوری کی علامت ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ وشاگرد :

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، امام صاحب کے اساتذہ بیشمار ہیں جن کے لیے یہ مختصر کتاب گنجائش نہیں رکھتی، امام ابو حفص کبیر نے آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ صرف تابعین میں سے آپ کے اساتذہ کی یہ تعداد ہے اور غیر تابعین میں بھی آپکے اساتذہ ہیں۔

امام صاحب کے شاگرد بھی اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ جن کا ذکر کرنا دشوار ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کسی کے اتنے زیادہ شاگرد نہیں ہوئے جتنے امام صاحب کے شاگرد ہیں اور عام لوگوں کو کسی اور سے اسقدر فائدہ نہ پہنچا جتنا امام صاحب اور انکے شاگردوں سے احادیث مشتبہ کی تفسیر، مسائل کی تفسیر اور مسائل مستنبط اور نوازل و قضاو احکام کے بیان میں فائدہ پہنچا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہتر جزادے۔ بعض متاخرین نے امام صاحب کے تذکرہ میں آٹھ سو شاگردوں کا ذکر کیا ہے اور انکے نام ونسب کو بھی بیان کیا ہے۔

(الخیرات الحسان)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کی ایک جھلک :

" وقد صلى الفجر بوضوء العشاء اربعين سنة "

آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔ یعنی جس وضو سے عشاء ادا کرتے اسی وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، اگر سو جاتے تو یقیناً فجر کی نماز کے لیے تازہ وضو کرنا پڑتا کیونکہ سہارا لگا کر یا لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ " و حج خمسا و خمسين حجة " آپ نے پچپن حج ادا فرمائے، جب ایک ہی حج کرنے سے انسان صغیرہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح پیدائش کے دن گناہوں سے پاک ہوتا ہے تو آپ اندازہ کریں کہ پچپن حج کرنے والے کی بزرگی اور تقویٰ کا کیا مقام ہو گا۔ آپ نے اپنے آخری حج میں کعبہ شریف کے دربانوں سے اجازت طلب کی اور اندر تشریف لے گئے پھر!

" فقام بين العمودين على رجله اليمنى حتى ختم نصف القرآن ثم ركع وسجد ثم قام على رجل اليسرى حتى نصف القرآن يعني مع وضع القدمين على الارض بدون رفع احدهما"

آپ دو ستونوں کے درمیان کھڑے ہو گئے آپ نے پہلی رکعت میں اپنے دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پر دباؤ نہیں تھا اگرچہ دونوں پاؤں زمین پر تھے اس حال میں آپ نے نصف قرآن کی تلاوت کی اور پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں

کھڑے ہوئے بائیں پاؤں پر زور رکھا اور نصف قرآن پڑھ کر اس رکعت کا رکوع اور سجدہ کیا اسطرح آپ نے دو رکعت نفل نماز میں مکمل قرآن شریف کی تلاوت کی۔

(خیال رہے کہ یہ جو ذکر ملتا ہے کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے اور دوسرے پاؤں کو پیٹھ کی طرف کر دیا اسے علامہ شامی نے رد کیا کہ یہ سنت کے خلاف ہے، صحیح وہی ہے جو ذکر کیا گیا)

" فلما سلم بکی وناجی ربه وقال الهی ماعبدك هذا العبد الضعیف حق عبادتك لکن عرفك حق معرفتك "

جب آپ نے سلام پھیرا تو روتے ہوئے رب کے حضور عرض کیا، الٰہی! اس تیرے ضعیف بندے نے تیری عبادت کا حق تو ادا نہیں کیا لیکن تجھے پہچانا ہے ایسے جیسے تجھے پہچاننے کا حق ہے۔

یعنی اگر صرف یہ کہا جاتا کہ اے اللہ تیرے بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا تو وہم ہوتا شائد آپ نے اللہ تعالی کو پہچانا ہی نہ ہو اس لئے عبادت کا حق ادا نہ کیا ہو، جب یہ کہا کہ الٰہی تجھے ایسے پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے تو اب اس وہم کا ازالہ ہو گیا۔ البتہ یہ خیال کیا جائے کہ اللہ تعالی کو پہچاننا انسان کی طاقت میں نہیں۔ پھر آپ نے عرض کیا، اے اللہ ! اگرچہ ادائیگی خدمت میں تو نقصان ہے لیکن پہچاننے میں کمال ہے لہذا اسی کے طفیل تو اپنا احسان فرما۔ تو آپ کو غیبی طور پر آواز آئی، اے ابو حنیفہ ! تم نے ہمیں ایسا پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے اور تم نے ہماری عبادت کے ذریعے ہماری ایسی خدمت کی جسے ہم نے اچھا پایا، ہم نے تمہاری مغفرت کر دی اور قیامت تک تمہاری اتباع کرنے والے، تمہارے مذہب پر چلنے والوں کی بھی مغفرت کر دی۔

(مقدمہ در مختار، شامی ج ۱ ص ۳۸)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین اولیاء کرام :

وقد اتبعه علی مذهبه کثیر من الاولیاء الکرام ممن اتصف ثبات المجاهدة ورکض فی میدان المشاهدة

کثیر اولیاء کرام نے آپ کے مذہب کی تابعداری کی اور اولیاء کرام بھی وہ کہ جن کا مجاہدہ اور مشاہدہ کے میدان میں سبقت لے جانا واضح طور پر ثابت ہے۔

فلو وجدوا فیه ماتبعوه ولا اقتدوا به ولا وافقوه

اگر وہ اس میں ذرا بھر بھی شبہ پاتے تو کبھی آپ کی تابعداری نہ کرتے اور نہ ہی آپ کی اقتداء کرتے اور نہ ہی آپ کی موافقت کرتے۔ وہ جلیل القدر اولیاء کرام ایسی ہستیاں ہیں، ابراہیم بن ادہم، شقیق بلخی، معروف کرخی، ابو یزید بسطامی، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، ابو حامد لفاف، خلف بن ایوب، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابو بکر وراق، رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ تو چند مشہور و معروف حضرات تھے "وغیرهم ممن لایحصی ورنہ ان کے علاوہ اتنے اہل علم، اہل کشف، علماء و صلحاء، اولیاء اللہ آپ کے مذہب کے متبعین اور آپکے مقلدین تھے جو شمار میں نہیں آسکتے۔

(مقدمه در محتار)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ طریقت کے بادشاہ :

ابو القاسم قشیری جو شافعی المذہب تھے اور اپنے مذہب میں بہت پختہ تھے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے طریقت کو ابو القاسم نصر سے حاصل کیا اور انہوں نے امام ابو بکر شبلی سے اور انہوں نے ابو الحسن سری سقطی سے اور انہوں نے معروف کرخی سے

انہوں نے داؤد طائی سے اور انہوں نے علم اور طریقت کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ان تمام حضرات نے آپ کے علم اور تقوی کی تعریف کی ہے، یہ سب لوگ طریقت و شریعت کی امام تھے۔ (مقدمہ در مختار)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام باقر رضی اللہ عنہ :

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ طیبہ میں امام باقر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا ، سنا ہے کہ تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا (حضور علیہ ﷺ) کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو ؟ عرض کی یہ بہتان ہے، دیکھئے عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے اگر میں قیاس کرتا تو فتوی دیتا کہ عورت کو مرد سے دوگنا حصہ ملنا چاہیئے لیکن میں ایسا نہیں کرتا، اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے اگر میں قیاس کرتا تو حائضہ عورت کو نماز کی قضاء کا حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزہ ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یہ سن کر امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ نے ایک مدت تک ان سے اکتساب فیض کیا۔

(مناقب الامام للموفق)

اللہ تعالی ہمیں ان اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے مذہب پر طعنہ کرنے والے مردود ین و مبتدعین سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

عبد الرزاق بھترالوی حطاروی غفرلہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین
محمد والہ واصحابہ اجمعین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

تو (اے لوگو) علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو ۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی :

" صلوا کما رأیتمونی اصلی "

(بخاری باب الاذان للمسافر)

تم اسطرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ۔

نماز میں چند اختلافی مسائل (جو کہ احناف اور غیر مقلدین میں اختلاف پایا جاتا ہے) پر احادیث کی روشنی میں بحث ذکر کر رہا ہوں۔ قارئین کرام سے انصاف کی توقع کی جاتی ہے۔

نماز میں تکبیر افتتاح کے وقت ہاتھ اٹھانا :

انسان جب نماز کی نیت کرتا ہے تو اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ یہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کا قول :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہاتھ کندھے تک اٹھائے جائیں۔

احناف کا مذہب :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں ۔

صحاح ستہ سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا ثابت ہے

حدیث نمبر ۱ :

" عن وائل بن حجر انه رأى النبي ﷺ رفع يديه حين دخل في الصلوة كبر وصف همام حيال اذنيه "

(مسلم جلد اول ص ۱۹۲ باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الاحرام)

حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع کیا اور تکبیر کہی۔ پھر ہمام راوی نے بیان کیا کہ وہ ہاتھ کانوں تک اٹھاتے گئے۔

حدیث نمبر ۲ :

عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه "

(مسلم جلد اول ص ۱۸۸ باب استحباب رفع اليدين)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک

رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کے ان کو کانوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۳ :

" عن مالك بن حويرث ان رسول الله ﷺ كان اذاكبر رفع يديه حتى يجعلهما قريبا من اذنيه "

(ابن ماجه ص ٦٢ باب رفع اليدين)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان کو اپنے کانوں کے قریب کرتے۔

حدیث نمبر ۴ :

" عن ابراهيم بن طهمان عن ابى الزبير ان جابر بن عبدالله كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه (الى) ورفع ابراهيم بن طهمان يديه الى اذنيه "

(المختصر عن ابن ماجه ص ٦٢ باب رفع اليدين)

ابراہیم بن طہمان ابو الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک جابر بن عبداللہ جب نماز کو شروع کرتے (تو تکبیر افتتاح کے وقت) اپنے دونوں ہاتھ کو اٹھاتے۔ ان کے ہاتھ اٹھانے کا ذکر ابراہیم بن طہمان نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر کیا کہ وہ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ :

" عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه قال صليت خلف رسول الله ﷺ فلما افتتح الصلوة كبر ورفع يديه حتى حاذتا اذنيه "

(نسائی جلد اول ص ۱۰۱ باب رفع اليدين حيال الاذنين)

عبد الجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی جب آپ نے نماز شروع کی، تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کے ان کو کانوں کے برابر کیا۔

" حيال الاذنين بكسر مهملة وفتح تحتية خفيفة الى ازانهما ومقابلهما "

(من الجمع)

حیال کا معنی برابر کرنا، مقابل کرنا۔

حدیث نمبر ٦ :

" عن مالك بن الحويرث وكان من اصحاب النبي ﷺ ان رسول الله ﷺ كان اذا صلى رفع يديه حين يكبر حيال اذنيه "

(نسائي جلد اول ص ١٠٢)

حضرت مالک بن حویرث سے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اس طرف تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز ادا فرماتے تو تکبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے۔

سبحان اللہ! اس حدیث پاک سے کتنا واضح ہوا کہ میرے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ کرام مصطفی کریم ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کو بیان کرتے ہوئے بتاتے تھے کہ آپ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ٧ :

" عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه رأى النبي ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى تكاد ابهاماه تحاذي شحمة اذنيه "

(نسائي جلد اول ص ١٠٢ باب رفع اليدين حيال الاذنين، السنن الكبرى للنسائي)

عبد الجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا نبی کریم ﷺ نے جب نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ آپ کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے آپ کے کانوں کی لو(نرم حصہ) کے برابر تھے ۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانا دیگر کتب احادیث سے :

حدیث نمبر ۱ :

" عن البراء بن عازب قال كان النبى ﷺ اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتي اذنيه"

(طحاوی جلد اول ص ۱۳۵ باب رفع الیدین الی الاذنین)

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ جب نماز کے شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کانوں کی لو کے قریب کرتے

حدیث نمبر ۲ :

" عن البراء بن عازب قال رأيت رسول الله ﷺ حين قام الى الصلوة فكبر ورفع يديه حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد "

(دار قطنی ج اول ص ۲۹٤)

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ نے تکبیر کہی اور اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے ۔

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ

کانوں تک اٹھائے، یہ صرف ابتدائی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے، پھر آپ نے دوبارہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

رفع یدین کی مکمل بحث انشاء اللہ بعد میں ذکر کی جائے گی۔ (یہ ضمنی طور پر ترجمہ سے مسلک الفاظ ذکر کردیئے)۔

حدیث نمبر ۳ :

" عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه انه ابصر النبی ﷺ حین قام الی الصلوة رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه وحاذی ابهامیه اذنیه ثم کبررواه الثوری وشعبة وابوعوانة وزایدة بن قدامة وبشر بن المفضل وجماعة عن عاصم بن کلیب فقالوا فی الحدیث فرفع یدیه حتی حاذ تا اذنیه وقال بعضهم حذاء اذنیه رواه الشریک عن عاصم وقال رفع یدیه حیال اذنیه "

(السنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۲۵)

عبد الجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کندھوں کے برابر کیا جب کہ آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے، پھر آپ نے تکبیر کہی۔

عاصم بن کلیب سے ایک جماعت نے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کانوں کے برابر کئے۔

حدیث نمبر ۴ :

"عبد الرزاق عن داؤد بن ابراهیم قال رأیت وهب بن منبه اذکر فی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذواذنیه "

(مصنف عبد الرزاق باب تکبیر الافتتاح ج ۲ ص ۴۹)

داؤد بن ابراہیم کہتے ہیں میں نے وہب بن منبہ کو دیکھا جب انہوں نے نماز کی تکبیر کہی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ انہیں کانوں کے برابر کیا۔

حدیث نمبر ۵ :

" عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوۃ کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی ابھامیه اذنیه "

(دار قطنی جلد اول ص ۳۰۰)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۶ :

" عن وائل بن حجر قال قال رسول اللہ ﷺ یاوائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأۃ تجعل یدیھا حذاء ثدیھا "

(معجم طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۱۸)

وائل بن حجر کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے وائل بن حجر جب تم نماز ادا کرو تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی برابر کرو اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر کرے۔

اس حدیث پاک سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا(جو غیر مقلدین کہتے ہیں کے عورت اور مرد کی نماز میں کوئی فرق نہیں یہ صرف حنفیوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا ہے) کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے میں مرد اور عورت

کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے یہ کہنا کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں "باطل قول ہے" جھوٹا اور من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔

حدیث نمبر ۷ :

" عن انس قال رأیت رسول الله ﷺ کبر فحاذی بابهامیه اذنیه ثم رکع حتی استقر کل مفصل منه مکانه وانحط بالتکبیر حتی سبقت رکبتاه یدیه هذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف له علة ولم یخرجاه "

(مستدرك حاکم ج اول ص ۲۲۶ وهکذا فی دار قطنی والسنن الکبری للبیهقی)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے ، پھر رکوع کیا یہاں تک کہ آپ کا ہر جوڑ قرار پکڑ گیا ۔ پھر آپ نے نیچے جاتے ہوئے (یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے) تکبیر کہی اور آپ نے اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھے۔

اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے اور یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے ، اس میں کسی قسم کی علت ، ضعف نہیں پایا گیا۔ اگرچہ خود بخاری و مسلم نے اس حدیث کو نہیں بیان کیا ۔

ہاتھ کانوں سے اوپر اٹھانے کی روایات :

حدیث نمبر ۱ :

" عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحویرث انه رسول الله ﷺ وقال حتی یحاذی بهما فروع اذنیه "

(مسلم ج ۱ ص ۱۸۸ باب استحباب رفع یدین)

مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو کانوں سے اوپر اٹھایا۔

حدیث نمبر ۲ :

" عن مالك بن الحويرث قال رأيت رسول الله ﷺ حين دخل فى الصلوة رفع يديه وحين ركع وحين رفع رأسه من الركوع حتى حاذ تا فروع اذنيه "

(نسائی ج اول ص ۱۰۲ باب رفع الیدین حیال الاذنین)

مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز میں داخل ہوئے آپ نے اپنے ہاتھوں کو کانوں کی اوپر حصہ تک اٹھایا۔

نوٹ : رکوع میں ہاتھوں کے نہ اٹھانے کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

حدیث نمبر ۳ :

"عن مالك بن الحويرث قال كان رسول الله ﷺ اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما فروع اذنيه "

(السنن الكبير للبيهقى ج ۲ ص ۲۵)

مالک بن حویرث کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے اوپر حصہ تک اٹھاتے ۔

حدیث نمبر ۴ :

" وفى لفظ احمد ومسلم حتى يحاذى بهما فروع اذنيه "

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۷)

مسند احمد اور مسلم شریف میں یہ بھی ذکر ہے کی نبی کریم ﷺ نے تکبیر کے وقت اپنے ہاتھ کانوں کی اوپر تک اٹھائے

حدیث نمبر ۴ :

"عن مالك بن الحويرث قال رأيت النبى ﷺ يكبر (ويرفع يديه) اذاركع واذارفع رأسه من الركوع حتى يحاذى بهما فروع اذنيه"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اول ص ۲۶۵ من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة)

اس حدیث پاک میں بھی کانوں کے اوپر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔

کندھے تک ہاتھ اٹھانے والی روایات :

حدیث نمبر ۱ :

" عن ابن عمر رضى الله عنه ان رسو ل ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة "

(بخاری باب رفع اليدين فى التكبير الافتتاح مسلم باب استحباب رفع اليدين)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے ۔

حدیث نمبر ۲ :

" عن على ابن ابى طالب رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ انه كان اذا قام الى الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذومنكبيه الخ "

(ابو داود باب مايستفتح به الصلوة ابن ماجه باب رفع اليدين اذا رفع رأسه من الركوع نسائی باب رفع اليدين حذ والمنكبين ترمذی باب رفع اليدين عند الركوع مسند احمد ج اول ص ۹۳)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۳ :

" وعن ابی حمید الساعدی قال کان النبی ﷺ اذا قام الی الصلوة رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه الخ "

(ابو داؤد باب افتتاح الصلوة ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع ابن ماجه باب رفع الیدین اذا رکع ، مسند احمد ج ٥ ص ٤٢٤)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے۔

صرف ہاتھ اٹھانے والی روایت :

" عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ اذاقام الی الصلوة رفع یدیه مدا "

(ترمذی باب فی نشر الاصابع ، ابو داؤود باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ، نسائی باب رفع الیدین ، مسند احمد ج۲ ص ۳۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ اپنے ہاتھوں کو خوب بلند کرتے۔

اس حدیث میں زیادہ بلند کرنے کا ذکر ہے لیکن حد مقرر نہیں کی گئی کہ وہ ہاتھ کندھوں تک اٹھائے گئے یا کانوں کی لو تک اٹھائے گئے ، یا کانوں کے اوپر تک اٹھائے گئے۔

مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا :

ابھی تک جن احادیث کو ذکر کیا گیا ہے ان سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کو چار طرح ذکر کیا گیا ہے، بعض احادیث میں صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے کوئی حد نہیں بیان کی گئی بعض احادیث میں کندھے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ بعض احادیث میں کان کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا بیان ہے اور بعض احادیث میں کان کے اوپر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ تمام قسم کی روایات صحاح ستہ میں مذکور ہیں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تو صرف صحاح ستہ کو مانتے ہیں۔ ان سے ہی حدیث دکھاؤ۔ بفضلہ تعالیٰ صحاح ستہ ہی تمام قسم کی روایات کو بیان کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ قول ہی باطل ہے، مقصد تو حدیث کی صحت کو دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کی سند درجہ صحت تک پہنچانی والی ہے یا ضعف تک۔ کسی کتاب میں صحیح حدیثوں کو بند کرنا حماقت سے خالی نہیں ۔

احادیث کی تطبیق میں اہل علم کے اقوال :

"وقال الباجی من المالکیة فانا نقول کان یحاذی بکفیه منکبیه وباطراف اصابعه اذنیه فالجمع بین الحدیثین اولی من اطراح حدهما "

(اوجز المسالک ج اول ص ۲۰۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین میں سے علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا...... کہ بیشک ہم یہ کہتے ہیں کہ (انسان تکبیر کہتے وقت) اپنی ہتھیلیوں کو کندھے کے برابر کرے اور انگلیوں کے اطراف کو کانوں کے برابر کرے اسلئے کہ احادیث کو جمع کرنا یعنی ان میں تطبیق دے کر عمل کرنا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ایک حدیث کو چھوڑ دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے۔

"وما صفة الرفع فالمشهور من مذهبنا ومذهب الجماهير انه يرفع يديه حذو منكبيه بحيث يحاذى اطراف اصابعه فروع اذنيه وابهاماه شحمتي اذنيه وراحتاه منكبيه فهذا معنى قولهم حذو منكبيه وبهذا جمع الشافعي رحمة الله بين روايات الاحاديث"

(نووی شرح مسلم جلد اول ص ۱۸۸)

حضرت امام ابو الحسن احمد بن سیار نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں کے اٹھانے میں ہمارا اور جمہور اہل علم کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کو کندھوں تک اس طرح اٹھائے کہ اپنی انگلیوں کو کانوں کے اوپر حصہ کے برابر کرے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اور ہتھیلیوں کو کندھوں کی برابر کرے۔ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھانے کا یہی مطلب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی روایات میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

" وذكر الطيبى ان الشافعي حين دخل مصر سئل عن كيفية رفع اليدين عند التكبير فقال يرفع المصلى يديه بحيث يكون كفاه حذاء منكبيه وابهاماه حذاء شحمتي اذنيه واطراف اصابعه حذاء فروع اذنيه لانه جاء في رواية يرفع اليدين الى

المنكبين وفي رواية الى الاذنين فعمل الشافعي بما ذكر نا في رفع اليدين جمعا بين الروايا ت الثلاث قلت هو جمع حسن "

(مرقاة ج دوئم ص ٢٥٤ مطبوعه مكتبه امداديه ملتان)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مصر میں داخل ہوئے تو آپ سے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے کے متعلق پوچھا گیا کہ ہاتھ کیسے اٹھائے جائیں۔ تو آپ نے فرمایا نمازی اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ اس کی ہتھیلیاں اس کے کندھوں کے برابر رہیں اور اس کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے برابر اور اس کی انگلیاں کانوں کے اوپر حصہ تک ہوں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے اور بعض میں کانوں تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور بعض میں کانوں کے اوپر حصہ تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام روایات کو جمع کرنے کا عمل بتادیا کہ اس طرح ہاتھ اٹھائے جائیں جس طرح میں نے بیان کیا ہے تو تمام روایات پر عمل ہو سکے گا کسی روایت کو چھوڑنا لازم نہیں آئے گا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تمام روایات میں اس تطبیق کے متعلق کہا ہے کہ یہی تطبیق بہت اچھی ہے۔

خیال رہے کہ یہاں سے ایک اور بات واضح ہو گئی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو بعض جگہ آتا ہے کہ وہ کندھے کے برابر ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں کندھوں کی برابر رکھنے کو بیان فرماتے تھے۔

" قال ابن الهمام ولا معارضة فان محاذاة الشحمتين بالابهامين تسوغ حكاية محاذاة اليدين المنكبين والاذنين لان طرف الكف مع الرسغ يحاذى المنكب او يقربه والكف نفسه يحاذى الاذن "

(شرح مسند امام اعظم ، ملا علی قاری ص ۴۹۳)

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھانے والی روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں گے تو ہاتھ کندھوں اور کانوں کے خود بخود برابر ہوں گے کیونکہ ہتھیلیوں کا ابتدائی حصہ کندھوں کے برابر ہوگا اور خود ہتھیلیاں کانوں کے برابر ہوں گی۔

احادیث کی تطبیق حدیث پاک سے :

" عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه ابصر البنى ﷺ حين قام الى الصلوة رفع يديه حتى كانتا بحيال منكبيه وحاذى .بهابيه اذنيه ثم كبر "

(السنن الكبرى للبيهقى ج دونم ص ۲۵)

عبدالجبار بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر تھے اور ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے پھر آپ نے تکبیر کہی ۔

اب واضح ہوا کہ احادیث مبارکہ کی مختلف روایات میں کوئی تعارض

نہیں بلکہ تمام احادیث ایک ہی حال میں جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کی تطبیق خود حدیث پاک سے واضح ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ جو دوسری احادیث میں ایک ایک حال بیان ہوا ہے، اس حدیث پاک میں جامع حال کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہی حدیث جو بیہقی کے حوالہ سے تحریر کی ہے ابو داؤد باب رفع الیدین میں بھی موجود ہے، سند اور متن ایک ہی ہے۔

صحاح ستہ کی رٹ لگانے والے بھی یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ تطبیق صحاح ستہ میں ہونی چاہئے۔

تنبیہ : کانوں تک ہاتھ اٹھانے والی احادیث کی سند میں کوئی شخص کلام نہیں کر سکتا، اسلئے کہ مسند امام اعظم میں حدیث صرف دو واسطوں سے ذکر ہے۔

" عن عاصم عن وائل بن حجر ان النبی ﷺ کان یرفع یده یحاذی ویوازی بها شحمة اذنیه " (مسند امام اعظم)

عاصم روایت کرتے ہیں وائل بن حجر سے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ہاتھ کو اٹھاتے تھے، کان کی لو کے برابر کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا" قال ابو الفرج اسناده کلہم ثقات" ابو الفرج رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حدیث کی سند میں تمام راوی ثقہ ہیں۔

ابھی تک جو بحث کی گئی اس سے واضح ہو گیا کہ ہاتھ اٹھانے والی تمام احادیث سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ ان میں تطبیق ضروری ہے، ورنہ ایک رخ پر عمل کرنے سے دوسری احادیث کو چھوڑنا پڑتا ہے، جو درست نہیں۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ :

ہاتھ باندھنے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ہاتھ کس طرح باندھیں جائیں۔ اختلاف اور اسکی وضاحت پر نظر کریں......

غیر مقلدین :

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھے۔

احناف :

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین کا قول یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو رکھے اور تین انگلیاں بائیں کلائی پر ہوں اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا گھیرا جوڑ پر ہو۔

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے والی احادیث :

"عن وائل بن حجر انه رأى النبی ﷺ رفع يديه حين ادخل فی الصلوة كبر وصف همام حيال اذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى"

(مسلم ج اول باب وضع یدہ الیسری علی الیمنی ۔ مسند احمد جلد چھارم ص ۱۳۷)

وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ نے جب نماز کو شروع کیا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، تکبیر کہی، ہمام راوی نے ہاتھوں کی اٹھانے کا طریقہ بیان کیا کہ آپ نے ہاتھ

کانوں تک اٹھائے ۔ پھر آپ نے چادر اوڑھ لی، پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کی بائیں ہاتھ پر رکھا۔

" عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال کان النبی ﷺ یؤمنا فیاخذ شماله بیمینه "

(ابن ماجه ص ۵۸ باب وضع الیمین علی الشمال)

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ ہماری امامت فرماتے تھے، تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔

" عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ یصلی فاخذ شماله بیمینه ایضاً"

وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا ہوا ہے۔

" عن عبداللّٰہ ابن مسعود قال مربی النبی ﷺ وانا واضع یده الیسری علی الیمنی فاخذ بیده الیمنی فوضعها علی الیسری"

(ابن ماجه باب وضع الیمین علی الشمال ص۵۸ ،سنن باب فی الامام اذارئی رحلا، ابوداؤد باب رفع الیدین)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے قریب سے نبی کریم ﷺ کا گذر ہوا، میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا ہوا تھا، آپ نے میرے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر کر دیا ان احادیث سے پتہ چلا کہ دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔

وہ حدیث جس سے دائیں ہاتھ کو بائیں کی کلائی پر رکھنا ثابت ہے :

" عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة "

(بخاری باب وضع الیمنی علی الیسری)

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ انسان اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں کلائی پر رکھے ۔

ابو حازم نے اس حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے :

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھا جائے اور پہلی احادیث سے واضح ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں کوئی تطبیق پائی جاتی ہے یا نہیں اگر تطبیق پائی جائے تو بہتر ورنہ دونوں قسم کی احادیث میں ایک کو چھوڑنا لازم آئے گا جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کیا جائے تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا کیونکہ دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو گا اور انگلیاں بائیں کلائی پر ہوں گی اس طرح پہلی احادیث پر بھی عمل ہو گا اور دوسری حدیث پر بھی ۔

احادیث میں تطبیق حدیث پاک سے :

" عن عاصم بن كليب قال حدثني ابي ان وائل بن حجر اخبره قال قلت لانظرن الى صلوة رسول الله ﷺ كيف يصلي فنظرت اليه فقام فكبر ورفع يديه حتى حاذتا باذنيه ثم وضع

يده اليمنى على كفه اليسرى والرسغ والساعد"

(نسائی باب فی الامام اذرأی الخ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خیال کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی نماز کی طرف ضرور دیکھوں گا کہ آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے قیام فرمایا پھر تکبیر کہی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ ان کو کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی پر اور جوڑ پر اور کلائی پر رکھا۔

اب خود حدیث پاک سے وضاحت مل گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ پر اس طرح رکھا جائے کہ وہ جوڑ پر اور کلائی پر بھی آجائے اس کی وہی صورت ہو سکتی ہے جو ذکر کی جاچکی ہے۔

تنبیہ : مذکورہ احادیث میں ایک اور تطبیق کی ضرورت ہے کیونکہ بعض احادیث میں "فاخذ" ذکر ہے کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا اور بعض احادیث میں "وضع" ذکر ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا ان دونوں پر ایک وقت میں ہی عمل صرف احناف کے طریقہ پر ہی ممکن ہے۔

" واستحسن كثير من مشائخنا الجمع بينهما بان يضع باطن كفه اليمنى على كفه اليسرى ويحلق بالخنصر والابهام على الرسغ "

(عمدة القاری ج ۵ ص ۲۷۹)

ہمارے کثیر مشائخ نے اسے اچھا سمجھا کہ دونوں حدیثوں کو جمع کیا جائے وہ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے تا کہ

"وضع" والی حدیث پر عمل ہو جائے اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے گھیرا بنا کر بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑے تاکہ " اخذ " والی حدیث پر عمل ہو جائے ۔

اگر انسان تدبر سے کام لے تو یقیناً امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کی حقانیت اس پر واضح ہو جائے ۔

ہاتھ کہاں باندھے جائیں ؟

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ نماز میں اپنے ہاتھ سینے پر باندھیں ، احناف کا کہنا یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں کسی فریق کے پاس اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے صحاح ستہ میں سے مرفوع حدیث نہیں۔ غیر مقلدین کے علامہ محمد صادق صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب " صلوۃ الرسول " میں " سینے پر ہاتھ " کے عنوان کی بحث میں صحیح ابن خزیمہ ، مراسیل ابی داؤد ، مسند احمد ، طبرانی ، ابن ابی حاتم اور بیہقی سے احادیث پیش کی ہیں غیر مقلدین کے مشہور عالم ثناء اللہ امر تسری نے اپنے فتاوی ثنائیہ ج اول ص ۴۴۳ میں ذکر کیا ہے :

" سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں " ۔

راقم کے خیال میں یہ ان کا فقط زبانی ، تحریری دعویٰ ہی ہے کیونکہ راقم نے کوشش کی ہے کہ بخاری و مسلم میں سینہ پر ہاتھ رکھنے والی کوئی حدیث مل

جائے تاکہ اسے بھی بحث میں شامل کر لیا جائے لیکن کامیابی نہ ہو سکی اگر کسی دوسرے کو اس قسم کی حدیث نظر آئے تو ضرور مطلع کرے تاکہ اسے بھی بحث میں شامل کیا جا سکے۔

غیر مقلدین کے حکیم فیض عالم صاحب کا بیہودہ قول :

حکیم صاحب فرماتے ہیں :

> یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفاء بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے فتوی دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے۔

(اختلاف امت کا المیہ ۷۸)

کتنا بہتان عظیم جو کام نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس طرح منسوب کیا گیا کہ آپ نے صرف ایک بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رائج کیا اس طرح کے بیہودہ کلام سے صرف جہلاء کو الو بنایا جا سکتا ہے اہل علم ان کے جال میں نہیں آ سکتے۔

آیئے اصل مسئلہ کی طرف توجہ کریں :

اس مسئلہ میں احادیث سے تین صورتیں سمجھ آتی ہیں۔ ہاتھ ناف کے

نیچے باندھنا ہاتھ ناف کے اوپر باندھنا ہاتھ سینے پر باندھنا پہلے تمام احادیث کو نقل کیا جارہا ہے پھران پر انشاء اللہ بحث کی جائے گی ۔

وہ احادیث جن سے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا ثابت ہے :

" عن ابی معشر عن ابراهیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة "

(مصنف ابن ابی شیبه جلد اول ص ٤٢٧ باب وضع الیمین علی الشمال)

ابو معشر ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر نماز میں ناف کے نیچے رکھتے تھے ۔

" اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلزا وسألته قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلها اسفل من السرة "

(مصنف ابن ابی شیبه ج اول باب وضع الیمین علی الشمال ص ٤٢٧)

حجاج بن حسان کہتے کہ میں نے ابو مجلز کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں میں نے کہا نماز میں کس طرح ہاتھ باندھے جاتے ہیں آپ نے کہا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا اندرونی حصہ بائیں ہاتھ کے اوپر والے حصہ پر رکھیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھے ۔

" عن علی قال من سنة الصلوة وضع الایدی علی الایدی تحت السرر "

(مصنف ابن ابی شیبه جلد اول ص ٤٢٧ باب وضع الیمین علی الشمال)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ (نمازی

حضرات) اپنے ہاتھوں کو ہاتھوں پر رکھیں اور ناف کے نیچے رکھیں۔

" عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبى ﷺ يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة رواه ابن ابى شيبة واسناده صحيح "

(آثار السنن ص ۱٤۸)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

" عن ابى جحيفة ان عليا قال من السنة وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة "

(ابو داؤد نسخه ابن الاعرابى ج اول ص ۲۸۰ بیهقى ج ۲ ص ۳۱ مسند احمد ج ص ۱۱۰)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

" عن على رضى الله عنه قال ثلثة من اخلاق الانبياء تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع الاكف تحت السرة فى الصلوة "

من كنز العمال على مسند احمد ج ٤ ص ۳۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عادات میں سے ہیں روزہ جلدی افطار کرنا، اور سحری کے کھانے میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا۔

" عن ابى وائل قال قال ابو هريرة رضى الله عنه اخذ الاكف على الاكف فى الصلوة تحت السرة "

(ابو داؤد نسخه ابن الاعرابى جل اول ص ۲۸۰)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ رکھے جائیں ۔

تنبیہ : یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں تینوں قسموں کی احادیث میں تطبیق دینا ممکن نہیں یقیناً یہاں دوسرا ضابطہ استعمال ہوگا کہ کون سی احادیث سند کے لحاظ پر صحیح ہیں اور کون سی ضعیف ہیں جو صحیح ہوں گی ان پر عمل ہوگا ضعیف کو چھوڑ دیا جائے گا ۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی احادیث صحیح ہیں :

آثار السنن میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول تمام احادیث کو صحیح یا حسن کہا گیا ہے عن عقلمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ الخ اس پر اسنادہ صحیح مذکور ہے، کہ اس کی سندات صحیح ہیں، اس طرح عن الحجاج بن حسان الخ اس حدیث پر بھی اسنادہ صحیح مذکورہ ہے عن ابراہیم الخ اس پر اسنادہ حسن مذکورہ ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ پر حسن ہے ۔

اب واضح ہوا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے جن احادیث سے ثابت ہیں وہ صحیح یا حسن ہیں جن سے اعمال واجبہ بھی ثابت ہوتے ہیں تو مستحب یا سنت کا ثبوت کیوں نہیں ہو سکتا ؟

اب ان روایات کا جائزہ لینا ہے جن سے ہاتھ ناف کے اوپر یا سینہ پر باندھنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے کیا وہ اس درجہ کی ہیں یا ضعیف ہیں اگر ان کا ضعیف

ثابت ہو گیا تو یقیناً ان پر عمل نہیں ہو سکے گا ۔

وہ روایات جن سے ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے :

" عن جرير الضبى قال رأيت عليا يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة رواه ابو داؤد فوق السرة غير محفوظة "

حضرت جریر ضبی کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں بائیں ہاتھ کے جوڑ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر ناف کے اوپر رکھا ہوا ہے ۔

یہ روایت ابو داؤد نے ذکر کی ہے لیکن فوق السرۃ (ناف کے اوپر) الفاظ غیر محفوظ ہیں کیونکہ ابو داؤد کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں اور بعض میں نہیں ۔

" وقال الحافظ فى التقريب سعيد بن عبد الجبار الحضرمى الكوفى ضعيف "

اس روایت میں ایک راوی سعید بن عبد الجبار حضرمی کوفی ہے جسے حافظ ابن حجر نے اپنی تصنیف تقریب التہذیب میں ضعیف قرار دیا ہے ۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ فوق السرۃ (ناف کے اوپر) کے الفاظ صرف ابو بدر شجاع بن ولید سے ثابت ہیں وہ بھی قوی نہیں ۔

" عن ابى الزبير قال امرنى عطاء ان اسأل سعيدا اين تكون اليدان فى الصلوة فوق السرة او اسفل من السرة فسألته فقال فوق السرة .(رواه البيهقى باب وضع اليدين على الصدر) واسناده ليس بالقوى "

(آثار سنن ص ۱٤۷)

ابو زبیر کہتے ہیں مجھے عطاء نے حکم دیا کہ میں سعید سے سوال کروں کہ نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں ناف کے اوپر یا نیچے ؟ تو میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ناف کے اوپر ، یہ حدیث بھی سند کے لحاظ پر قوی نہیں لہذا اس کو دلیل بنانا اور حکم ثابت کرنا درست نہیں ۔ لہذا یہ واضح ہوا کہ ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے کا حکم جن حدیثوں سے ثابت ہو رہا ہے وہ ضعیف ہیں ان سے حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قوی احادیث کے مقابل ضعیف احادیث سے حکم ثابت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

وہ روایات جن سے ہاتھ سینے پر رکھنا ثابت ہے :

" عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ فوضع یدہ الیمنی علی یدہ علی صدرہ "

(صحیح ابن خزیمہ کتاب الصلوۃ حدیث ٤٧٩)

وائل بن حجر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا پر دونوں ہاتھوں کو سینہ پر رکھا ۔

" وفی اسنادہ نظر وزیادۃ علی صدرہ غیر محفوظۃ "

(آثار سنن ص ١٤٠)

اس کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ کا ثبوت طریقہ صحت پر نہیں ۔

یہ روایت ابن خزیمہ نے مؤمل بن اسماعیل راوی سے بیان کی ہے جس میں علی صدرہ کے الفاظ ہیں مؤمل بن اسماعیل کو ضعیف قرار دیا گیا ۔

" وعن قبیصة بن هلب عنابیه قال رأیت النبی ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیته یضع هذه علی صدره ووصف یحیٰ الیمنی علی الیسر فوق المفصل "

(مسند احمد ج ٥ ص ٢٢٦)

قبیصہ بن هلب اپنے باپ (ہلب) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد دائیں اور بائیں جانب پھرتے ہوئے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے ہیں اور یحیٰ نے بیان کیا کہ آپ کا دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے جوڑ پر تھا۔

" اسناده حسن لکن قوله علی صدره غیر محفوظ "

(آثار سنن ١٤٤)

سند کے لحاظ پر حسن ہے لیکن علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ کا ثبوت صحیح طور پر نہیں پایا گیا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ احمد نے وکیع سے اور دار قطنی نے عبد الرحمٰن بن مہدی سے یہ روایت بیان کی جن کی بعد میں سند اور حدیث یہ ہے:

" عن سفیان عن سماك عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی ﷺ واضعا یمینه علی شماله فی الصلوة "

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا ہوا تھا۔ اس حدیث میں علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ نہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو الاحوص سے روایت بیان کی جس کی آگے سند اور حدیث یہ ہے :

" عن سماك عن قبيصة عن ابيه قال كان رسول الله يؤمنا فياخذ شماله بيمينه "

قبیصہ کہتے ہیں ان کے باپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت فرماتے آپ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہوتے۔

اس حدیث میں بھی علی صدرہ (سینہ پر) الفاظ نہیں ۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ہی شریک سے روایت ذکر کی ہے وہ حدیث اور اس کے آگے سند یہ ہے :

" عن سماك عن قبيصة عن ابيه قال ويضع احدى يديه على الاخرى "

قبیصہ کہتے ہیں میرے باپ نے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھتے ۔

اس حدیث میں بھی علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ موجود نہیں ۔

صرف مسند احمد کے روایت جو اس سند سے (عن يحيىٰ بن سعيد عن سفيان الخ) بیان کی ہے اس میں علی صدرہ کے الفاظ ہیں جو یقینی نہیں کیونکہ ایک ہی راوی کے ایک ہی مضمون کی حدیث جب کئی جگہ پر مذکور ہے جن میں علی صدرہ نہیں تو صرف ایک میں پایا جانا، ضعف سے خالی نہیں ۔

(حاشیہ آثار سنن ص ١٤٤)

" عن طاؤس قال كان النبى ﷺ يضع يده اليمنى على يده

الیسری ثم یشد بھما علی صدرہ وھو فی الصلوۃ "

(رواہ ابو داؤد فی المراسیل)

طاؤس کہتے ہیں نبی کریم ﷺ دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر ان کو سینے پر باندھتے جب آپ نماز میں ہوتے ۔

واسنادہ ضعیف (آثار سنن ص ۱۴۵)

یہ حدیث سند کے لحاظ پر ضعیف ہے ۔

نیموی کی فیصلہ کن بات :

" قال النیموی وفی الباب احادیث اخر کلھا ضعیفۃ "

(آثار سنن ص ۱۴۵)

نیموی رحمہ اللہ نے کہا اس باب میں یعنی سینے پر نماز کی حالت میں ہاتھ رکھنے کے مسئلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں ۔

واضح ہوا کہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے والی تمام احادیث ضعیف ہیں تو ان کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا صرف وہی احادیث صحیح یا حسن ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھے جائیں ۔

اعتراض : جو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے اس کی سند میں کلام ہے اسلئے کہ اس کے راویوں میں عبد الرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے جس کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا " لیس بشیٔ منکر الحدیث " وہ راوی کچھ چیز نہیں کیونکہ اس کی حدیث منکر ہوتی ہے اس سے واضح ہوا کہ حدیث ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی ضعیف ہے اسے کس طرح دلیل بنایا گیا ہے ۔

جواب : "روی ابو داؤد وسکت علیه"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہوئی حدیث ابو داؤد نے بیان کی ہے اور ابو داؤد نے ذکر کر کے خاموشی اختیار کی ہے ضعیف کا کوئی قول نہیں کیا جس سے واضح ہوا کہ امام احمد کا ضعیف کہنا معتبر نہیں ۔

" ویعضده ما رواه ابن حزم من حدیث انس من اخلاق النبوة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة "

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جس پر اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ ہے :

" عن علی رضی الله عنه انه قال ان من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة "

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

اس روایت کی تائید ایک اور روایت کر رہی ہے جو ابن حزم نے روایت کی ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبوت کے اخلاق میں یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے ۔

تنبیه : جب حدیث متعدد طریقوں یعنی متعدد سندوں سے بیان ہو وہ ضعیف حدیث بھی حسن بن جاتی ہے جس سے واجب احکام بھی ثابت ہو سکتے ہیں ۔

" واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبی ﷺ "

(عمدة القاری للعینی (شرح البخاری) ج ۵ ص ۲۷۹)

صحابی جب مطلقاً یہ ذکر کرے کہ یہ سنت ہے تو اس سے مراد نبی کریم علیہ السلام کی سنت ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا شاندار فیصلہ:

" وقال الترمذی العمل عند اهل العلم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وضع اليمين على الشمال فى الصلوة ورآى بعضهم ان يضعها فوق السرة ورآى بعضهم ان يضعها تحت السرة وكل ذلك واسع "

(عمدة القاری للعینی ج اول ۲۷۹)

ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عام صحابہ کرام تابعین اور ان کے بعد حضرات کا اس پر عمل رہا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ہر نماز میں رکھتے تھے البتہ بعض نے ہاتھ ناف کے اوپر رکھے اور بعض نے ناف کے نیچے ہاتھ رکھے عمل و قول میں وسعت ہے

حقیت بھی یہی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث ہر طرف سے ملیں تو وہاں یہ بحث تو کی جا سکتی ہے کہ یہ احادیث (سینے پر اور ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے والی) تمام ہی ضعیف ہیں ان کو دلیل بنانا درست نہیں۔ لیکن دوسری طرف ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں لہٰذا ان کو دلیل بنانا بھی صحیح ہے۔ اگر ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی کوئی ایک حدیث ضعیف ہو بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ کیونکہ اس مسئلہ میں صحیح اور حسن احادیث بھی ہیں۔

لیکن اتنا اختلاف کرنا کہ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والے جو احادیث پر

عمل کر رہے ہیں ان کو طنز اور طعن کا نشانہ بناتا کہ : انہوں نے ہارون رشید کو خوش کرنے کے لئے مذہب گھڑا ہے یہ تو احادیث پر عمل نہیں کر رہے احادیث پر تو عمل صرف ہم ہی کر رہے ہیں۔ یہ محض جھوٹا پروپیگنڈہ ہے اور عوام کو بے وقوف بنانے کا ایک طریقہ ہے ۔

میں اپنے اہل سنت وجماعت حنفی مسلک کے بھائیوں سے بھی یہی درخواست کروں گا کہ اگر کوئی سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز ادا کر رہا ہے تو اسے اپنے حال پر رہنے دیں وہ بھی احادیث پر عمل کر رہا ہے اگرچہ ضعیف پر ۔

☆☆☆☆☆

رفع یدین کی بحث

(یعنی ہاتھ کہاں اٹھائے کہاں نہ اٹھائے):

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے، پھر رکوع میں جاتے ہوئے ہاتھ اٹھائے، پھر رکوع سے سر اٹھائے وقت ہاتھ اٹھائے، (غیر مقلدین کا رفع یدین کے متعلق یہ عمل ہے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین یعنی احناف کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھائے جائیں پھر کہیں نہ اٹھائے جائیں، البتہ وتر میں دعاء قنوت اور عیدوں کی تکبیروں کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں۔

اس مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ سمجھیں تاکہ غیر مقلدین کے اس جال میں نہ پھنسیں: کہ رفع یدین کے متعلق روایات بہت ہیں، خیال رہے کہ بہت ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ ایک سو چوبیس آیتیں قرآن پاک میں وہ ہیں جن میں کافروں سے جہاد نہ کرنے کا حکم ہے لیکن وہ تمام ایک ہی آیت واقتلوھم حیث ثقفتموھم سے منسوخ ہو گئیں۔

غیر مقلدین کا جاہل لوگوں کو بخاری شریف اٹھا اٹھا کر ترجمہ دکھانا وہ بھی بریکٹ میں اپنے مطلب کے مطابق اپنی طرف سے زیادتیاں یہ صرف عوام

جو علمی نکتوں کی باریکیوں سے بے خبر ہیں ان کو دھوکہ دینا ان کا مطلب ہوتا ہے۔ ان کا دھوکہ دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے :

"دیکھو جی بخاری سب سے صحیح کتاب ہے اور یہ حدیث اس میں موجود ہے ہم اس کے مقابلہ میں بخاری سے ہی حدیث طلب کرتے ہیں "

میرے حنفی بھائیو ! بخاری کے صحیح ہونے کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں ، بخاری کے اندر کئی وہ احادیث بھی تسلیم کرتا ہوں جو غیر مقلدین اپنے مذہب کی تائید میں لاتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ بخاری کی ہر حدیث قابل عمل ہے، کوئی منسوخ نہیں ۔ ذرا سوچئے ! ٹھنڈے دل سے سوچئے! بار بار سوچئے ! کہ قرآن پاک بلند مرتبہ ہے یا بخاری ؟ یقیناً آپ کو کہنا پڑے گا کہ قرآن پاک بلند مرتبہ کتاب ہے۔ اگر یہ مانتے ہوئے تمہیں یہ ماننا لازم آئے کہ ایک سو چوبیس آیتیں قرآن پاک میں جہاد نہ کرنے کی موجود ہیں لیکن جہاد پھر بھی ضروری ہے تو رفع یدین کی حدیثیں صحاح ستہ میں کوئی حدیث ضعیف نہیں اور دوسری احادیث کی کتب میں ہونے کے باوجود منسوخ ہیں، قابل عمل نہیں۔

دوسری یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ کہنا کہ صحاح ستہ میں کوئی حدیث صحیح یا حسن نہیں یہ فقط جہالت اور حماقت ہے ۔

تیسری بات یہ ذہن میں رکھی جائے کہ کسی مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں تو اس حدیث کو اس

راوی کے ضعیف ہونے سے ضعیف نہیں کیا جاسکتا جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ تابعی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا۔

چوتھی بات یہ ذہن میں رکھی جائے تمام کتب احادیث کے مؤلفین (سوائے امام مالک وامام محمد رحمہ اللہ علیہا) کے آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ جو حدیث صحاح ستہ میں نہیں وہ صحابہ کرام کا عمل نہیں؟ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ صحابہ کرام صحاح ستہ کے محتاج تھے؟ جب یہ لغو اور جاہلانہ اقوال ہیں تو یقیناً امام اعظم رحمہ اللہ علیہ بھی کسی بخاری و مسلم کے محتاج نہیں تھے جن محدثین کا ابھی وجود ہی نہیں تھا ان کی محتاجی کیسے؟ کیا بخاری و مسلم سے پہلے کوئی دین ہی نہیں تھا۔

یہ بھی خیال رہے کہ مسند امام اعظم کی احادیث میں دو دو واسطوں سے احادیث مذکور ہیں ان میں ضعیف ہونے کا سوال ہی نہیں۔ راقم کا موقف تو اس میں بھی یہ ہے جو بہت پختہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کئی احادیث صرف ایک واسطہ صحابہ سے ملیں۔ یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ کسی شخصیت نے زمانہ صحابہ کو پایا ہو اور کوئی بات ان سے نہ سنی ہو۔ مسند امام اعظم میں تھوڑی حدیثوں کا ہونا یہ دلیل نہیں کہ آپ کو اتنی ہی حدیثوں کا علم تھا اور نہ یہ کہنا لازم آئے گا کہ کسی صحابی نے حدیث کی کوئی کتاب مرتب نہیں کی، لہٰذا (معاذ اللہ) انہیں کچھ علم ہی نہیں تھا۔ اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت کم احادیث بیان کی ہیں انہوں نے ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے کچھ سنا ہی نہیں اور نہ ہی آپ کے عمل کو انہوں نے دیکھا۔

خدارا انصاف کیجئے ! کیا یہ کہنا صحیح ہے؟ نہیں بلکہ یہ کہنا غلط ہے آیئے اصل مسئلہ رفع یدین کی طرف توجہ کیجئے ۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھا جائے کہ رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) احادیث مبارکہ سے سجدہ کے لئے بھی ثابت ہے اور دو رکعتوں کے بعد اٹھنے کے لئے بھی ثابت ہے۔ رکوع میں جانے کے لئے بھی اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی، لیکن یہ تمام صورتیں منسوخ ہیں۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور کہیں نہ اٹھائے جائیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی سجدہ کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام احادیث پر وہ بھی عمل نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ قواعد و ضوابط کو مد نظر رکھا جائے اگر احادیث میں تطبیق دے کر تمام پر عمل کر سکیں تو بہتر، اگر تطبیق نہ دی جا سکے تو دیکھیں اگر کوئی ناسخ ہو اور کوئی منسوخ تو ایسی صورت میں منسوخ کو چھوڑ دیں اور ناسخ پر عمل کریں۔

اگر ناسخ منسوخ نہیں تو دیکھیں اگر کوئی ضعیف ہے اور اس کے مقابل صحیح یا حسن ہے تو ضعیف کو چھوڑ دیں اور صحیح یا حسن پر عمل کریں ۔ ان ضوابط پر عمل کرنے کے بغیر احادیث پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں اور نہ ہی تعارض کو مٹایا جا سکتا ہے ۔

دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہوتے وقت رفع یدین :

" عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذلک ابن عمر الی النبی ﷺ "

(بخاری باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین)

حضرت نافع کہتے ہیں جب حضرت ابن عمر نماز کو شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کا عمل بتاتے ہوئے اس حدیث کو مرفوع کا درجہ دیا ۔

حدیث بخاری میں مرفوع ، پھر یار لوگوں کا بھی اس پر عمل نہیں ، پتہ چلا کہ بخاری کی ہر حدیث پر عمل کرنا لازم نہیں ۔ ضروری ہے کہ دیکھا جائے اگر حدیث منسوخ ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے ۔

سجدہ کے لئے رفع یدین :

" عن مالک بن الحویرث انہ رأی النبی ﷺ رفع یدیہ فی صلوتہ اذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع واذا سجد واذا رفع رأسہ من السجود حتی یحاذی بھما فروع اذنیہ "

(نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین للسجود)

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نماز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور پھر ہاتھوں کو اٹھایا جب سجدہ کیا اور پھر ہاتھوں کو اٹھایا جب سجدہ سے سر کو اٹھایا یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے اوپر حصہ کے برابر کیا۔

" وعن انس ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه فی الرکوع والسجود "

(ابو یعلی ج ٦ ص ٣٩٩ حدیث ٩٩٧) (مصنف ابن ابی شیبه کتاب الصلوة باب من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ، مجمع الزوائد کتاب الصلوة باب رفع الیدین فی الصلوة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ اپنے ہاتھ رکوع میں اور سجدہ میں اٹھاتے تھے۔

" عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند التکبیر للرکوع وعند التکبیر حین یهوی ساجدا وقال الهیثمی اسناده صحیح "

(المعجم الاوسط ج اول ص ٣٩ حدیث ١٦ مجمع الزوائد کتاب الصلوة باب رفع الیدین فی الصلوة)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیشک نبی کریم ﷺ رکوع کے لئے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سندات صحیح ہیں۔

" عن ابی هریرة قال رأیت رسول الله ﷺ یرفع یدیه فی الصلوة حذومنکبیه حین یفتتح الصلوة وحین یرکع وحین یسجد "

(ابن ماجه کتاب الصلوة باب رفع الیدین فی الصلوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو

دیکھا آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے جب آپ نماز کو شروع فرماتے اور جب آپ رکوع فرماتے اور جب سجدہ کرتے ۔

" عن یحیی بن ابی اسحاق قال رأیت انس بن مالك یرفع یدیه بین السجدتین "

(جزء رفع الیدین للبخاری)

یحییٰ بن ابی اسحاق کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھوں کو دونوں سجدوں کے درمیان اٹھاتے تھے ۔

ابھی تک زیر عنوان سجدہ کے لئے رفع یدین جو احادیث نقل کی ہیں وہ صحیح الاسناد ہیں، جن سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بھی ہاتھ اٹھائے جائیں اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے بھی ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اس مسئلہ پر صحاح ستہ سے بھی احادیث آگئیں، پھر یار لوگوں کا اس پر عمل کیوں نہیں ؟ معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں آنے والی تمام احادیث ان حضرات کے نزدیک بھی قابل عمل نہیں بلکہ بعض کو وہ بھی منسوخ مانتے ہیں۔ جھگڑا صرف رکوع میں جاتے وقت اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین میں ہے یہ مقام تعجب ہے۔

رفع یدین رکوع میں جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے :

" عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسه من الرکوع رفعهما کذالك ایضا وقال سمع اللہ لمن حمده ربنا ولك الحمد وکان لا یفعل ذلك فی السجود "

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی الخ ، مسلم کتاب الصلوۃ باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کندھے کے برابر اٹھاتے جب آپ نماز شروع فرماتے اور جب آپ رکوع کی تکبیر کہتے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور پھر آپ " سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد " کہتے اور سجدہ میں پھر ایسے نہیں کرتے تھے ۔

" عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يجعلهما قريبا من اذنيه واذا ركع صنع مثل واذا رفع رأسه من الركوع صنع مثل ذلك "

(ابن ماجه رفع اليدين اذا ركع نسائی باب رفع اليدين حذو فروع الاذنين)

مالک بن حویرث فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان کو کانوں کے قریب کرتے اور جب رکوع کرتے پھر ایسے ہی کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اسی طرح کرتے ۔

" عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة يرفع يديه حتى يحاذى منكبيه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع "

(ترمذی باب رفع اليدين عند الركوع)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو بھی اٹھاتے ۔

ذرا غور سے مسئلہ کو سمجھئے !

اس بات کا انکار نہیں کہ نبی کریم ﷺ رفع یدین (اپنے ہاتھ اٹھاتے) کرتے جب تکبیر تحریمہ کہتے آپ رفع یدین کرتے، جب رکوع میں جاتے آپ رفع یدین کرتے، جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے اور آپ رفع یدین کرتے، جب آپ سجدہ میں جاتے اور آپ سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے، اور آپ دو رکعتوں کے بعد تشہد سے فارغ ہو کر قعدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے۔

یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ رفع یدین والی احادیث صحاح ستہ میں اور احادیث کی دوسری کتب میں بھی موجود ہیں، یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ رفع یدین والی احادیث مختلف کتب احادیث سے مل جائیں گی۔

یہ تمام باتیں تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین باقی رہ گیا اور تمام جگہ منسوخ ہو گیا مقام تعجب یہ ہے کہ رفع یدین کی رٹ لگانے والے بھی سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے بعد رفع یدین کو منسوخ مانتے ہیں تین جگہ پر منسوخ مانا جا سکتا ہے تو دو اور جگہ منسوخ کیوں نہیں مانا جا سکتا۔

ایک خاص بات ذہن میں رکھیں کہ رکوع کی دونوں حالتوں میں رفع یدین پر فعلی احادیث پائی جاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کیا ہے، کوئی قولی حدیث موجود نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ رفع یدین کرو، ایسی کوئی حدیث کوئی شخص نہیں دکھا سکے گا۔

لیکن رفع یدین کی ممانعت پر فعلی حدیثیں بھی موجود ہیں اور قولی بھی یعنی یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین نہیں کیا بلکہ چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے رفع یدین سے منع کیا۔ اور قولی احادیث کو فعلی احادیث پر ترجیح دی جاتی ہے ۔

منسوخ آیات قرآن پاک میں موجود ہونے کے باوجود قابل عمل نہیں تو منسوخ احادیث کتب احادیث میں موجود ہونے کی وجہ سے عمل کے لئے لازم پر دلیل کیسے قائم کی جاسکتی ہے ؟

یاد رہے ! دلائل کی کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دلائل کی پختگی کا اعتبار ہوتا ہے، غیر عادل بیس گواہ بھی دو عادل گواہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔

کئی احادیث ضعیفہ ،ایک حدیث صحیح کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، ایک صحیح حدیث کئی ضعیفوں پر بھاری ہوگی ۔

سینکڑوں کی تعداد میں احادیث کو ایک حدیث سے منسوخ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ایک سو چوبیس آیات مبارکہ جہاد نہ کرنے والی ایک آیت مبارکہ سے منسوخ ہیں جس میں جہاد کرنے کا ذکر ہے ۔

جو احادیث منسوخ ہوں ان کو کتابوں سے نکال نہیں دیا جاتا وہ منسوخ احادیث بھی کتب میں ذکر کر دی جاتی ہیں اور ناسخ بھی، مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فعل بھی رہا اور یہ بھی ۔

☆☆☆☆☆

نسخ کی مختصر بحث

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ ما ننسخ من آية او ننسها نأت بخير منها او مثلها الم تعلم ان الله على كل شئ قدير ﴾

(پ ۱ بقرہ ۱۰۶)

جب کوئی آیت ہم منسوخ کریں یا فراموش کرا دیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وضاحت : نسخ کے دو معنی ہیں : ایک نقل و تحویل، جیسے کہا جاتا ہے نسخت الکتاب میں نے کتاب کو نقل کیا ۔ دوسرا معنی ہے اٹھانا، ختم کرنا، جیسے کہا جاتا ہے نسخت الشمس الظل سورج نے سایہ کو ختم کر دیا ۔ آیت کریمہ میں دوسرا معنی معتبر ہے ۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ احکام کو تدریجاً یعنی آہستہ آہستہ نافذ کیا ایک حکم ایک وقت کے لئے نافذ کیا جب اس کا وقت ختم ہوا تو اسے منسوخ کر کے دوسرا حکم نافذ کر دیا جس میں بندوں کا نفع زیادہ ہوا یا آسان ہوا یا اس میں ثواب زیادہ ہوا یا حکم تو دوسرا آ گیا لیکن ثواب وغیرہ میں پہلے کی طرح ہی ہو۔

نسخ کی قسمیں : نسخ کی تین قسمیں ہیں :

(۱) "النسخ بقرأتها فقط دون حكما مثل اية الرجم"

یعنی نسخ کی ایک قسم یہ ہے کہ آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہو وہ قرآن پاک میں اب بظاہر موجود نہ ہو لیکن اس کا حکم موجود ہو۔ جیسے وہ آیت جس سے سنگسار کرنے کا حکم ثابت ہے۔

احادیث مبارکہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبکہ آپ منبر رسول اللہ پر تشریف فرما تھے بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب کو نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو آیت رجم نازل فرمائی ہم نے اسے پڑھا اور یاد کیا اور ہم نے اسے سمجھا رسول اللہ ﷺ نے رجم (سنگسار) کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا، مجھے ڈر ہے کہ طویل زمانہ گذرنے کے بعد کہنے والا کہے گا ہم اللہ کی کتاب میں رجم کا ذکر نہیں پاتے (ایسا کہنے والے) اللہ تعالیٰ کی نازل کئے ہوئے فریضہ کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے، بے شک رجم کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہونا حق ہے، جو بھی مرد ہو یا عورت جب وہ محصن ہوں (شادی شدہ ہوں) ان کا زنا ثابت ہو جائے گواہوں سے یا ظاہر طور پر حمل سے یا اعتراف سے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے۔

(۲) "او بحكمها المستفاد منها فقط دون قرائتها مثل آية الوصية للاقارب"

نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ صرف حکم منسوخ ہو تلاوت منسوخ نہ ہو یعنی وہ آیات قرآن پاک میں موجود ہوں لیکن ان کا حکم باقی نہ ہو، صرف سمجھانے کے لئے دو آیتیں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں ورنہ اس کی کئی مثالیں

دی جاسکتی ہیں :

﴿ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ﴾

(پ ۲ بقرہ ۱۸۰)

فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا ضروری ہے پرہیزگاروں پر ۔

جب تک وارثوں کے وراثت میں حقوق کو مقرر نہیں کیا گیا تھا اس وقت تک یہ حکم تھا کہ جو شخص موت کے قریب ہو اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ خود وصیت کرے کہ میرے مال میں سے اتنا مال میری ماں کو اتنا میرے باپ کو اور اتنا میرے فلاں فلاں رشتہ دار کو دے دینا۔ لہٰذا ابتدائی طور پر یہ وصیت کرنا انسان پر فرض تھا لیکن جب دوسری آیت (جو سورۃ نساء چوتھے پارہ میں ہے) کا نزول ہوا جس میں وارثوں کے حصے رب تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اب وصیت کرنا فرض ہونا تو در کنار وارث کے لئے وصیت کرنا جائز ہی نہیں رہا ۔

البتہ جو وارث نہ ہو اس کے لئے اپنے تہائی مال سے وصیت کرے تو جائز ہے تہائی سے زائد مال کی وصیت نہیں کر سکتا یہاں سے واضح ہوا کہ آیت مبارکہ قرآن پاک میں موجود ہے تلاوت کی جارہی ہے کوئی شخص کسی کم علم جاہل کو دھوکہ دے کہ وصیت کرنا فرض ہے لہٰذا تم اپنے فلاں فلاں رشتہ دار

کے لئے خود ہی مال کے حصے مقرر کر دو تو یہ شخص جو دھوکہ دے رہا ہے وہ گنہگار ہو گا کہ اس نے قرآن پاک کے حکم کو بدلنے کی کوشش کی ۔

ایسے ہی جو احادیث منسوخ ہیں کتب احادیث میں موجود ہیں ان کا ترجمہ دکھا دکھا کر دوسروں کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ ہے۔ قرآن پاک میں آیت کریمہ موجود ہو کر منسوخ ہو سکتی ہے تو بخاری یا صحاح کی دوسری کتب میں حدیث موجود ہونے کے باوجود منسوخ کیوں نہیں ہو سکتی ۔

آیئے دوسری آیت کریمہ کی طرف توجہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا ﴾

(پ ٤ نساء ١٥)

اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کرو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے ان کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ۔

اس آیت میں زانیہ عورتوں کی حد (سزا) یہ ذکر کی گئی کہ اگر ان پر چار مرد گواہی دے دیں ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور حکم نافذ کر دے ۔

اس آیت کریمہ کو منسوخ کر دیا گیا دوسرا حکم نافذ ہو گیا آیت کریمہ قرآن پاک میں موجود ہے پڑھی جا رہی ہے تا قیامت ان شاء اللہ پڑھی

جاتی رہے گی لیکن اس کا حکم ختم کر دیا گیا ۔ سورۃ نور میں ایک سو کوڑے لگانے کا حکم غیر شادی کے لئے آگیا، وہ آیت کریمہ بھی قرآن میں موجود ہے اور اس کی تلاوت ہو رہی ہے اور شادی شدہ کے لئے سنگسار کرنے کا حکم نافذ کر دیا گیا یہ بھی قرآن کا ہی حکم ہے تا قیامت قرآن کا ہی حکم کہلائے گا اگر چہ آیت کریمہ بظاہر قرآن پاک میں تلاوت نہیں ہو رہی جس کی **تفصیل** نسخ کی پہلی قسم میں ذکر کر دی گئی ۔

میرے حنفی بھائیو !

اہل سنت وجماعت کے سچے اور پکے مسلمانو! یہ بات ضرور یاد رکھو کہ منسوخ آیتوں کا قرآن پاک میں موجود نہ ہونا کوئی ضروری نہیں اور اسی طرح منسوخ احادیث کتب احادیث میں موجود ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔

" اوبهما جميعا كما قيل انها كانت سورة الاحزاب مثل سورة البقرة فرفع اكثرها تلاوة وحكما "

نسخ کی تیسری قسم یہ ہے کہ تلاوت بھی منسوخ ہو جائے اور حکم بھی منسوخ ہو جائے کیونکہ سورۃ احزاب کی آیات تقریباً سورۃ بقرہ کے برابر تھیں لیکن بہت سی منسوخ ہو گئیں ۔ لیکن یہ خیال رہے کہ منسوخ کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات سے تھا بعد میں منسوخ کا کوئی تصور نہیں اس لئے یہ کہنا کہ قرآن پاک کی چالیس پارے تھے بعد میں صحابہ کرام نے اسے چھوٹا کر دیا یہ لغو، بیہودہ، اور من گھڑت قول ہے (العیاذ باللہ) اس لئے کہ قرآن پاک کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے ۔

نسخ کی ایک اور تقسیم :

نسخ کی چار قسمیں ہیں :

(۱) قرآن پاک کی آیت قرآن پاک سے منسوخ ہو۔

(۲) قرآن پاک کی کوئی آیت حدیث پاک سے منسوخ ہو۔

(۳) حدیث پاک منسوخ ہو حدیث پاک سے۔

(۴) حدیث پاک منسوخ ہو قرآن پاک سے۔

پہلی قسم : قرآن پاک کی کوئی آیت منسوخ ہو قرآن پاک سے اس کی دو مثالیں بیان کر دی گئیں ہیں اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی پہلی عدت ایک سال تھی اس کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج ﴾

(پ ۲ بقرہ ۲۴۰)

اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور انہیں خرچہ دیا جائے ایک سال تک اور نہ نکالا جائے انہیں گھر سے۔

اس آیت کریمہ میں وصیت کرنے کا حکم بیویوں کے لئے جو تھا وہ وراثت والی آیت سے منسوخ ہو گیا اور ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے دس دن والی آیت سے منسوخ ہو گیا اب جو عدت ہے ان عورتوں کی جن کے خاوند فوت ہو جائیں وہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے :

﴿ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا ﴾

(پ ۲ — ۱٤)

اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن۔

دوسری قسم : قرآن پاک کی آیت منسوخ ہو حدیث سے اس کی مثال دیکھیں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :

﴿ لا یحل لك النساء من بعد ﴾

آپ کے لئے اس کے بعد (بیک وقت نو بیویوں کے بعد) عورتیں حلال نہیں۔

یہ آیت منسوخ ہے حدیث پاک سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے :

" ان النبی ﷺ اخبرها بان الله تعالیٰ اباح له من النساء ماشاء "

(حاشیه جلالین)

بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لئے عورتوں کو مباح کر دیا جتنی تعداد سے آپ نکاح کرنا چاہیں۔

یہ بھی خیال رکھیں کہ حدیث کے لئے ناسخ ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ مشہور یا متواتر ہو یہ کوئی شرط نہیں فلاں کتاب میں ہے ہو اگر اس کے خلاف کسی کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کرے۔

تیسری قسم : حدیث سے حدیث منسوخ ہو۔

" عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ کنت نهیتکم عن

زيارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنيا وتذكر الآخرة "

(ابن ماجه)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے دنیا میں زہد (تقوی) حاصل ہوتا ہے اور آخرت کی یاد حاصل ہوتی ہے ۔

واضح ہوا کہ اس حدیث پاک سے قبروں کی زیارت سے منع کرنے والا آپ کا ارشاد گرامی منسوخ ہو گیا تو پتہ چلا کہ حدیث پاک سے حدیث پاک کا منسوخ ہونا بھی ثابت ہے ۔

چوتھی قسم : حدیث پاک منسوخ ہو قرآن پاک سے اس کی مثال یہ ہے کہ نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنا حدیث پاک سے ثابت ہے پھر قرآن پک کی آیت :

﴿ فول وجهك شرط المسجد الحرام ﴾

(آپ مسجد حرام کی طرف منہ کریں) سے حدیث پاک منسوخ ہو گئی ۔

(نسخ کی بحث میں تفسیر مظہری ، مسلم شریف نور الانوار سے فائدہ حاصل کیا گیا)

یہ بحث اس لئے کی گئی کہ عوام کو نسخ کے متعلق آسان لفظوں میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں اب اس مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ پھر مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ابھی تک ان احادیث کا ذکر کیا تھا جن سے دو رکعت کے بعد اٹھتے وقت سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے لیکن وہ تمام منسوخ ہیں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین باقی ہے ۔

رفع یدین سے ممانعت کی احادیث صحاح ستہ سے

" عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة قال وفی الباب عن البراء بن عازب قال ابو عیسی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة "

(ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں پھر آپ نے نماز ادا کی اس میں صرف پہلی مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو اٹھایا ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس باب میں (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا اور بعد میں نہ اٹھانا) براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے ابو عیسی ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن اور یہی قول کئی اہل علم کا ہے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور تابعین میں سے ہیں اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

اہل کوفہ سے مراد بھی صحابہ کرام اور تابعین ہیں جو کوفہ میں تھے اور یہ بھی یاد رہے کہ حدیث حسن ہے جس سے واجب احکام بھی ثابت ہو جاتے ہیں کتنا تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے تو رفع یدین چھوڑ دیا تھا لیکن ہم ابھی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔

"عن علقمة عن عبد الله انه قال لا اصلی بکم صلوة رسول

اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الامرۃ واحدۃ "

(نسائی باب رفع الیدین)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کر کے نہ دکھاؤں؟ تو آپ نے نماز ادا کی سوائے پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ) کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن علقمة عن عبد الله قال الا اخبركم بصلوة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع يديه اول مرة ثم لم يعد "

(نسائی باب رفع الیدی للرکوع)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی خبر نہ دوں؟ راوی کہتے ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے آپ نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ قال فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة "

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے نماز ادا کی آپ نے صرف پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ میں) ہاتھ اٹھائے۔

" عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود " (ابو داؤد حوالہ مذکور)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ

جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے کانوں کے قریب کرتے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے ۔

رفع یدین واضح طور پر منع ، صحاح ستہ سے حدیث :

" عن جابر بن سمرة ان رسول الله ﷺ رآی قوما رفعوا ایدیهم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة "

(ابو داؤد)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ ہاتھ اٹھاتے ہیں گویا یہ سر کش گھوڑوں کی دمیں ہیں نماز میں سکون کرو ۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ ہے ۔

اعتراض : اس حدیث سے رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے جو رفع یدین کیا جاتا ہے اس سے ممانعت نہیں بلکہ بوقت سلام جو رفع یدین کیا جاتا ہے اس سے ممانعت فرمائی گئی کیونکہ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت واضح طور پر سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے وہ روایت یہ ہے :

" عن جابر بن سمرة قال صلیت مع رسول الله ﷺ فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول الله ﷺ فقال ماشانکم تشیرون بایدیکم کانها اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبه ولا یومی بیده "

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ہم چونکہ جب سلام پھیرتے تھے تو السلام علیکم کہتے وقت اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے نبی کریم ﷺ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا تم میں سے جب بھی کوئی ایک سلام پھیرے تو اپنے ساتھ والے شخص کی طرف منہ کرے اور اشارہ نہ کرے ۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

" انما یکفی احدکم ان یضع یدیہ علی فخذیہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ "

تم میں سے ہر ایک کو یہ کافی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے رانوں پر رکھے پھر دائیں طرف اور بائیں طرف اپنے بھائی کی طرف توجہ کرتے ہوئے سلام کہے ۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کے وقت رفع یدین سے منع کیا گیا جو ابتدائی طور پر صحابہ کرام سلام کیوقت ہاتھ اٹھا لیتے تھے۔ وہ حدیث جو تم نے پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس حدیث سے رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت ہے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں حدیثوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں لہذا ایک حدیث دوسری حدیث کا بیان ہے دونوں کا مطلب ایک لیا جائے تب ہی درست ہو سکتا ہے ۔

جواب : دراصل بنیادی غلطی کی وجہ ہی معترضین کی یہ ہے کہ وہ دونوں احادیث کے الفاظ میں بعض جگہ اشتراک کو دیکھ کر دونوں کا ایک ہی مطلب سمجھ بیٹھے ورنہ دونوں احادیث میں کئی وجہ سے فرق موجود ہے غور و فکر کیا جائے تو فرق روز روشن کی طرح واضح نظر آتا ہے سرسری نظر سے انسان غلط فہمی کا

شکار ہو جاتا دوسری غلطی کی وجہ اس لئے ہوتی ہے کہ دونوں حدیثوں کے راوی ایک ہیں آیئے ایک مرتبہ پھر سے توجہ کریں فرق کو سمجھئے تاکہ معترضین کو جواب دینا آسان ہو ۔

رفع یدین کی ممانعت والی حدیث :

" قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة "

(مسلم ج اول باب الامر بالسکون فی الصلوة ، ابوداؤد ، نسائی ، ترمذی)

راوی نے کہا کہ حضور تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر) فرمایا میں تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو ایسے اٹھاتے ہو جس طرح سرکش گھوڑے اپنی دموں کو اٹھاتے ہیں، نماز سکون سے ادا کیا کرو۔

اس حدیث کی وضاحت میں وہ حدیث دیکھیں جس میں تفصیل مذکور ہے وہ حدیث یہ ہے

" عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله ﷺ ونحن رافعوا ایدینا فی الصلوة فقال ما بالهم رافعین وایدیهم فی الصلوة کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة "

(مسلم ، ابوداؤد ، نسائی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہم پر تشریف لائے تو ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں ایسے رفع یدین کرتے ہیں جیسے سرکش گھوڑے اپنی دم کو ہلاتے ہیں نماز سکون سے ادا کرو ۔

سلام ور کوع میں مانع رفع یدین والی احادیث میں فرق دیکھئے :۔

سلام والی حدیث میں ہے :

" صلیت مع رسول الله ﷺ "

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ۔

رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں ہے :

" خرج علینا رسول الله ﷺ نحن رافعوا ایدینا فی الصلوة "

ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضور تشریف لائے یعنی ہم علیحدہ علیحدہ نفلی نماز ادا کر رہے تھے اور رفع یدین کر رہے تھے تو اسی دوران نبی کریم ﷺ تشریف لائے ۔

سلام والی حدیث میں ہے :

" فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم "

ہم ایسے کرتے تھے کہ جب ہم سلام پھیرتے تھے تو ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے السلام علیکم کہتے ۔

رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں ہے :

" فقال ما بالهم رافعین ایدیهم فی الصلوة کانها اذناب خیل شمس "

(حضور تشریف لائے) اور فرمایا ان کو کیا ہو گیا یہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے سرکش گھوڑے اپنی دموں کو ہلاتے ہیں۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے :

" اسکنوا فی الصلوة "

نماز سکون سے ادا کرو یعنی رفع یدین نہ کرو ۔

سلام والی حدیث میں ہے :

" اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبه ولا یؤمی بیده "

جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر سلام کہے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے ۔

ایک اور روایت میں ہے :

" انما یکفی احدکم ان یضع یدیه علی فخذیه ثم یسلم علی اخیه من علی یمینه وشماله "

تمہارے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھ رانوں پر رکھو پھر سلام کہو پہلے اپنے دائیں طرف والے بھائی کو اور پھر اپنے بائیں طرف والے بھائی کو ۔

رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے "اسکنوا فی الصلوۃ" تم نماز میں رفع یدین نہ کرو بلکہ سکون اختیار کرو اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر چہ دونوں حدیثوں کے راوی ایک ہیں لیکن سندات مختلف ہیں ۔

قارئین کرام سے انصاف کی درخواست :

جب دونوں حدیثوں میں فرق بیان کر دیا گیا تو اب خود ہی انصاف کیجئے کیا دونوں حدیثوں کا ایک مطلب ہے یا کہ دونوں میں فرق پایا جاتا ہے ؟ غرضیکہ انصاف و دیانت کے ساتھ دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے دونوں مختلف واقعات کے متعلق ہیں اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں سلام کے وقت رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے ؛ کیونکہ ابھی جو **حدیث** ذکر کی ہے اس

سے واضح ہے کہ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے وہ الگ ایک حدیث ہے اور اس میں نماز کے اندر رفع یدین کا ذکر تک نہیں ہے بلکہ سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی نماز سے باہر ہونے کے لئے صرف سلام کافی ہے اشارہ کی ضرورت نہیں ۔

اور رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں جس میں نماز کے اندر رفع یدین سے منع کیا گیا اس کے الفاظ کو دیکھیں جس میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔" نحن رافعوا ایدینا" ہم رفع یدین کر رہے ہیں ۔

اور نبی کریم ﷺ کے واضح طور پر منع کرنے کو دیکھیں کتنے صریح وواضح الفاظ ہیں " اسکنوا فی الصلوة " نماز سکون سے ادا کرو، نماز میں رفع یدین نہ کرو ۔

اس وضاحت کے بعد سورج کی روشنی کی طرح مسئلہ نکھر کر واضح اور روشن ہو گیا کہ رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین سے منع کیا گیا ہے ۔

(فرق ماخوذ از فیوض الباری)

☆☆☆☆☆

رفع یدین نہ کرنے پر اور احادیث :

" عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في اول تكبيرة "

(طحاوی کتاب الصلوة باب التکبیرات . هو اثر صحیح آثار سنن)

حضرت اسود نے کہا میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا (حدیث صحیح ہے)

عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا رضى الله عنه كان يرفع يديه في اول تكبيرة من الصلوة ثم لا يرفع بعد

(طحاوی کتاب الصلوة باب التکبیرات)

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔ (آثار سنن میں ذکر کیا گیا "اسناده صحيح" اس کی سندات صحیح ہیں)

" عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى من الصلوة "

حضرت مجاہد کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی نمائیں سوائے پہلی تکبیر کے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(طحاوی باب التکبیرات)

" عن ابراهيم قال كان عبد الله بن مسعود لا يرفع يديه في شئ من الصلوة الا في الافتتاح " (طحاوی باب التکبیرات)

حضرت ابراہیم کہتے ہیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں

سوائے تکبیر افتتاح کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے ۔

تنبیہ : تمام احادیث جوذکر کی ہیں اسناد ان کی صحیح ہیں یہ چار حدیثیں جو ابھی طحاوی کے حوالہ سے نقل کی ہیں ان میں دوسری حدیث اور تیسرے حدیث بیہقی نے بھی ذکر کی ہیں ۔

یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت عمر بن خطاب حضرت علی المرتضیٰ ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے ۔

خیال رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تکبیر تحریمہ کے بغیر رفع یدین نہ کرنے والی روایت مسند احمد میں بھی مذکور ہے ۔

" عن ابن مسعود قال صليت مع النبى ﷺ ومع ابى بكر وعمر فلم يرفعوا ايديهم الاعند تكبيرة الاولى فى افتتاح الصلوة "

(دار قطنی ص ۱۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی کسی نے بھی سوائے نماز کے شروع والی تکبیر کے ہاتھ نہیں اٹھائے ۔

نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی نے واضح کر دیا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے دو پیارے یاروں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین نہیں کیا اس سے پتہ چلا کہ پہلے رفع یدین تھا بعد میں منسوخ ہو گیا ۔

" عن عبد الله بن زبير انه رآى رجلا لا يرفع يديه فى الصلوة عند الركوع وعند رفع راسه من الركوع فقال له لا تفعل فان هذا شئ فعله رسول الله ﷺ ثم ترك "

(عینی ج ۲ ص ۷)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو آپ نے اسے منع کیا اور اسے کہا کہ رفع یدین نہ کرو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے رفع یدین کیا ہے لیکن بعد میں چھوڑ دیا تھا۔

سبحان اللہ میرے پیارے نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد اور صحابی رسول ﷺ اور جلیل القدر صحابی نے واضح کر دیا کہ رفع یدین والی احادیث منسوخ ہیں۔ حضرات گرامی آپ خود توجہ فرمائیں صحابی اس مسئلہ کو بہتر جانتے ہیں یا پندرھویں صدی کا مولوی۔

ابو داؤد سے ایک اور حدیث کی طرف توجہ کریں :

" عن ابى هريرة انه ﷺ اذا دخل فى الصلوة رفع يديه "

(ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے۔

اعتراض : اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ باقی کی کوئی نفی نہیں۔

جواب : ابو داؤد نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے " **باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع وسکت علیه** " اس باب میں وہ احادیث ذکر ہیں جن میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں بلکہ سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی گئی :

" **قال النبی ﷺ لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن الخ** "

نبی کریم ﷺ نے فرمایا : سوائے سات جگہ کے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں ۔

یہ حدیث **طبرانی** نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع ذکر کی ہے اور **مصنف ابن ابی شیبہ** نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے **موقوف حدیث** ذکر کی۔ **بزار** نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے **ایک جگہ** مرفوع اور دوسری جگہ موقوف ذکر کی ۔ **بیہقی** اور **مستدرک حاکم** میں دونوں راویوں سے مرفوع حدیث مذکور ہے ۔

مقام توجہ :

یہی حدیث " **لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن** " ہاتھ سوائے سات جگہ کے نہ اٹھائے جائیں۔ بخاری نے اپنی تالیف "**جزء رفع الیدین**" میں ذکر کی ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ بخاری نے دونوں راویوں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث ذکر کی ہے ۔

مقام تعجب یا مقام افسوس :

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کسی حدیث کو اپنی کتاب

الجامع الصحیح للاحکام یعنی بخاری میں ذکر کریں تو وہ یار لوگوں کو قبول ہو جائے اور اگر وہی بخاری اپنی کتاب "جزء رفع الیدین" میں ذکر کریں تو وہ قبول نہ ہو سبحان اللہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ مرضی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے اور جو نہ پسند آئے اسے چھوڑ دیا جائے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ سے چند احادیث اور صحابہ کرام کا عمل دیکھئے!

(باب من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود)

" عن البراء بن عازب ان النبی ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه ثم لا یرفعهما حتی یفرغ "

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے پھر آپ نے نماز کے فارغ ہونے تک کبھی رفع یدین نہیں کیا۔

" عن علقمة عن عبد الله قال الا اریکم صلوة رسول الله ﷺ فلم یرفع یدیه الامرة "

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ (تو آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی) تو صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لا یعود "

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب

آپ نماز شروع کرتے تھے پھر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن ابراهيم عن عبد الله انه كان يرفع يديه في اول ما يستفتح ثم لا يرفعهما "

حضرت ابراہیم (نخعی) فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نماز کو جب شروع کرتے تھے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد پھر آپ کبھی بھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

" عن اشعث عن الشعبي انه كان يرفع يديه في اول التكبير ثم لا يرفعهما "

حضرت اشعث کہتے ہیں کہ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ شروع میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر آپ نے کبھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن حصين ومغيرة عن ابراهيم انه كان يقول اذا كبرت في فاتحة الصلوة فارفع يديك ثم لا ترفعهما فيما بقي "

حضرت حصین اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم (نخعی) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو ہاتھ اٹھاؤ پھر باقی نماز میں کہیں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

" عن ابي اسحاق قال كان اصحاب عبد الله واصحاب علي لايرفعون ايديهم الافي افتتاح الصلوة قال وكيع ثم لايعودون"

ابو اسحاق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب سوائے نماز کے شروع کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور حضرت وکیع نے (اور وضاحت سے) کہا "ثم لا يعودون" پھر وہ رفع یدین کو نہیں لوٹاتے تھے۔

" عن طلحة عن خيثمه وابراهيم قال كانا لا يرفعان ايديهما الا في بدء الصلوة "

حضرت طلحہ سے مروی ہے کہ حضرت خیثمہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ سوائے نماز کی ابتداء کے کہیں نہیں اٹھاتے تھے

" عن اسمعيل قال كان قيس يرفع يديه اول ما يدخل في الصلوة ثم لا يرفعهما "

اسماعیل نے کہا کہ قیس نماز کو جب شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے ۔

" عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال لا ترفع الايدى الافى سبع مواطن اذا قام الى الصلوة واذا رأى البيت وعلى الصفا والمروة وفى عرفات وفى جمع وعند الجمار "

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اپنے ہاتھوں کو سوائے سات مقاموں کے نہ اٹھاؤ (وہ سات مقام یہ ہیں) جب نماز کے لئے کھڑے ہو اور جب بیت اللہ کو دیکھو اور صفا اور مروہ پر اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور جمرات کو کنکریاں مارتے وقت

" عن سفيان بن مسلم الجهنى قال كان ابن ابى ليلى يرفع يديه اول شئ اذا كبر "

سفیان بن مسلم جہنی سے روایت ہے کہ ابن ابی لیلی رضی اللہ عنہ جب پہلی تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے ۔

" عن مجاهد قال مارأيت ابن عمر يرفع يديه الا فى اول ما يفتتح "

مجاہد سے روایت آتی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما کو سوائے تکبیر افتتاح کے کہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

" عن جابر عن الاسود وعلقمة انهما كانا يرفعان ايديهما اذا افتتحا ثم لا يعودان "

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت اسود اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ صرف نماز کے شروع میں اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

" عن الاسود قال صليت مع عمر فلم يرفع يديه في شي من صلوته الا حين افتتح الصلوة قال عبد المالك ورأيت الشعبي وابراهيم واباااسحق لايرفعون ايديهم الاحين يفتتحون الصلوة"

حضرت اسود نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے نماز کی شروع والی تکبیر کے بغیر کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے عبد الملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابو اسحٰق رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ سوائے نماز کے شروع کے کہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

تنبیہ : مصنف ابن ابی شیبہ میں تمام احادیث کی مکمل اسناد کو ذکر کیا گیا ہے میں نے طوالت سے بچتے ہوئے صرف آخری آخری راوی کو ذکر کر دیا۔ جو احادیث مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہیں ان پر انصاف سے نظر کریں تو واضح ہو جائے گا کہ رفع یدین نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین نے چھوڑ دیا تھا لہذا رفع یدین کی احادیث کا منسوخ ہونا واضح ہو گیا۔

اعتراض : مصنف ابن ابی شیبہ سے وہ باب تم نے نقل کر دیا جس میں رفع

یدین سے منع کیا گیا ہے اور وہ باب جو اس سے پہلے ہے "من کان یرفع یدیه اذاافتتح الصلوة" اس میں وہ احادیث بھی مذکور ہیں جن میں رکوع کے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ ان حدیثوں کو نقل نہ کرنے سے تو پتہ چلتا ہے کہ رفع یدین کے ثبوت کو جان بوجھ کر چھپایا جا رہا ہے۔

جواب : یہ اعتراض تو آپ کا اس وقت درست ہوتا جب میرا دعوی یہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام نے زندگی بھر کبھی رفع یدین کیا ہی نہیں یہ تو میں نے کبھی کہا ہی نہیں میں تو اپنا دعوی اس بحث کے شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے پہلے رفع یدین کیا پھر چھوڑ دیا۔ اب رفع یدین والی حدیثیں منسوخ ہیں اگرچہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔

اس سے پہلے رفع یدین والی حدیثوں کو میں ذکر کر چکا ہوں بفضلہ تعالیٰ ہم نے کبھی مسئلہ کو نہ چھپایا اور نہ ہی توڑ موڑ پر پیش کیا اور نہ ہی کبھی اس طرح بیان کیا کہ اپنی طرف سے من گھڑت طور پر پیش کریں جس کا وجود ہی نہ ہو اور اس کا اتہ پتہ ہی نہ ملے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کا اعتراض میرے موقف کی ہی تائید کر رہا ہے کیونکہ تقریباً اکثر محدثین نے یہی طریقہ استعمال کیا ہے کہ پہلے وہ باب ذکر کیا جن میں رفع یدین کا ذکر ہے اور پھر وہ باب ذکر کئے جن میں رفع یدین کی ممانعت ہے محدثین کی یہ ترتیب ہی بتا رہی ہے کہ رفع یدین پہلے تھا بعد میں منع کر دیا گیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی ترتیب کا تو تم نے خود ہی اعتراض میں اقرار کر لیا ہے آیئے ایک دو اور مثالیں دیکھئے ابوداؤد سے میں نے ایک حدیث پہلے بیان کر کے عنوان کا حوالہ بھی دیا ہے اسی کی ترتیب دیکھئے ۔

پہلے ذکر کیا گیا" باب رفع الیدین "رفع یدین کے باب کے بیان میں۔ اس کے بعد ذکر کیا گیا" باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع "رفع یدین کے رکوع میں ذکر نہ ہونے کا بیان ۔

اس کے بعد ترمذی کی ترتیب کو دیکھئے انہوں نے بھی رفع یدین والی حدیثوں کو پہلے ذکر کیا اور رفع یدین کے ترک کرنے کو بعد میں ذکر کیا ہے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ ترمذی کے نئے نسخوں میں رفع یدین نہ کرنے والی حدیث پر عنوان قائم نہیں کیا گیا لیکن راقم کے آباء واجداد بفضلہ تعالیٰ عالم دین چلے آرہے ہیں ہمارے خاندان کے ایک بزرگ عالم دین قاضی برہان الدین حطاروی چکوالی کے شاگردوں میں عظیم المرتبت سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں میں نے اپنے آباء واجداد کے ایک ترمذی کے قلمی نسخہ کو دیکھا جس میں رفع یدین کے چھوڑنے والی حدیث پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے "باب من لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ" باب اس بیان میں کہ سوائے اول مرتبہ کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے گئے ۔

افسوس کہ پہلے بھی آباء واجداد کی یادگار پرانی کتب بہت کم راقم کے ہاتھ آئیں لیکن وہ بھی چند ماہ قبل دیمک نے برباد کر دیں پتہ اس وقت چلا جب پانی سر سے گذر گیا تھا بڑا قیمتی سرمایہ ضائع ہو گیا اصل مسئلہ کی طرف پھر سے

توجہ کریں خصوصاً نسائی میں عنوانات کی اتنی پیاری ترتیب رکھی گئی جس سے معمولی علم رکھنے والا بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ہاں واقعی رفع یدین کا حکم منسوخ ہے نسائی کے عنوانات کی ترتیب "باب رفع الیدین عند الوفع من الرکوع" رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر۔ اس کے بعد ذکر کیا "باب رفع الیدین حذوفروع الاذنین عند الرفع من الرکوع" رکوع سے سر اٹھاتے وقت کانوں کے اوپر حصہ تک ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر۔ اس کے بعد "باب رفع الیدین حذوالمنکبین عند الرفع من الرکوع" رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے کے بیان میں (خیال رہے کہ کانوں تک اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کوئی بھی منسوخ نہیں پہلے ذکر ہو چکا ہے) پھر ذکر کیا ہے الرخصۃ فی ترك ذلك رفع یدین کو چھوڑنے کی رخصت کا بیان۔ یہاں سے بھی واضح ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔

اسی طرح نسائی میں سجود کے وقت رفع یدین کا عنوان ان الفاظ سے قائم کیا گیا ہے باب رفع الیدین للسجود سجدہ کے لئے رفع یدین کے بیان میں اس کے بعد عنوان قائم کیا ترك رفع الیدین للسجود سجدہ میں رفع یدین کو چھوڑنے کے بیان میں۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ سجدہ کے وقت رفع یدین منسوخ ہے۔

پھر یہ ذکر کیا باب رفع الیدین عند الرفع من السجدۃ الاولی پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہو رفع یدین کا بیان پھر بیان کیا ترك ذلك بین السجدتین دو سجدہ کے درمیان رفع یدین کے چھوڑنے کے بیان میں نسائی کی

عجیب شاندار ترتیب کو دیکھ کر بھی کسی کو رفع یدین کا منسوخ ہونا نہ سمجھ آئے تو اسے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمائے کہ اسے سمجھ آجائے ۔

جامع المسانید سے رفع یدین کی ممانعت پر احادیث :

" ابو حنیفة عن طلحة بن مصرف الیامی عن ابراهیم انه قال لا ترفع الایدی الافی سبعة مواطن "

(جامع المسانید اول ص ۳۵۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے طلحہ بن مصرف الیامی سے انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے روایت بیان کی کہ سوائے سات مقاموں کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں ۔

تفصیل پہلے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایات میں گذر گئی ۔ نماز میں سات مقاموں سے تین ہی ہیں ایک تکبیر تحریمہ کے وقت دوسرا قنوت کے وقت تیسرا عیدین کی تکبیرات کے وقت ۔

" ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم انه قال لا ترفع الایدی فی شئ من صلوتك بعد المرة الاولی اخرجه الامام محمد بن الحسن فی الآثار فرواه عن ابی حنیفة ثم قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة رضی اللہ عنه "

(جامع المسانید ج اول ص ۳۵۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ تم اپنی نماز میں سوائے پہلی مرتبہ کے یعنی سوائے تکبیر تحریمہ کہیں اور ہاتھ نہ اٹھانا ۔ اسی روایت کو امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ

نے آثار میں تخریج کیا اور کہا کہ یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہے اس کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں ۔

تنبیہ : ان روایات میں صرف دو دو واسطے ہیں۔ ان میں کوئی راوی ضعیف نہیں ۔

امام محمد رحمہ اللہ (مؤطا امام محمد) سے رفع یدین کی ممانعت :

(باب افتتاح الصلوة)

" فاما رفع اليدين فى الصلوة فانه يرفع اليدين حذو الاذنين فى ابتداء الصلوة مرة واحدة ثم لا يرفع فى شئ من الصلوة بعد ذلك وهذا كله قول ابى حنيفة رحمه الله وفى ذلك آثار كثيرة "

نماز میں رفع یدین کا حکم بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہاتھ نماز کی ابتداء میں صرف ایک مرتبہ کانوں کے برابر اٹھائے جائیں اس کے بعد نماز میں کہیں بھی ہاتھ نہ اٹھائے جائیں یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور اس میں بہت سی احادیث موجود ہیں ۔

" قال محمد اخبرنا محمد ابن ابان بن صالح عن حماد عن ابراهيم النخعى قال لا ترفع يديك فى شئ من الصلوة بعد تكبيرة الاولى "

امام محمد نے فرمایا ہمیں محمد بن ابان بن صالح نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم نخعی سے احادیث بیان کی کہ انہوں نے کہا تم اپنی نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

" قال محمد اخبرنا محمد ابن ابان بن صالح عن عاصم بن

كليب الجرمي عن ابيه قال رأيت على ابن ابى طالب رفع يديه في التكبيرة الاولى من الصلوة المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك "

(هو اثره صحيح اختلف في رفعه ووقفه اوجز المسالك)

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہمیں محمد بن لبان بن صالح نے عاصم بن کلیب جرمی سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرض نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر کہیں نہیں اٹھائے اس کی سند صحیح ہے صرف اس کے مرفوع ہونے یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے ۔

" قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اذنيه في اول تكبيرة افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك "

(قال النيموى تبعا لابن التركمانى اسناده صحيح اوجز المسالك)

عبدالعزیز بن حکیم کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نے نماز کے شروع میں پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اس کے بعد کہیں نہیں ہاتھوں کو اٹھایا ۔

" قال محمد اخبرنا الثورى حدثنا حصين عن ابراهيم عن ابن مسعود انه كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة "

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کو جب شروع کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔(اس کی سند صحیح ہے)۔

مقام توجہ :

حضرت امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب واضح طور پر سمجھ آگیا کہ آپ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کے قائل نہیں تھے امید ہے کہ اب محمد صادق سیالکوٹی مصنف صلوۃ الرسول غیر مقلدوں کے علامہ صاحب کے دھوکہ میں لوگ نہیں آئیں گے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے موطاً میں "ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں" کی زیر بحث وہ حدیث نقل کی ہے جس میں رفع یدین کا ذکر ہے تو علامہ صاحب نے لوگوں کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بھی رفع یدین کی حدیث کو نقل کر رہے ہیں اس طرح تو راقم نے رفع یدین کے متعلق کئی حدیثیں نقل کی ہیں کیا اس سے کسی کا مذہب ثابت ہو جاتا ہے۔

بخاری کی حدیث جس میں رفع یدین کا ذکر نہیں :

" عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبی ﷺ فذکرنا صلوة النبی ﷺ فقال ابو حمید الساعدی انا کنت احفظکم لصلوة رسول الله ﷺ رأیته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه واذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ثم هصر ظهره فاذآ رفع رأسه استوی حتی یعود کل فقار مکانه واذآ سجد وضع یدیه غیر مفترش ولاقابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته "

(بخاری ج اول باب سنة الجلوس فی التشهد)

محمد بن عمر بن عطاء کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ہم نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم تمام سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں کیونکہ مجھے زیادہ یاد ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے تکبیر کہی اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کیا جب آپ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا پھر اپنی پیٹھ کو برابر کیا پھر آپ نے سر اٹھایا سیدھے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار پکڑ گیا پھر آپ نے سجدہ کیا آپ نے ہاتھوں کو رکھا نہ ہاتھوں کو بچھایا نہ پکڑا اپنے پاؤں کی انگلیوں کی طرفوں کو قبلہ کی طرف کیا اور جب آپ دو رکعتوں پر بیٹھے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کیا اور اپنی مقعد پر بیٹھے۔ (یعنی مقعد کو بائیں پاؤں پر رکھا) ۔

اس حدیث پاک میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا صرف شروع میں رفع یدین کو ذکر کیا بعد میں کوئی رفع یدین کا ذکر نہیں ۔اس حدیث میں جب رفع یدین کا ذکر نہیں تو پتہ چلتا ہے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے ۔ اگر رفع یدین ہوتا تو صحابی رسول اللہ ﷺ ضرور ذکر کرتے جبکہ وہ ذکر ہی نبی کریم ﷺ کی نماز کا کر رہے تھے کیا انہوں نے ادھورا ذکر کر کے کہہ دیا کہ حضور اس طرح نماز پڑھتے تھے ؟ نہیں بلکہ مکمل نماز کا ذکر کیا ۔

اعتراض : اس حدیث کو تو علامہ بخاری علیہ الرحمۃ نے جس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اس کا مطلب ہے تشہد میں بیٹھنا سنت ہے اس سے رفع یدین کی نفی کس طرح ثابت ہے ۔

جواب: یہ دلیل ہی باطل ہے کہ عنوان کے بغیر کوئی اور مسئلہ ہی ثابت نہ ہو جب حدیث پاک میں پہلی مرتبہ تکبیر میں رفع یدین کا ذکر ہے رکوع میں رفع یدین کا ذکر نہیں تو یقیناً حدیث صرف تشہد میں بیٹھنے کے مسئلہ کو ثابت نہیں کررہی بلکہ رفع یدین کی بھی نفی ثابت ہو رہی ہے میرے خیال میں حدیث پاک پڑھنے والا عام طالب علم بھی یہ سمجھتا ہوگا کہ حدیث پاک میں بعض اوقات کئی مسائل ثابت ہو رہے ہوتے ہیں لیکن عنوان کسی ایک مسئلہ کے مطابق ہوتا ہے

مسند ابی یعلی سے احادیث رفع یدین کی نفی پر :

" حدثنا اسحٰق نا وكيع حدثنا ابن ابی ليلی عن الحكم وعيسیٰ عن عبد الرحمن بن ابی ليلی عن البراء ان النبی ﷺ كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه ثم لايرفع حتی ينصرف "

(مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۲۴۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر آپ اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔

" حدثنا اسحق حدثنا هيشم عن يزيد بن ابی زيادِ عن عبد الرحمن بن ابی ليلیٰ عن البراء قال رأيت رسول الله ﷺ حين افتتح الصلوة كبر ورفع يديه حتی كادتا تحاذيان اذنيه ثم لم يعد "

(مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۲۴۸)

حضرت براء کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع کیا تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو دوبارہ نہیں اٹھایا۔

" حدثنا اسحق حدثنا ابن ادريس قال سمعت يزيد بن ابی زياد عن ابی ليلی عن البراء قال رأيت رسول الله ﷺ رفع يديه حين استقبل الصلوة حتی رأيت ابهاميه قريبا من اذنيه ثم لم يرفعهما " (مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۲۴۹)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کانوں کے قریب کئے پھر آپ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے ۔

ان احادیث سے بھی واضح ہوا کہ حضور ﷺ نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا

مسند امام احمد سے احادیث رفع یدین کی نفی پر :

" حدثنا احمد بن علی بن العلاء ثنا ابو الاشعث ثنا محمد بن بكر ثناشعبة عن يزيد بن ابی زياد قال سمعت ابن ابی ليلی يقول سمعت البراء فی هذا المجلس يحدث قوما منهم كعب بن عجرة قال رأيت رسول الله ﷺ حين افتتح الصلوة يرفع يديه فی اول تكبيرة " (مسند احمد ج ٤ ص ۳۰۳)

ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میں نے براء سے اس مجلس میں سنا جو ایک قوم کو حدیث بیان کر رہے تھے جن میں کعب بن عجرہ بھی تھے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا ۔

" عن محارب بن دثار قال رأيت ابن عمر يرفع يديه كلما ركع وكلما رفع رأسه من الركوع قال فقلت له ما هذا قال

کان النبی ﷺ اذا قام فی الرکعتین کبر ورفع یدیه "

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۶)

محارب بن دثار نے فرمایا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کر رہے تھے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہے تھے میں نے کہا یہ کیا ہے؟ آپ نے کہا نبی کریم ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کے منسوخ ہونے کے بعد لاعلمی سے رفع یدین کر رہے تھے اسی لئے تعجب سے محارب بن دثار رحمہ اللہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ یعنی تم رفع یدین کیوں کر رہے ہو اگر رفع یدین منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو سوال کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

اعتراض : اس حدیث سے تو یہ سمجھ آرہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کرتے تھے اور اسے مانتے تھے آپ کو چھوڑنے یا منسوخ ہونے کا تو کوئی ذکر نہیں۔

جواب : یہ بات قابل تسلیم ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کے منسوخ ہونے کا کچھ دیر علم نہ ہو سکا لیکن جب علم ہوا آپ نے چھوڑ دیا اگرچہ میں دو حدیثوں کو پہلے ذکر کر چکا ہوں لیکن پھر توجہ فرمائیں۔

" عن عبد العزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر یرفع یدیه هذا حذاء اذنیه فی اول تکبیرة افتتاح الصلوة ولم یرفعهما فیما سوی ذلک "

(موطا امام محمد باب افتتاح الصلوۃ)

عبدالعزیز بن حکیم رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نماز کے شروع میں پہلی تکبیر افتتاح میں ہاتھ اٹھارہے تھے اور بعد میں سوائے پہلی تکبیر آپ نے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" عن مجاهد قال ما رأيت ابن عمر يرفع يديه الا فی اول ما يفتتح "

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

" عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فی التكبيرة الاولى "

(طحاوی ج اول ۱۵۵)

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے اپنے ہاتھوں کو کہیں نہیں اٹھایا سوائے پہلی تکبیر کے۔

میرے موقف کی تائید ان الفاظ سے پائی جاتی ہے :

" مجاهد وعبد العزيز توافقا علی روايتهما ان ابن عمر ترك الرفع وافقهما عطية العوفی "

(اوجز المسالك ج اول ص ۲۰۷)

مجاہد اور عبدالعزیز نے اپنی اپنی روایت کے مطابق اس پر اتفاق کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا پھر ان دونوں کے ساتھ عطیہ عوفی نے بھی اتفاق کیا۔

دار قطنی سے احادیث :

ایک روایت تو میں نے مسند امام احمد سے بروایت احمد بن علی الخ بیان کی وہ دار قطنی جلد اول ص ۲۹۳ میں موجود ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے اسے ذکر نہیں کر رہا۔

" حدثنا یحی بن محمد بن صاعد نا محمد بن سلیمان ثنا اسمعیل بن زکریا ثنا یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء انه رأی رسول الله ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیه حتی حاذی بهما اذنیه ثم لم یعد الی شئ من ذلک حتی فرغ من صلوته "

(دار قطنی ج اول ص ۲۹۳)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے نماز کے فارغ ہونے تک اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

" حدثنا ابو بکر احمد بن محمد بن اسمعیل نا عبد الله بن ایوب المخرمی نا علی بن عاصم نا محمد بن ابی لیلی عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال رأیت رسول الله ﷺ حین قام الی الصلوة فکبر ورفع یدیه حتی ساوی بهما اذنیه ثم لم یعد "

(دار قطنی ج اول ص ۲۹٤)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا

جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے ۔

" عن عبد الرحيم بن سليمان عن ابی بكر النهشلی عن عاصم بن كليب عن ابيه عن علی عن النبی ﷺ انه كان يرفع يديه فی اول الصلوة ثم لا يعود "

(دار قطنی ج ٤ ص ١٠٦)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے ۔

مصنف عبد الرزاق سے احادیث :

" عن ابراهيم عن ابن مسعود كان يرفع يديه فی اول شیء ثم لا يرفع بعد "

(مصنف عبد الرزاق ج ٢ ص ٧١)

ابراہیم (نخعی) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف نماز کے اول میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے ۔

" عبد الرزاق عن ابن عيينه عن يزيد عن عبد الرحمن بن ابی ليلیٰ عن البراء بن عازب مثله وزاد قال مرة واحدة ثم لا تعد لرفعها فی تلك الصلوة "

(مصنف عبد الرزاق ج ٢ ص ٧١)

ابن ابی لیلیٰ نے کہا حضرت براء بن عازب سے بھی اسی قسم کی

روایت آتی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر نماز میں کہیں ہاتھوں کے اٹھانے کا اعادہ نہیں کیا۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان کو جمع کر کے نماز کا طریقہ بتانا :

" عن عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعرى جمع قومه فقال يامعشر الاشعريين اجتمعوا واجمعوا نسائكم وابنائكم اعلمكم صلوة النبى ﷺ صلى لنا بالمدينة فاجتمعوا وجمعوا نسائهم وابناهم فتوضأ واراهم كيف يتوضأ فاحصى الوضوء الى اماكنه حتى لما ان فاء الفئ وانكسر الظل قام فاذن فصف الرجال فى ادنى الصف وصف الولدان خلفهم وصف النساء خلف الولدان ثم اقام الصلوة فتقدم فرفع يديه فكبر فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة فسرهما ثم كبر فركع فقال سبحان الله وبحمده ثلاث مرار ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر وخرساجدا ثم كبر فانهض قائما فكان تكبيره فى اول ركعة ست تكبيرات وكبر حين قام الى الركعة الثانية فلما قضى صلوته اقبل الى قومه بوجهه فقال احفظوا تكبيرى وتعلموا ركوعى وسجودى فانها صلوة رسول الله ﷺ التى كان يصلى لنا كذا الساعة من النهار ...... الخ "

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

عبد الرحمٰن بن غنم کہتے ہیں کہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کیا کہا اے اشعری قبیلہ کے لوگو ایک جگہ جمع ہو جاؤ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی کریم

ﷺ کی نماز کا طریقہ سکھادوں (راوی کہتے ہیں) آپ نے ہمیں مدینہ (طیبہ) میں نماز پڑھائی لوگ جمع ہوگئے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی لوگوں نے جمع کر لیا تھا تو انہوں نے وضوء کیا لوگوں کو دکھایا کہ وضوء کیسے کیا جاتا ہے وضوء کے تمام اندام انہیں بتائے یہاں تک کہ سایہ ڈھل گیا یعنی ظہر کا وقت ہو گیا آپ کھڑے ہوئے اذان کہی، پہلے مردوں کی صف بنوائی، پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی پھر ان کے پیچھے عورتوں کی، پھر نماز کے لئے اقامت کہی گئی پھر آپ آگے بڑھے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اللہ اکبر کہا پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک ایک اور سورۃ آہستہ آواز میں پڑھی پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع کیا پھر کہا سبحان اللہ وبحمدہ تین مرتبہ پھر سمع اللہ لمن حمدہ پڑھا پھر سیدھے کھڑے ہوگئے پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ میں چلے گئے پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھے (دونوں سجدوں میں ایسے ہی کیا) پھر آپ کھڑے ہونے کے لئے اٹھے، آپ کی پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوگئیں (سب سے پہلی تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے کے لئے، سجدہ میں جانے کے لئے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے، پھر سجدہ میں جاتے ہوئے، پھر سجدہ سے اٹھتے ہوئے) آپ نے دوسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے کے لئے تکبیر کہی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا میرے تکبیر کہنے (یعنی تکبیر کے مقامات) کو یاد کرلو میرے رکوع اور میرے سجدہ کا علم حاصل کرلو بیشک رسول اللہ ﷺ کی نماز یہی تھی جو آپ نے ہمیں دن کے اسوقت اسی طرح پڑھائی۔

ذرا غور تو کریں !

انصاف سے حدیث پاک کی طرف توجہ کی جائے ضد وعناد کی عینک کو اتار دیا جائے تو یقینی طور پر یہ بات سمجھ آئے گی کہ جب ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی نماز کا طریقہ بتایا اور کہا یہی نماز نبی کریم ﷺ کی ہے۔ اس میں رفع یدین نہ کرنا واضح طور پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا، ورنہ اس کو بھی بیان کیا جاتا۔ رفع یدین کر کے بتایا جاتا، جب رفع یدین نہیں کیا تو سمجھ آگیا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔

اعتراض : رفع یدین کی احادیث کو ہم منسوخ نہیں مانتے بلکہ ایک حدیث سے نبی کریم ﷺ کا تا حیات رفع یدین کرنا ثابت ہے۔ آئیے ہم اپنے دعویٰ پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں :

" عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتح الصلوۃ رفع یدین و اذا رکع و اذا رفع راسہ من الرکوع و کان لا یفعل ذلک فی السجود فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ "

(بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور سجدہ میں ایسا نہیں کرتے تھے آپ کی نماز ہمیشہ اسی حال میں رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی دنیا سے تشریف لے گئے)۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین اپنی ساری زندگی کیا جب ساری زندگی رفع یدین کیا تو منسوخ ہونے کا دعوی کیسے کیا جاسکتا ہے۔

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم جب کوئی حدیث پیش کریں تو اس کے جواب میں تم یہ کہتے ہو کہ حدیث صرف صحاح ستہ سے دکھائیں کونسا وہ صحیفہ آسمانی ہے جس نے صحاح ستہ میں صحیح حدیثوں کے بند ہونے کا حکم دیا ہے۔ لیکن افسوس یہ کہ جب تمہیں اپنا دعوی ثابت کرنے میں مشکل در پیش آئے تو کبھی اسماء الرجال کی کتابوں کا سہارا لیتے ہو وہ بھی صرف وہاں تک جہاں تک تم اپنی بات پر ثبوت پیش کر سکو اور کبھی بیہقی کی حدیث کا سہارا لیتے نظر آتے ہو۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ کس منہ سے یہ حدیث پیش کر رہے ہو ؟ کیا آپ کا یہ حدیث پیش کرنا تمہارے اپنے دعویٰ کے مطابق ہے ؟

دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہاری طرح ضدی نہیں ہم یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ صحاح ستہ سے ہی حدیث پیش کرو ہم صرف عالمانہ گفتگو کریں گے یہ کہیں گے کہ آپ نے بیہقی سے حدیث پیش کی بیہقی کی ہر حدیث پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہم ہر حدیث کو بلاچون وچرا مان لیں گے۔ ہم صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حدیث صحیح یا حسن پیش کرو ضعیف نہ پیش کرو۔ ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے، موضوع حدیث نہ پیش کرو ۔ موضوع حدیث دراصل حدیث ہی نہیں ہوتی وہ صرف من گھڑت قول ہوتا ہے ۔

اب ذرا اپنی پیش کردہ حدیث کا حال دیکھیں!

" وهو حديث ضعيف بل موضوع "

(آثار سنن ص ۲۰۱)

یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

حدیث کی وجہ ضعف کیا ہے ؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اس حدیث کی سند کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے ایک سند یہ ہے :

" عن الحسن بن عبد الله حمدان الرقى ثنا عصمته بن محمد الانصارى ثنا موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر "

آگے بیان کیا گیا :

" ورواه عن ابى عبد الله الحافظ عن جعفر عن محمد بن نصر عن عبد الرحمن ابن قريش بن خزيمة الهروى عن عبد الله بن احمد الامجى عن الحسن ....الخ "

یعنی حقیقت میں ایک ہی سند ہے کہ ابتداء ابو عبد اللہ حافظ سے ہو رہی ہے اور انتہاء حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ہو رہی ہے

اس سند میں ایک راوی ہے عبد الرحمٰن بن قریش اس کے متعلق ذہبی نے میزان میں ذکر کیا ہے :

" عبد الرحمن بن قريش بن خزيمة هروى سكن بغداد اتهمه السليمانى بوضع الحديث "

عبد الرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہروی بغداد میں رہا ہے اس کو سلیمانی نے موضوع حدیث بیان کرنے کی تہمت لگائی۔

ایک اور راوی ہے عصمہ بن محمد انصاری اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے" لیس بقوی" یہ راوی قوی نہیں ۔ یحیٰی (بن معین) نے کہا ہے" کذاب یضع الحدیث" یہ شخص جھوٹا ہے۔ موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے۔ عقیلی نے کہا"یحدث بالبواطیل عن الثقات "باطل حدیثیں بیان کرتا ہے اور ان کو منسوب ثقہ راویوں کی طرف کرتا ہے۔ دار قطنی نے اور اسی طرح کچھ حضرات نے کہا" متروك "وہ راوی متروک (چھوڑا ہوا ، غیر معتبر) ہے ۔

اب آپ خود ہی انصاف سے بتائیں جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو کیا وہ دلیل بنانے کے قابل ہے ؟ نہیں ایسی حدیث سے کبھی احکام ثابت نہیں ہوتے ۔

اعتراض : اس طرف تو تم ایک راوی" عاصم بن کلیب" سے روایت کرتے ہو وہ بھی ضعیف راوی ہے پھر تم اس کی روایت کو اپنے مدعی پر کیسے دلیل بناتے ہو ۔

جواب : زبان سے ضعیف کہہ دینا تو کافی نہیں آیئے ذرا جائزہ تو لیں کیا واقعی ایسی بات ہی ہے جو تم نے بیان کی یا کہ وہ قوی ثقہ راوی ہے ؟

" عاصم بن کلیب هو عاصم بن کلیب الجرمی الکوفی سمع اباه وغیره ومنه الثوری وشعبة حدیثه فی الصلوة والحج والجهاد "

(اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوة)

عاصم بن کلیب جرمی کوفی تابعی ہیں جنہوں نے احادیث اپنے باپ اور کچھ حضرات سے سنیں ان سے حضرت ثوری اور شعبہ

رحمہما اللہ نے نماز حج اور جہاد میں احادیث روایت کی ہیں ۔

صاحب مشکوٰۃ کا ضعیف نہ کہنا تابعین میں ذکر کرنا ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ کا ان سے روایت کرنا ہی ان کے قوی ہونے پر دلالت کر رہا ہے ۔

سفیان ثوری کے متعلق تقریب التہذیب کے ص ۱۲۸ میں یہ الفاظ مذکور ہیں : ثقہ ، حافظ ، فقیہ ، عابد ، امام ، حجۃ ۔

" عاصم بن كليب بن شهاب مجنون الجرمي صدوق وثقة هكذا قال يحي بن معين والنسائي روى له مسلم واصحاب السنن الاربعة وعلق له البخاري "

(تذکرۃ القاری)

عاصم بن کلیب سچے اور ثقہ راوی ہیں یحیٰی بن معین اور نسائی نے کہا مسلم نے بھی ان کی روایت کو بیان کیا ہے اور سنن اربعہ میں ان کی روایات مذکور ہیں ، بخاری نے بھی ان سے تعلیقاً روایت ذکر کی ہے ۔ جو بخاری کی ج ۲ ص ۸۶۸ میں موجود ہے اور اسے اصح کہا ہے مسلم نے بھی ان کی حدیثوں کو ذکر کیا ہے مسلم ج ۲ ص ۱۹۷ ، ج ۲ ص ۳۵۰ ، ج ۲ ص ۳۱۴ میں یہ احادیث مذکور ہیں ۔

واضح ہوا کہ عاصم بن کلیب علیہ الرحمۃ کو ضعیف کہہ کر رفع یدین کی نفی والی احادیث سے جان چھڑانے کی ناکام کوشش ہے ، ورنہ ان کا ثقہ اور قوی ہونا معتبر محدثین کے نزدیک ثابت ہے ۔

کسی فقیہ نے رفع یدین نہیں کیا :

" عن ابی بکر عیاش قال ما رأیت فقیہا قط یفعلہ یعنی یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی "

(طحاوی)

ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کسی فقیہ کو سوائے پہلی تکبیر کے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بالکل نہیں دیکھا۔

اعتراض : ابو بکر بن عیاش کی روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا وہ بیان کرتے ہیں ابو بکر بن عیاش ساء حفظہ بآخرہ ابو بکر عیاش کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

(فتح الباری ج اول ص ۲۵۷)

لہذا تمہاری یہ روایت ضعیف ہو گی بلکہ جو تم پہلے روایت ذکر کی ہے مجاہد سے اس میں بھی ابو بکر بن عیاش ہیں وہ بھی ضعیف ہے تمہارا یہ کہنا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا، ثابت نہیں ہو سکے گا۔

جواب :

" وابوبکر بن عیاش ھذا من روایۃ البخاری ومن مشائخ الثوری وابن المبارک واحمد بن حنبل وغیرھم قال ابن المبارک مارأیت احدا اسرع الی السنۃ من ابی بکر بن عیاش "

(اوجز المسالک ج اول ص ۲۰۷)

ابو بکر بن عیاش سے بخاری نے روایات بیان کی ہیں (اور مسلم نے بھی) اور یہ سفیان ثوری، ابن مبارک اور احمد بن حنبل وغیرہ کے شیخ تھے ابن مبارک نے کہا میں سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی ایک کو

ابو بکر بن عیاش سے زیادہ جلدی کرنے والا نہیں پایا ۔

علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ "آخر عمر میں ان کا حافظہ کم ہو گیا تھا" دلالت کر رہا ہے کہ ان کی پہلی تمام روایات معتبر ہیں اسی لئے بخاری اور مسلم نے ان سے روایات کو ذکر کیا ہے ۔

اگر یہ دونوں روایات کو کوئی ضعیف کرنے کی کوشش کرے گا تو اس پر لازم ہو گا کہ وہ تاریخ بیان کرے کہ یہ روایات ان کی حافظہ کی کمی کے زمانہ کی ہیں۔ جب یہ کوئی نہیں بیان کر سکتا تو صرف رفع یدین ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور راویوں کو من گھڑت طور پر ضعیف ثابت کرنے کا کیا فائدہ ہے ؟

عشرۂ مبشرہ نے رفع یدین نہیں کیا :

" وفی البدائع روی عن ابن عباس انه قال العشرة الذین شهدلهم رسول الله ﷺ بالجنة ما کانوا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوة "

(عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۲۷۲)

بدائع صنائع میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کو ذکر کیا گیا ہے کہ بیشک وہ دس صحابہ کرام جن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی وہ اپنے ہاتھوں کو سوائے پہلی تکبیر کے نہیں اٹھاتے تھے ۔

عشرہ مبشرہ کے اسماء گرامی :

وہ دس صحابہ کرام جن میں سے ایک ایک کا نام لے کر نبی کریم ﷺ

نے ان کو جنتی کہا وہ جلیل القدر، خوش قسمت جنت کی خوشخبری حاصل کرنے والے یہ حضرات ہیں :

☆ حضرت ابوبکر صدیق ☆ حضرت عمر فاروق
☆ حضرت عثمان غنی ☆ حضرت علی مرتضٰی
☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ☆ حضرت زبیر بن العوام
☆ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ☆ حضرت سعد بن ابی وقاص
☆ حضرت سعید بن زید
☆ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم

(ترمذی ابن ماجہ مشکوۃ باب مناقب العشرۃ)

اعتراض : علامہ فیروز آبادی نے کہا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے تاحیات رفع یدین ثابت ہے جب عشرہ مبشرہ رسول اللہ ﷺ کا رفع یدین بیان کر رہے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو۔

جواب : علامہ ہاشم سندھی نے اپنے رسالہ "کشف الرین" میں ذکر کیا ہے کہ جو علامہ فیروز آبادی نے سفر السعادۃ میں ذکر کیا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر رفع یدین کرتے رہے یہ غلط ہے (سراسر جھوٹ، دھوکہ دینے کے مترادف ہے) کیونکہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی اس قسم کی روایت ثابت نہیں تمام دس سے ثابت ہونا تو در کنار اگر کوئی روایت عشرہ مبشرہ سے ہے تو اسے آج تک سامنے کیوں نہیں لایا گیا۔

ہاں یہ خیال رہے کہ بیہقی میں ایک روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جس کو پہلے ذکر کر کے اس کا رد کیا جا چکا ہے ۔

غیر مقلدین کی ٹیڑھی سوچ کا اندازہ تو کریں کبھی یہ کہنا ہم تو صرف صحاح ستہ سے حدیث مانیں گے اور کبھی اپنے دلائل میں فیروز آبادی کی سفر السعادۃ کو پیش کرنا ، قارئین کرام خدارا انصاف تو کریں کیا یہی علم ہے ؟ کیا یہی عقل و دانش ہے ؟

علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر علامہ بدر الدین عینی ملا علی قاری جیسے جلیل القدر علماء کے اقوال کو بغیر تحقیق کے چشم زدن میں رد کر دینا لیکن اپنے مطلب کی بات اپنے علامہ کی تسلیم کر لینا بلکہ دوسروں کو بھی منوانے کی کوشش کرنا یہ جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔

اسی کے ضمن میں علامہ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کے سفر السعادۃ سے ایک اور نقل کردہ عبارت کا حال بھی دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ مبالغہ کہاں تک کیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا ۔

" کثرت ایں معنی به تواتر مانده است و چهار صد اثر و خبر دریں باب صحیح شده "

(صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۵ ، سفر السعادۃ)

کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں ۔

دو روایتوں کو چار سو بنانا یہ صرف تمہاری ہی شان ہو سکتی ہے اگر خدا کا خوف نہ ہوتا ، جھوٹ لعنت نہ ہوتا ، جھوٹ ایمان کی قینچی نہ ہوتا ، جھوٹ

گناہ کبیرہ نہ ہوتا، جھوٹ کو جائز سمجھ کر جھوٹ بولنا کفر نہ ہوتا، تو راقم بھی عربی یا فارسی عبارت سے یہ پیش کر دیتا کہ رفع یدین کی ممانعت میں چار لاکھ حدیثیں آئی ہیں ، صرف زبانی دعوی تو کافی نہیں ذرا وہ چار سو روایات ثابت کر کے تو دکھائیں ؟ تمہاری کتاب کو پڑھنے والے جہلاء تو تمہارے دام فریب میں آسکتے ہیں اہل علم پر دھوکہ کا جال کام نہیں کر سکتا ۔

غیر مقلدین کے عجیب دلائل :

کبھی تو مولوی عبد الحی لکھنوی کے عبارات کو پیش کریں گے ان کی عبارات کو بطور دلیل پیش کرنا کیسے ؟ انہوں نے تحریری طور پر بہت کام کیا ہے محنت کی ہے لیکن وہ کوئی محقق نہیں تھے، پختہ عمر سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے جہاں بھی وہ اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہیں ٹھوکر کھا جاتے ہیں ۔

غیر مقلدین کبھی غنیة الطالبین کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا یہ کتاب کس کی ہے کیا کسی عام عبد القادر نام کی ہے یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پھر یہ بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں آپ کی کتاب ہے وہ بھی کہتے ہیں اصل کتاب نہیں بلکہ اس میں کئی زیادتیاں پائی گئیں اور کہیں عبارات کو کم کر دیا گیا۔ ایسی کتاب جس میں اتنا شدید اختلاف پایا گیا ہے وہ بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ۔

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ کتاب بعینہ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے تو پھر بھی وہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ آپ

حنبلی تھے حنفی نہیں تھے تقویٰ، زہد اور چیز ہے اجتہاد اور چیز ہے آپ مجتہد نہیں تھے بلکہ مقلد تھے اور مقلد بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے۔

غیر مقلدین کبھی فقہ کی کتاب درمختار سے عبارت پیش کرتے ہیں کہ "رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی" لہٰذا معلوم ہوا کہ حنفیوں کی معتبر کتاب سے رفع یدین ثابت ہے۔

سبحان اللہ کیسی دلیل : احناف کی شان کو ہی نہ سمجھا کہ احناف حق کہنے کے قائل ہیں مسئلہ یہ بیان ہوا کہ رفع یدین ہمارے نزدیک ثابت نہیں لیکن اگر کوئی رفع یدین کر ہی لے تو نماز اس کی ٹوٹے گی نہیں کیونکہ ائمہ کا اختلاف ہے ،اس سے رفع یدین کا ثبوت کیسے مل گیا ؟

آخری دلیل (مکدی گل مکادیواں) :

امام اعظم ،امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث سے اپنے مذہب کو قائم کیا ان کو ضعیف کہنا اور ثابت کرنا کسی غیر مقلد سے ثابت ہی نہیں ہو سکتا جن راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے احادیث کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو دلیل مانا ایک راوی کے پیدا ہونے سے پہلے وہ حدیث ضعیف کیسے ہو گئی ؟

وجہ اصل یہ ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں کے مؤلف حدیثوں کو جمع کرنے والے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پیدا ہوئے ان کو حدیثیں زیادہ

واسطوں سے ملی ہیں ان میں کوئی راوی ضعیف بھی ہو تا ہے اگر انصاف کرنا ہو تو اس راوی کا سن پیدائش اور سن وفات دیکھا جائے پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ دیکھا جائے اور اندازہ کیا جائے کہ یہ راوی اس وقت پیدا ہوا تھا یا نہیں اگر پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو اس کی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کیسے ضعیف ہو گئی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور مکالمہ:

" اجتمع الامام ابوحنيفة مع الاوزاعی بمكة فی دار الحناطين فقال الاوزاعی مالكم لا ترفعون ايديكم عند الركوع والرفع منه فقال لاجل انه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شئ ای لم يصح معنى اذ هو معارض والافسناده صحيح فقال الاوزاعی كيف لايصح وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابيه ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وعند الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنيفة حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والاسود عن عبد الله بن مسعود ان النبی ﷺ كان لا يرفع يديه الاعند الافتتاح ثم لايعود فقال الاوزاعی احدثك عن الزهری عن سالم عن ابيه وتقول حدثنی حماد عن ابراهيم فقال ابوحنيفة كان حماد افقه منْ الزهری وكان ابراهيم افقه من سالم وعلقمة ليس بدون ابن عمر فی الفقه وان كان لابن عمر صحبة فله فضل صحبة فالاسود له فضل كثير وعبد الله عبد الله فرجح بفقه الرواة كما رجح الاوزاعی بعلو الاسناد وهو ای الترجيح بالفقه "

(مرقاة ج ۲ ص ۲۵۶)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں مقام دار

الحناطین میں اکٹھے ہو گئے تو اوزاعی نے کہا تم رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیوں نہیں کرتے امام اعظم رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ رفع یدین کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے اس درجہ کا نہیں جو رفع یدین کی نفی والی روایت سے حاصل ہوتا ہے یعنی رفع یدین کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت نہیں اوزاعی نے کہا کس طرح صحیح ثبوت نہیں جبکہ مجھے زہری نے سالم سے اوپر اور سالم نے اپنے باپ ابن عمر سے روایت بیان کی کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ مجھے حماد نے ابراہیم سے اور انہوں نے علقمہ اور اسود سے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اوزاعی نے کہا میں تمہیں حدیث زہری اور سالم کے واسطہ سے ابن عمر سے بیان کر رہا ہوں تم کہہ رہے ہو مجھے حماد نے ابراہیم کے واسطہ سے اور ان کو علقمہ اور اسود کے واسطہ سے عبد اللہ بن مسعود سے حدیث حاصل ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حماد، زہری سے زیادہ فقیہ ہیں ابراہیم نخعی، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہ حضرت ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں اگرچہ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ ابن عمر کو شرف صحابیت حاصل ہے اور اس وجہ سے وہ افضلیت کے مالک ہیں اور اسود بھی بہت بڑی فضیلت کے

مالک ہیں عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ ہی ہیں یعنی ان کا مرتبہ تو بہت ہی بلند وبالا ہے ۔

اوزاعی نے یہ سمجھا تھا کہ میری روایت دو واسطوں سے ہے اور ان کی تین واسطوں سے لہذا میری روایت قوی ہے لیکن امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کی قوت کا دار و مدار واسطوں کے کم ہونے پر نہیں بلکہ راوی کے زیادہ فقیہ ہونے پر ہے۔ جب راوی فقہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہوں۔ بیشک ایک واسطہ بڑھ بھی جائے تو وہ حدیث قوی ہوگی اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ اور اسود رحمہم اللہ سب ہی تابعین میں سے ہیں اس لحاظ پر بھی واسطوں کی زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

رفع یدین میں ائمہ کا اختلاف :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ابھی تک جو مسلک واضح کیا جا چکا ہے کہ آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ وہ بھی رفع یدین کے قائل نہیں تھے :

" وقال مالك لااعرف رفع اليدين فى شئ من تكبير الصلوة لافى خفض ولا فى رفع الا فى افتتاح الصلوة "

(اوجز المسالك ، المدونة الكبرى)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نماز کی تکبیروں میں کہیں بھی رفع یدین ہو رفع یدین نہ نیچے جاتے ہوئے ہے اور نہ اوپر سر اٹھاتے ہوئے ، رفع یدین صرف پہلی تکبیر کے وقت ہے ۔

اہل علم حضرات کی توجہ کے لئے :

انسان اگر معمولی علم بھی رکھتا ہو تو بات اسے سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی کہ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ ہی پہلے ہیں۔ کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعی ہیں۔ جن حضرات نے صحابہ کرام یا تابعین کا زمانہ پایا ان کو رفع یدین کی ممانعت پر صحیح احادیث مل گئیں۔ انہوں نے رفع یدین نہیں کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل ان کے بھی بعد میں ہیں ان تک جب احادیث پہنچیں تو بعض اور راویوں کا بھی اضافہ ہوا جن پر ان کو اعتماد نہیں ہوا تو انہوں نے رفع یدین کا قول کر دیا۔

دراصل یہ اختلاف اساتذہ اور تلامذہ کا ہے۔ دلائل بھی رفع یدین کے ثبوت یا نفی پر ان حضرات کے ہی ہیں یہ بیچارے غیر مقلدین تو تیرہ سو سال بعد میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مقلدین کے دلائل کو اپنی طرف منسوب کرنے لگ گئے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ غیر مقلدین اپنے دلائل میں مقلدین کے محتاج ہیں۔ کاش کہ شوافع اور حنابلہ کی کتب سے ہٹ کر کوئی دلیل تو قائم کر کے دکھائیں۔

احناف کی حق گوئی :

احناف کا مسلک بالکل واضح، روز روشن کی طرح چمکدار ہے، اس میں

کوئی گرد و غبار نہیں کہ رفع یدین منسوخ ہے ، رفع یدین ماننے والے بھی سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کو منسوخ مانتے ہیں تو صرف رکوع میں رفع یدین پر زور کیوں ؟ لیکن پھر بھی احناف یہ کہتے ہیں کہ جب رفع یدین میں اختلاف صحابہ کرام، تابعین کے زمانہ سے آرہا ہے اور ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے تو یہ فروعی اختلاف ہے اعتقادی اختلاف نہیں۔

رفع یدین کرنے سے نماز میں فساد لازم نہیں آتا اور رفع یدین کو ماننے والے واجب تو کیا نسخ کے بعد سنت اور مستحب بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

لیکن پھر بھی اگر کوئی رفع یدین کرے تو اسے صرف رفع یدین کی وجہ سے مورد طعن وتشنیع نہ بنایا جائے حق مذہب کی یہی دلیل ہے کہ وہ آئے دن اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے مذہب کا پرچار نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں ہمارا مذہب حق ہے، لوگوں کو اس کا علم ہے۔

باطل مذہب والے کبھی پیسہ دے کر اپنا بناتے ہیں، کبھی اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے باطل مذہب کو حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکستانی مسلمان خود فیصلہ کریں :

میں پاکستان کے مسلمانوں سے صرف اتنا سوال کرتا ہوں کہ آج سے تیس سال پہلے کیا پاکستان میں مسلمان نہیں تھے ؟ کیا پاکستان میں اہل علم نہیں تھے ؟ جب مسلمان بھی تھے، علماء بھی تھے، دین بھی تھا، تو یہ فتنے کیوں

نہیں تھے ؟اس لئے کہ اس وقت سعودیہ سے غیر مقلدین وہابیوں کو پیسہ نہیں ملتا تھا، اشتہار بازی اور ، فتنہ بازی نہیں تھی، آج غیر ملکی پیسہ نے دینی لوگوں کو لڑانا شروع کردیا ، شدید سیاسی اختلاف بھی غالباً اسی کا ہی حصہ ہیں۔

رفع یدین کا مسئلہ ابھی تک واضح کیا گیا، مقصد کسی کو منوانا نہیں اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے نبی کریم ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا گیا تو میری تحریر سے کوئی اپنے مسلک کو نہیں چھوڑے گا، صرف اپنے اہل سنت وجماعت حنفی بھائیون کو کچھ سمجھ آجائے ان غیر مقلدین سے بچے رہیں تو یہ بھی ایک غنیمت ہے۔

رفع یدین کی بحث کو ختم کرنے کے بعد چند اور چیزوں کے اضافہ کی ضرورت درپیش آئی۔ تو انہیں شامل کیا جارہا ہے۔

علامہ صادق سیالکوٹی کی ایک دلیل کا جواب :

وہ رفع یدین کی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ایک علمی نقطہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے " کان یصلی "جو استمرار کے لئے آتا ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور ہمیشہ کرتے تھے " کان یرفع " کے الفاظ میں بھی استمرار یعنی ہمیشگی پائی جاتی ہے کہ حضور ساری عمر رفع الیدین کرتے رہے۔ "زاد المعاد اور تلخیص میں ہے "فما زالت تلک صلوته حتی لقی الله تعالیٰ" کہ حضور تادفات رفع الیدین کرتے رہے۔

(صلوۃ الرسول ص ۲۴۱)

آیئے علامہ صاحب کے علمی کمال کو دیکھئے، آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کان جب مضارع پر داخل ہو تو ماضی استمراری بن جاتا ہے۔ ماضی استمراری زمانہ ماضی میں کسی کام کے جاری رکھنے پر دلالت کرتی ہے، دوام پر نہیں۔ جیسے میں کہوں " کنت اتعلم " میں تعلیم حاصل کر تا رہا۔ میں طالب علم رہا، کیا اس کا یہ معنی ہے کہ میں عمر بھر دینی مدارس میں متعلم ہی رہا، جب کہ تعلیم بحیثیت متعلم ہونے کے آٹھ سالوں پر مشتمل ہے۔

علامہ صاحب کے متعلق میں کہوں " کان یصنف صلوۃ الرسول " وہ اپنی کتاب صلوۃ الرسول تصنیف کرتے رہے۔ کیا اس کا یہ معنی ہے کہ وہ عمر بھر یہی کرتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کی نماز کا بھی یہی مقصد ہے کہ آپ اس طرح نماز پڑھتے رہے۔ آپ نماز میں ہاتھ اٹھاتے رہے۔ عمر بھر کی قید جناب کی اپنی ہے۔ کوئی صاحب علم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔

خصوصاً اگر ماضی استمراری کے متعلق یہ قانون ذہن میں ہو کہ ماضی استمراری کا ترجمہ کرتے وقت "تا تھا" یا "رہا تھا" آتا ہے تو خود ہی واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ ایسا کرتے تھے، کرتے رہے تھے۔ جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اعتراض : رفع یدین تو صرف اہل کوفہ میں سے چند لوگ نہیں کرتے رہے، اہل مدینہ نبی کریم ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتے تھے ان کا قول ہی معتبر ہو سکتا۔

جواب : یہ کہنا کہ رفع یدین صرف اہل کوفہ میں چند لوگوں نے نہیں کیا اور باقی سب نے کیا ہے غلط ہے۔ ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس سے واضح ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اہل کوفہ میں جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ جیسا کہ ترمذی کا قول نقل کیا جا چکا ہے پھر سے دیکھ لیں۔

" وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة "

(ترمذی)

رفع یدین کو چھوڑ دینے، رفع یدین نہ کرنے کا قول بہت سے اہل علم کا ہے، وہ اہل علم صحابہ کرام اور تابعین ہیں اور یہی قول حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

یہاں غور سے سمجھیں کہ عطف مغائرت پر دلالت کرتا ہے، پہلے مطلقاً ذکر کیا رفع یدین کو ترک کرنے کا قول بہت سے اہل علم کا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ وہ اہل علم کون لوگ تھے وہ صحابہ کرام تھے، وہ تابعین تھے، وہ امام سفیان ثوری تھے وہ اہل کوفہ تھے، صرف اہل کوفہ کی بات نہیں شائد آپ کو فرق نہ سمجھ آیا ہو۔ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو صرف و نحو کی باریکیوں کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

آیئے اہل مدینہ کا رفع یدین نہ کرنا اپنے ہی امام کی زبانی سنئے، کم از کم علامہ ابن قیم کی بات کو تو مان جایئے۔

" قال ابن القيم من اصول مالك اتباع عمل اهل المدينة وان

خالف الحدیث"

(بدائع الفوائد ج ٤ ص ٣٢)

ابن قیم کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے اگر چہ وہ بظاہر حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بیان ہو چکا ہے کہ وہ رفع یدین کے قائل نہیں تھے تو خود واضح ہو گیا کہ یہی اہل مدینہ کا عمل تھا۔ اب تمہارا یہ کہنا کہ اہل مدینہ کا قول معتبر ہے وہی ہم نے آپ کے امام کی کتاب سے ثابت کر دیا۔ خدارا اب تو مان جایئے۔

☆☆☆☆☆

امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

احناف کا مسلک: نماز میں قرأت کا مسئلہ احناف کے نزدیک یہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص نماز اکیلے پڑھ رہا ہے، یا وہ امام ہے دوسروں کو نماز پڑھا رہا ہے تو اس شخص کے لئے مطلقاً قرأت فرض ہے۔ یعنی فاتحہ پڑھ لی یا علاوہ کوئی سورۃ کہیں سے پڑھ لی یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی کوئی آیہ پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ اگر اور کہیں سے قرأۃ کر لی اور فاتحہ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو واجب چھوڑ دیا ہے، لہذا نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر فاتحہ کو بھول کر چھوڑ دیا تو نماز سجدہ سہو سے درست ہو جائے گی کیونکہ بھول کر واجب کے چھوٹ جانے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ یہی حکم سورۃ کا ہے، فاتحہ پڑھ لی سورۃ نہیں پڑھی جان بوجھ کر تو نماز کو لوٹانا واجب۔ بھول کر نہیں پڑھی تو سجدہ سہو واجب۔

مقتدی کی قرأت کا حکم:

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اسے فاتحہ پڑھنا یا اور کوئی سورۃ پڑھنا منع ہے، امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا سمجھا جائے گا۔

یہ حکم سب نمازوں کا ایک جیسا ہے خواہ امام بلند آواز سے قرآن پاک پڑھ رہا ہو یا آہستہ آواز سے۔

احناف کے دلائل :

اللہ تعالیٰ کا ارشادگرامی ہے :

﴿ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ﴾
(پ۹ اعراف ۲۰٤)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو ۔

"ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراة القرآن فى الصلوة وغيرها"
(مدارک)

آیۂ کریمہ سے ظاہر طور پر یہ واضح ہو رہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کی قرأة سننا اور خاموش رہنا واجب ہے خواہ وہ نمازِ میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر ۔

تنبیہ : نماز کے باہر قرآن پاک سننے کے واجب ہونے میں اختلاف ہے ، بعض نے مستحب قرار دیا ہے ، لیکن نماز میں سننے کے واجب ہونے میں اتفاق ہے

" اختلف العلماء فى وجوب الاستماع والانصات على من هوخارج الصلوة يبلغه صوت من يقرأ القرآن فى الصلوة اوخارجها قال البيضاوى عامة العلماء على استحبابها خارج الصلوة "
(مظهری)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص نماز ادا نہیں کر رہا وہ نماز پڑھانے والے امام سے سنے یا باہر سے کسی سے سنے تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے یا مستحب ، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے

نے فرمایا کہ عام علماء کا یہ قول ہے کہ جو نماز ادا نہیں کر رہا اسے سننا مستحب ہے ۔

" وذكر البغوى عن المقداد انه سمع ناساً يقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفقهوا اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امركم الله قال البغوى وهذا قول الحسن والزهرى والنخعى ان الآية فى القراة فى الصلوة خلف الامام "

(مظهرى)

امام بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ نے نماز سے فارغ ہو کر ان کو کہا کہ ابھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ قرآن کو سمجھو، خاموش رہو اور سنو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، علامہ بغوی نے کہا یہی قول حسن (بصری) زہری اور (ابراہیم) نخعی رحمہم اللہ کا ہے کیونکہ آیت کا تعلق امام کے پیچھے نماز میں قرأت سے ہے یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ۔

" عن يسير بن جابر قال صلى ابن مسعود فسمع ناسا يقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفقهوا اما آن لكم ان تعقلوا واذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امركم الله "

(تفسير طبرى)

یسیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی لوگ امام کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ نے

نماز سے فارغ ہو کر کہا، کیا ابھی تک تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو (قرآن کو) کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

" فقد اخرج عبد بن حميد وابن ابی حاتم و بیهقی عن مجاهد فی سننه عن مجاهد قال قرأ رجل من الانصار خلف رسول اللهﷺ فی الصلوة فنزلت واذا قرئ القرآن الخ واخرج ابن جرير وغيره عن ابن مسعود انه صلی باصحابه فسمع اناسا يقرؤن خلفه فلما انصرف قال اما آن لكن ان تفقهوا اما ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امركم الله تعالیٰ "

(روح المعانی)

سنن حمیدی، سنن ابی حاتم اور سنن بیہقی میں حضرت مجاہد سے روایت کیا گیا کہ انصار میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز میں قرآن پڑھا، تو یہ آیت اتری "واذا قرئ القرآن الخ" جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو آپ نے سنا کہ لوگ میرے پیچھے قرآن پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تمہارے لئے سمجھنے اور عقل رکھنے کا وقت نہیں آیا، جب قرآن پڑھا جائے غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

قرآن پاک کی آیہ مبارکہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی عبارات کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پاک نہ پڑھا جائے بلکہ خاموش ہو کر سنا جائے ۔

صحاح ستہ سے احادیث :

پہلے صحاح ستہ سے ان احادیث کو ذکر کیا جارہا ہے جن سے یہ ثابت ہو رہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے ، بعد میں ان شاء اللہ اور احادیث ذکر ہوں گی جن سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہئے یا مطلقاً قرأت کرنی چاہئے ، ان احادیث کو ذکر کر کے ان شاء اللہ ان کے جوابات ذکر کئے جائیں گے۔

" عن ابی موسی قال علّمنا رسول اللہ ﷺ قال اذا قمتم الی الصلوۃ فلیؤمکم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا "

(مسلم باب التشهد فی الصلوۃ ج اوّل ص ۱۷۴ (مسند ج ٤ ص ٤١٥)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں نبی کریم ﷺ نے (نماز کی) تعلیم دی ، آپ نے فرمایا جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو تم میں سے ایک شخص تمہاری امامت کرے اور جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی خاموش ہو کر سنیں۔

" قال النیموی وھو حدیث صحیح "

(آثار سنن ص ۱۷٤)

علامہ نیموی نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے ۔

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا "

(ابوداؤد کتاب الصلوة ، باب الامام لیصلی من تعود ج اول ص ۸۹ ، نسائی کتاب الافتتاح ، باب تاویل اذا قری القرآن ج اول ص ۱٤٦ ، ابن ماجه ابواب الصلوة ، باب اذا قرأ الامام فانصتوا ، ص ٦١ ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے ، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو ۔

" وهذا حدیث صحیح " (آثار سنن ص ۱۷۵)

یہ حدیث صحیح ہے ، یعنی قابل حجت واستدلال ہے ۔

اعتراض : ان حدیثوں پر دو طرح کا اعتراض کیا گیا ہے ۔ پہلی حدیث پر سند کے لحاظ پر بھی اعتراض ہے کہ اس کے راویوں میں "سلیمان تیمی" ہے جو ضعیف روای ہے ۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ "فاذا قرأ الامام فانصتوا" کے الفاظ غیر محفوظ ہیں کہ ان میں سلیمان تیمی منفرد ہے ۔ لہذا اس حدیث کو صحیح کہنا درست نہیں تو اسے کیسے حجت بنایا گیا ہے ۔ اسی طرح دوسری حدیث میں بھی "واذا قرأ فانصتوا" الفاظ غیر محفوظ ہیں ۔

جواب :

" سلیمان التیمی ثقة حافظ ضابط وقد تابعه غیره "

(شرح آثار سنن ص ۱۷٤)

سلیمان تیمی ثقہ راوی ہیں حافظ ان کا قوی ہے ضبط تام ان کو حاصل

ہے وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس روایت میں ان کے کئی متبعین ہیں تفرد (اکیلے ہونے) کا حکم اس وقت لگایا جاتا ہے جب اس کو اور حضرات روایت نہ کریں۔

منذری نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ مسلم نے یہ الفاظ "واذا قرأ الامام فانصتوا" ذکر کئے ہیں حدیث ابو موسیٰ اشعری میں سلیمان تیمی کی روایت سے، لیکن وہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ اسی وجہ سے ابوداؤد، دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا، پہلے یہ ذکر کر کے کہ فلاں فلاں نے ضعیف کہا، مسلم نے اس حدیث کو کیوں ذکر کیا؟ تو اس کے جواب میں علامہ منذری نے ذکر کیا" ولم یؤثر عند مسلم تفردہ بھا لثقتہ وحفظہ وصححھا من حدیث ابی موسٰی وابی ھریرۃ" مسلم کے نزدیک یہ تفرد حدیث کے ضعیف بنانے میں مؤثر نہیں کیونکہ راوی ثقہ ہیں اور حافظ ان کا کامل ہے، لہذا اسے ضعیف نہیں کہا جا سکتا خصوصا جب کہ اس حدیث کی صحت حدیث ابو موسیٰ اور حدیث ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔

اور تفرد بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ نسائی نے ان کے تابع ابو سعید محمد بن سعد انصاری کو قرار دیا، جس روایت کی سند اور روایت یہ ہے:

"اخبرنا محمد بن عبد اللہ المبارک ثنا محمد بن سعد الانصاری حدثنی محمد بن عجلان عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا ذا قرأ فانصتوا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

گرامی ہے کہ امام بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائی، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہواور جب وہ قرآن پڑھے تو خاموش رہو ۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو مسلم نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا ۔

" رجاله كلهم ثقات وقد صحح حديث ابى هريرة رضی الله عنه عند مسلم صاحب الصحيح حين ساله صاحبه ابوبكر بن اخت ابى النصر بعد ما ساله عن حديث ابى موسى الاشعرى بقوله فحديث ابى هريرة رضی الله عنه فقال هو صحيح يعنى واذا قرأ فانصتوا فقال هو عندى صحيح فقال لم لم تضعه ههنا قال ليس كل شئى عندى صحيح وضعته ههنا "

(شرح آثار سنن ص ۱۷٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ذکر کی ہے اس کے راوی تمام ثقہ ہیں اور اس حدیث کو مسلم نے بھی صحیح قرار دیا ہے جب ان سے ان کے دوست ابو بکر نے حدیث ابو موسیٰ کے متعلق اس طرح سوال کیا کہ حدیث ابوہریرہ میں " واذا قرأ الامام فانصتوا " کے الفاظ صحیح ہیں تو آپ نے کہا میرے نزدیک صحیح ہیں۔ تو آپ کے دوست نے کہا کہ آپ نے اپنی صحیح (صحیح مسلم) میں اس حدیث کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر صحیح حدیث کو میں اپنی کتاب میں ضرور ہی ذکر کروں ۔

یہاں سے دونوں حدیثوں کے متعلق واضح ہو گیا کہ دونوں صحیح ہیں۔

"واذا قرأ الامام فانصتوا"...... جب امام پڑھے خاموش رہو...... کے الفاظ میں سلیمان تیمی منفرد نہیں، بلکہ دوسری حدیث سے پہلی کو اور پہلی سے دوسری کو تائید حاصل ہو رہی ہے۔ جب کہ دوسری حدیث مسلم میں نہ آنے کے باوجود مسلم کے نزدیک صحیح ہے۔ اب دونوں حدیثوں کی سند کو صحیح کہنا درست ہو گیا۔ اور ان پر ضعف کا قول رد ہو گیا۔ لہٰذا ان حدیثوں کو حجت بنانا صحیح ہو گیا۔

" عن سفیان بن عیینه عن الزهری عن ابن اکیمة قال سمعت ابا هریرة یقول صلی النبی ﷺ باصحابه صلوة نظن انها لصبح فقال هل قرأمنكم احد قال رجل انا قال انی اقول مالی انا زع القرآن "

(ابن ماجه کتاب الصلوة باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ٦١)

ابن اکیمہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی مجھے یقین ہے کہ بیشک وہ صبح کی نماز تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھ رہا تھا ایک شخص نے عرض کیا (ہاں یا رسول اللہ) میں پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے ؟

ابھی تک بیان کردہ احادیث سے بہت ہی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے مقتدی کو منع کیا گیا۔

اعتراض : قرآن پاک کی آیت جو تم نے بطور دلیل پیش کی ہے یا احادیث جو تم نے پیش کی ہیں۔ ان سے تو صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ امام جب بلند آواز

سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش ہو کر سنے۔ یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ امام آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو تو پھر بھی مقتدی خاموش رہے۔ کیونکہ غور سے سننے کا حکم بلند آواز سے پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

جواب : اس اعتراض کا جواب دو طریقہ سے دیا جائے گا۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آیۂ کریمہ سے ظاہراً بلند آواز سے قرآن پاک پڑھے جانے کی صورت میں خاموش رہنا اور غور سے سننا ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن آہستہ آواز سے پڑھے جانے کی حالت میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت نہیں۔ جیسا آگے ان شاء اللہ اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اور احادیث سے مطلقاً امام کے پیچھے قرآن پاک پڑھنے سے منع کیا گیا۔ ان سے اشارۃً بلند آواز سے پڑھنے کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

" عن عمران بن حصين ان رسول الله ﷺ صلى الظهر فجعل رجل يقرأ خلفه " سبح اسم ربك الاعلى " فلما انصرف قال ايكم قرأ او ايكم القارئ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضكم خالجنيها "

(مسلم کتاب الصلوۃ ج اول ص ۱۷۲ باب نهی عن جهره بالقراء خلف امامه)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، ایک شخص آپ کے پیچھے سورۃ "سبح اسم ربك الاعلى" کی تلاوت کر رہا تھا، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون پڑھ رہا تھا۔ تو ایک صحابی نے عرض کیا میں پڑھ رہا تھا۔ حضور نے فرمایا اسی لئے میں نے جانا کہ تم میں

سے کوئی شخص میری قرأت میں خلل ڈال رہا ہے۔

اب اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ یہ نماز چونکہ ظہر کی تھی تو یقیناً حضور ﷺ آہستہ آواز سے قرأت کر رہے تھے، اور آپ کے پیچھے پڑھنے کو آپ نے منع فرمایا۔

اعتراض: مسلم کے باب یعنی اس مسئلہ کے عنوان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے پیچھے پڑھنے والے صحابی کو اس لئے منع کیا کہ وہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ آہستہ آواز سے پڑھنے والے کو منع کرنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب: حدیث پاک میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ وہ صحابی بلند آواز سے نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھ رہے تھے، باب کا عنوان منتخب کرنے میں مسلم نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور اجتہاد میں خطاء ہو گئی "المجتهد يخطئ ويصيب" مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے اور کبھی درست اجتہاد کر لیتا ہے۔

" عن عطاء بن يسار انه سأل زيد بن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لاقرأة مع الامام فى شئ "

(مسلم كتاب المساجد ، باب سجود التلاوة ج ۱ ص ۲۱۵)

حضرت عطاء بن یسار نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا امام کے ساتھ قرأت کی کوئی حیثیت نہیں۔

مؤطا امام مالک سے حدیث:

" عن نافع عن ابن عمر قال اذا صلى احدكم خلف الامام

فحسبه قرأة الامام واذا صلی وحده فلیقرأ قال وکان عبدالله لایقرء خلف الامام "

(موطأ امام مالک کتاب الصلوة ، باب ترک القرأة خلف الامام فیما جهر به)

نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت کافی ہے ، اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو وہ قرأت کرے ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرآن نہیں پڑھتے تھے ۔

" واسناده صحیح "اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے۔اس سند میں صرف دو ہی راوی ہیں (کسی راوی کو حذف نہیں کیا) ۔

مؤطاامام محمد سے احادیث : (باب القرأة فی الصلوة خلف الامام)

" قال محمد اخبرنا ابن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن نافع عن ابن عمر قال من صلی خلف الامام کفته قرائته "

(مؤطا امام محمد ص ٩٤)

حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہے ۔

خیال رہے کہ موطأ امام محمد میں بھی وہ حدیث مذکور ہے جو موطأ امام مالک کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف ایک واسطہ بڑھ گیا ، یعنی امام محمد رحمہ اللہ نے وہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ سے سنی ۔

" قال محمد اخبرنا عبد الرحمن بن عبد الله المسعودی اخبرنی انس بن سیرین عن ابن عمر انه سئل عن القرأة خلف الامام قال تکفیك قرأة الامام " (موطا امام محمد) (ص ٩٤)

انس بن سیرین کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

" قال محمد اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا ابو الحسن موسی بن ابی عائشة عن عبد اللہ بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبداللہ عن النبی ﷺ انه قال من صلی خلف الامام فان قرأة الامام قرأة له " (ص ٩٦)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

" قال محمد حدثنا الشیخ ابو علی قال حدثنا محمود بن محمد المروزی قال حدثنا سهل بن العباس الترمذی قال اخبرنا اسمعیل بن علیة عن ایوب عن ابن الزبیر عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة " (ص ٩٦)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

" قال محمد اخبرنا سفیان بن عیینه عن منصور بن المعتمر عن ابی وائل قال سئل عبداللہ بن مسعود عن القرأة خلف الامام قال انصت فان فی الصلوة شغلا سیکفیك ذاك الامام (ص ٩٦)

ابووائل کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے کہا (امام کے پیچھے) خاموش رہو، بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف مشغولیت ہوتی ہے، اس لئے تمہیں امام کافی ہے۔ (یعنی امام کا پڑھنا تمہارا پڑھنا ہے)

" قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح القرشی عن حماد عن ابراهیم النخعی عن علقمة بن قیس ان عبدالله بن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه فی الاولیین لافی الاخرین واذا صلی وحده قرأ فی الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة ولم یقرأ فی الاخرین شیأ "

(ص ٩٦)

حضرت علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کی پیچھے پہلی دو رکعت یا آخری دو رکعت میں سے کسی رکعت میں قرأت نہیں کرتے تھے خواہ امام بلند آواز سے پڑھتا یا آہستہ آواز سے، اور آپ جب اکیلے نماز پڑھتے تو (فرضوں) کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھتے اور اس کے ساتھ سورۃ بھی ملاتے اور دوسری دو رکعت میں قرآن پاک نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث پاک میں تمام وہی ذکر ہے جو حنفی مسلک ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ اور اگر کوئی شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت لازم اور دوسری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

" قال محمد اخبرنا سفیان الثوری حدثنا منصور عن ابی وائل

عن عبدالله بن مسعود قال انصت للقراة فان فی الصلوة شغلا وسیکفیك الامام"

(ص ۹۷)

ابووائل کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرأت کے وقت خاموش رہو، بے شک نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے، تمہیں امام کافی ہے۔

قال محمد اخبرنا بکیر بن عامر حدثنا ابراهیم النخعی عن علقمه بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الیّ من ان اقرأ خلف الامام"

(ص ۹۸)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کی چنگاری کا دانتوں سے کاٹنا مجھے پسند ہے بنسبت اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرآن پڑھوں۔

"قال محمد اخبرنا اسرائیل حدثنی موسی بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال امّ رسول الله ﷺ فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول الله ﷺ قدامك فکرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبی ﷺ قال من کان له امام فان قرأته له قرأة"

(ص ۹۸)

عبداللہ بن شداد بن ہاد کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگا، تو ایک شخص جو اس کے قریب تھے، انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا (قرأت سے روکا) جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص نے پوچھا تم نے میری طرف

اشارہ کیوں کیا تھا، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہارے آگے تمہیں نماز پڑھا رہے تھے، میں نے ناپسند سمجھا کہ تم آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کرو، نبی کریم ﷺ نے جب ان کے کلام کو سنا تو ارشاد فرمایا "جس آدمی کا امام ہو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے"

" قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس القراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعدا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة (ص ۹۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے، اس کے منہ میں چنگاری ہو۔

" قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس القراء اخبرنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا " (ص ۹۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ اس آدمی کے منہ میں پتھر ہو جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

" قال محمد اخبرنا داؤد بن سعد بن قیس حدثنا عمرو بن محمد بن زید عن موسی بن سعد ابن زید بن ثابت یحدثه عن جده انه قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له " (ص ۹۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز کامل نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ سے احادیث : (باب من کرہ القرأة خلف الامام)

خیال رہے کہ امام کے پیچھے قرأت سے ممانعت کے متعلق ابن ابی

شیبہ نے ستائیس احادیث ذکر کی ہیں۔ زیادہ احادیث وہی ہیں جن کو میں نے صحاح ستہ اور موطأ امام محمد سے پیش کر دیا ہے۔ ان کو دوبارہ نہیں ذکر کر رہا کہ بہت طویل بحث نہ ہو جائے۔

"حدثنا محمد بن عبدالله الاسدی عن یونس عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبدالله قال کنا نقرأ خلف النبی ﷺ فقال خلطتم علیّ القرآن"

(ج اول ص ۴۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا۔

یعنی امام کے پیچھے مقتدی کا قرآن پڑھنا خواہ بلند آواز سے یا آہستہ، امام کی قرأت میں خلل ڈالنا ہے، اور قرآن کے سننے میں اور سمجھنے میں خلل لازم آتا ہے۔ (جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) اسی لئے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ہے۔

"حدثنا محمد بن سلیمان الاصبهانی عن عبدالرحمن عن ابی لیلی عن علی قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة"

(ج ۱ ص ۴۱۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا اس نے فطرت اسلامیہ کے خلاف کام کیا

"حدثنا وکیع عن الضحاك بن عثمان عبدالله بن یزید عن ابن ثوبان عن زید بن ثابت قال لا یقرأ خلف الامام ان جهر ولا ان خافت"

(ج ۱ ص ۴۱۳)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا آہستہ آواز سے ۔

" حدثنا هشيم قال اخبرنا اسمعيل بن ابی خالد عن وبرة عن الاسود بن يزيد انه قال وددت ان الذی يقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا "

(ج ۱ ص ۴۱۳)

اسود بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرآن پڑھے، اس کا منہ مٹی سے بھر جائے

" حدثنا هشيم عن ابی بشر عن سعيد بن جبير قال سألته عن القرأة خلف الامام فقال يكفيك ذاك الامام "

(ج ۱ ص ۴۱۳)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ابو بشر نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا تمہیں امام کافی ہے۔ یعنی امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

"حدثنا وكيع عن هشام الدستوائی عن قتادة عن ابن المسيب قال انصت للامام "

(ج ۱ ص ۴۱۳)

ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب امام ہو (تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے) تم خاموش رہو ۔

"حدثنا الثقفی عن محمد قال لا اعلم القرأة خلف الامام من السنة"

(ج ۱ ص ۴۱۳)

حضرت ثقفی، محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے

کہا امام کے پیچھے قرأت کے سنت ہونے کو میں نہیں جانتا ۔

"حدثنا الفضل عن زهير عن الوليد بن قيس قال سألت سويد بن غفلة اقرأ خلف الامام فى الظهر والعصر فقال لا "

(ج ص ٤١٣)

ولید بن قیس کہتے ہیں میں نے سوید بن غفلہ سے سوال کیا، امام کے پیچھے ظہر اور عصر میں قرآن پڑھ لیا کروں؟ انہوں نے کہا نہیں ۔

"حدثنا الفضل عن ابى كيران قال قال الضحاك ينهى عن القرأة خلف الامام"

(ج ١ ص ٤١٣)

ابو کیران کہتے ہیں کہ حضرت ضحاک نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ۔

" حدثنا يزيد بن هارون عن اشعث عن مالك بن عمارة قال سألت لاادرى كم رجل من اصحاب عبدالله كلهم يقولون لايقرأ خلف امام ، منهم عمرو بن ميمون "

(ج ١ ص ٤١٤)

مالک بن عمارہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بہت سے ساتھیوں سے سوال کیا جن میں عمرو بن میمون بھی تھے (امام کے پیچھے قرأت کی جائے یا نہ کی جائے) تو سب کہنے لگے امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

حضرت مالک بن عمارہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے کہا وہ اتنے زیادہ تھے کہ میں نہیں جانتا کہ ان کی صحیح معین تعداد کتنی تھی ۔

بہت واضح ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت مطلقاً منع ہے خواہ سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ، خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ (دل میں) پڑھ رہا ہو۔ سب کا حکم ایک ہی ہے۔

" حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عبدالملك بن ابی سلیمان عن اکیل عن ابراهیم قال الذی یقرأ خلف الامام شاق"

(ج ۱ ص ٤١٤)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے دین کی مخالفت کی۔

بیہقی سے احادیث : (کتاب القرأة)

" عن انس ان النبی ﷺ قال اذا قرأ الامام فانصتوا "

(ص ۱۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام پڑھے تو خاموش رہو۔

" عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال صلی رسول الله ﷺ یوما صلوة الظهر فقرأ معه رجل من الناس فی نفسه فلما قضی صلوته قال هل قرأ معی منكم احد قال ذالك ثلاثا فقال له الرجل نعم یارسول الله انا كنت اقرأ بسبح اسم ربك الاعلی قال مالی انازع القرآن ما یكفی احدكم قرأة امامه انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا "

(ص ۱۱٤)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول

اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی آپ کے ساتھ ایک شخص نے اپنے نفس میں (دل میں آہستہ آواز سے) قرأت کی۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ کوئی شخص قرأت کر رہا تھا؟ آپ نے تین مرتبہ یہ پوچھا، تو ایک صحابی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں سورۃ" سبح اسم ربک الا علی "پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے قرآن سے منازعت کرنے والا کیوں کر دیا گیا (یعنی مجھ پر قرآن خلط ملط کیوں ہو رہا ہے) پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں امام کی قرأت کافی نہیں، امام اس لئے تو بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔

" عن عطاء الخراسانی قال کتب عثمان رضی الله عنه الی معاویة رحمه الله اذا قمتم الی الصلوة فاستمعوا وانصتوا فانی سمعت عطاء رسول الله ﷺ یقول للمنصت الذی لا یسمع مثل اجر السامع المنصت "

(ص ۱۱۵)

حضرت عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے، خاموش رہنے والا جب نہ سن سکے اسے ایسا ہی اجر حاصل ہے جو سننے کے باوجود خاموش رہے۔

یعنی نماز میں امام کی قرأت کو سن کر خاموش رہو، خود نہ پڑھو، امام کی قرأت ہی تمہاری قرأت ہوگی، تمہیں قرأت کا مکمل ثواب ملے گا، جس طرح

ایک شخص نہ سن سکتا ہو وہ خاموش رہے اسے امام کی قرأت کا مکمل ثواب حاصل ہورہا ہے ایسے ہی ہر مقتدی کا یہی حکم ہے ۔

" عن جابر بن عبدالله قال صلی رسول الله ﷺ باصحابه الظهر اوالعصر فلما انصرف قال من قرأ خلفي بسبح اسم ربك الاعلى فلم يتكلم احد فردد ذلك ثلاثا فقال رجل انا يارسول الله قال لقد رأيتك تخالجني او قال تتنازعني القرآن من صلى منكم خلف امام فقراءته له قرأة "

(ص ۱۲۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ظہر اور عصر میں سے ایک نماز پڑھائی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے "سبح اسم ربك الاعلى" کی تلاوت کون کررہا تھا۔ کسی ایک نے بھی کلام نہ کیا، آپ نے تین مرتبہ پوچھا تو ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے یہ سورت پڑھی۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں نے سمجھا کہ تم مجھ پر قرآن کو خلط ملط کررہے ہو، جو شخص بھی تم میں سے امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے ۔

" عن جابر بن عبدالله (رضى الله عنه) ان رجلا قرأ خلف النبي ﷺ في الظهر اوالعصر فاوى اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهاني ان اقرأ خلف النبي ﷺ فتذاكر ذلك حتى سمع النبي ﷺ فقال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قرأته له قرأة "

(ص ۱۲۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک ایک

شخص نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر میں سے کسی ایک نماز میں قرأت کی تو اسے ایک شخص نے اشارہ سے روکا، جب نماز سے فارغ ہوئے، تو اس شخص نے دوسرے کو کہا، کیا تم مجھے نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے روک رہے تھے (یعنی تم مجھے کیوں روک رہے تھے) ان دونوں کے درمیان اسی بات پر مذاکرہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے مذاکرہ کو سن لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

" عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من كان له امام فقرأة الامام له قرأة "

(ص ۱۳۸)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کا امام ہے، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

" عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من كان له امام فان قرأة الامام له قرأة "

(ص ۱۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہے بے شک امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

" عن انس بن مالك ان النبی ﷺ قال من كان له امام فقرأة الامام له قرأة "

(ص ۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کا امام ہے۔ امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔

" عن علی رضی اللہ عنہ قال سال رجل النبی ﷺ اقرأ خلف الامام ام انصت قال لابل انصت فانه یکفیک "

(ص ۱۶۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، کیا میں امام کے پیچھے قرأت کیا کروں یا خاموش رہا کروں، آپ نے فرمایا نہیں (پڑھانہ کرو) بلکہ خاموش رہو، بے شک وہ (یعنی امام کی قرأت) تمہیں کافی ہے۔

" عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له امام فقرأۃ الامام له قرأۃ " (ص ۱۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہے تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے۔

مصنف عبد الرزاق سے احادیث :

"عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبداللہ فقال یا اباعبدالرحمن اقرأ خلف الامام قال انصت للقرآن فان فی الصلوۃ شغلا و سیکفیک ذلک الامام "

(ج ۲ ص ۱۳۸)

ابو وائل رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت) کیا میں امام کے پیچھے قرآن پڑھ لیا کروں ؟ آپ نے فرمایا قرآن (سننے) کے لئے خاموش رہو۔ بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کا وقت ہوتا ہے تمہیں امام کی قرأت کافی ہے ۔

" عن علقمة عن ابی مسعود قال لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فوہ ترابا "

(ج ۲ ص ۱۳۸)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ جو امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر جائے ۔

" عبدالرزاق عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه قال نهی رسول الله ﷺ عن القراءة خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیاً قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له قال واخبرنی موسی بن عقبة ان رسول الله ﷺ وابوبکر و عمر وعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام "

(ج ص ۱۳۹)

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع فرمایا، اور کہا مجھے اپنے شیوخ نے خبر دی ہے کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز (کامل) نہیں۔ اور کہا مجھے موسیٰ بن عتبہ نے خبر دی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے روکتے تھے ۔

دار قطنی سے احادیث :

" عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال تکفیک قرأة الامام خافت او جهر "

(ج ۱ ص ۳۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہیں امام کی قرأت کافی ہے، خواہ امام آہستہ آواز سے (دل میں) پڑھے یا بلند آواز سے۔

" عن الشعبی قال قال رسول اللہ ﷺ لا قراة خلف الامام "

(ج ۱ ص ۳۲۰)

شعبی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

" عن ابی الدرداء قال سئل رسول اللہ ﷺ افی کل صلوۃ قراۃ قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت ھذہ فقال لی رسول اللہ ﷺ وکنت اقرب القوم الیہ ما اری الامام اذا ام القوم الا کفاھم"

(ج ص ۳۳۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، انصار میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہوگئی۔ میں تمام قوم میں سے نبی کریم ﷺ کے زیادہ قریب تھا، آپ نے مجھے فرمایا، میرا تو صرف یہی یقین ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرائے تو ان کو امام کی قرأت کافی ہے۔

حدیث پاک سے ایک تو واضح ہوا کہ ہر نماز میں قرأت ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ وہ نماز کون سی ہے پانچ نمازوں کا حکم ایک ہی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ جس نماز کو انسان باجماعت ادا کر رہا ہو اس میں امام پر قرأت لازم ہے بعض نمازوں (ظہر، عصر) میں امام آہستہ پڑھے گا۔

اور بعض میں بلند آواز سے (یعنی مغرب، عشاء فجر میں)۔

تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ مقتدی جب امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو امام کی قرأت اسے کافی ہوتی ہے یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوتی ہے اس طرح گویا کہ مقتدی کو بھی قرأت حاصل ہوگئی، واضح ہوگیا کہ ہر نماز میں ہر شخص پر قرأت ہے اگرچہ صورتیں مختلف ہیں۔

چوتھی بات یہ سمجھ میں آئی کہ صحابہ کرام کا یہ ایمان تھا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا ہے، آپ جب "نعم" (ہاں) کہہ دیں تو وہ کام لازم ہو جاتا ہے۔

نتیجہ واضح ہے:

ابھی تک جو احادیث پیش کی ہیں ان سے نتیجہ واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منع کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت ساتھیوں نے امام کے ساتھ قرأت سے منع کیا۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ نے منع کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے منع کیا، حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت اسود یزید رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا ہے جو عین احادیث کے مطابق ہے۔ یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مذہب ان الفاظ سے ذکر فرمایا :

" لا قرأة خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الاثار وهو قول ابى حنيفة رحمه الله "

(موطا امام محمد ص ۹٤)

امام کے پیچھے مقتدی کی کوئی قرأت نہیں خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا بلند آواز سے نہ پڑھ رہا ہو، عام احادیث میں یہی مذکور ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے ۔

بعض ان پڑھ اور فسادی قسم کے غیر مقلدین کی اشتہار بازی سے اس قسم کے لایعنی جملے دیکھنے میں آتے ہیں کہ حنفی حدیث رسول کو نہیں مانتے، امام کی بات مانتے ہیں۔ توبڑا افسوس ہوتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ سے جہلاء کو ورغلایا جاسکتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جھوٹ بول کر اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہیں۔ کیا جھوٹ بولنا، خدا کو ناراض کرنا توحید ہے۔ اگر یہی توحید ہے تو شیطانی راہ کیا ہے؟ کیا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے "العیاذ باللہ" لوگ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت سے دور

ہیں، بہتان تراشی ایسے لوگوں کا شیوہ ہے۔ کوئی انسانیت کے دائرہ میں رہ کر علمی بحث کرے تو بڑی خوشی کی بات ہے، علمی بحث تو علماء کا طریقہ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ علماء نے ہی اپنے چیلے جہلاء رکھے ہوتے ہیں۔ جن کو صرف بھونکنے، ٹونکنے پر مقرر کیا جاتا ہے۔ کیا لوگوں کو ایسے طریقہ سے دین پر لایا جاتا ہے، یا کہ دین سے دور بھگایا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی، فرض ہو، نفل ہو، نماز امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا۔

(صلوۃ الرسول بحذف ص ۲۰۰)

غیر مقلدین کے دلائل اور احناف کی طرف سے ان کے جوابات :

" حدثنا عليّ بن عبدالله قال حدثنا سفيان حدثنا الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "

(بخاری، باب وجوب القرأة للامام والماموم الخ، مسلم باب وجوب قرأة الفاتحة)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرمایا) یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا۔

یہ ترجمہ بریکٹ کے بعد کا علامہ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کا ہے جو "صلوۃ الرسول" کے ص ۲۰۰ پر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے "فاتحہ شریف کے بغیر نماز کامل نہیں" جب یہ صحیح ترجمہ کر دیا جائے تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ احناف کا مذہب ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوتی ہے فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام کے پیچھے جب دوسری سورۃ کی قرأت نہ کرنے کے باوجود مقتدی کو وہ قرأت امام کی قرأت سے حاصل ہے تو سورۃ فاتحہ، امام کے پڑھنے سے مقتدی کو حاصل کیوں نہیں؟

جب کے نبی کریم کے ارشادات گرامی اور جلیل القدر صحابہ کرام کے اقوال اور افعال تفصیل سے احادیث صحیحہ سے بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے۔

اعتراض: "لا صلوۃ" کا سیدھا اور واضح معنی وہی ہے جو ہم نے کیا ہے کہ "نماز نہیں" جب فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ یہ حکم عام ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ "لاصلوۃ" کا معنی کامل نماز نہیں" یہ معنی تم نے کہاں سے لیا ہے اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔

جواب: جو معنی ہم نے کیا ہے وہ اسی وقت سمجھ آئے گا جب یہ پتہ ہو کہ لفظ "لا" کئی معانی کے لئے آتا ہے کبھی زائد ہوتا ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا جیسے "لا اقسم بھذا البلد" میں اس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں کبھی "لا" نفی کی تاکید کرتا ہے جیسے "فی الدار لا زید ولا عمر" یہاں پہلے "لا" سے نفی کا معنی ہے دوسرا صرف پہلے کی تاکید کے لئے ہے۔

اسی طرح کبھی "لا" صفت کی نفی کرتا ہے "لا رجل فی الدار" گھر میں مرد نہیں، یہاں "لا" نے گھر میں موجود ہونے کی نفی کی، رجل (مرد) کی ذات کی نفی نہیں کی، اسی طرح "لا" نفی جنس اور مشابہ بلیس میں فرق کی وجوہ سے ہدایت النحو پڑھنے والے طلباء بھی باخبر ہیں۔ اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھی جائے کہ "لا" کبھی ذات کے وجود کی نفی کے لئے آتا ہے، اور کبھی کمال کی نفی کرتا ہے۔

"لا" ذات کے وجود کی نفی کے لئے آئے:

جیسے "لا الٰہ الا اللہ" اللہ کے بغیر کوئی ذات موجود ہی نہیں جس کی عبادت کی جائے، مختصر معنی اس کا مشہور و معروف "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" اسی طرح کسی کی اولاد نہ ہو تو وہ کہے گا "لا ولد لی" میری کوئی اولاد نہیں۔ اگر کسی نے شادی کی ہی نہیں یا اب اس کی زوجیت میں کوئی عورت نہیں تو وہ کہے گا "لا زوجۃ لی" میری کوئی زوجہ نہیں، ان تمام مثالوں میں ذات کے وجود کی نفی ہے۔

"لا" کبھی کمال کی نفی کرتا ہے:

جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ "لا" کبھی کمال کی نفی کرتا ہے، تو کتنی ہی احادیث ایسی ہیں جن سے کوئی شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو وہ ایمان سے خارج نظر آئے گا لیکن اگر یہ معنی تسلیم کر لیا جائے اور اس کے ایمان کے

مکمل ہونے کی نفی ہوگی کہ وہ شخص کامل مومن نہیں، اس کے ذات ایمان کا وجود ختم نہیں ہوگا، ورنہ کسی مومن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا، آیئے اس کی مثالیں احادیث سے دیکھیں۔

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ولایسرق السارق حین یسرق وهو مؤمن ولایشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن ولاینتهب نهبة یرفع الناس الیه فیها ابصارهم حین ینتهبها وهو مؤمن ولایغل احدکم حین یغل وهو مؤمن فایاکم ایاکم وفی روایة ابن عباس ولا یقتل حین یقتل وهو مؤمن "

(مشکوة کتاب الایمان ، باب الکبائر و علامات النفاق ص ۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص قہر و جبر و ظلم سے کسی کا مال چھینتا ہے کہ لوگ اس کی طرف (اس کی ظالمانہ کاروائی کی طرف) نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہوئے ہیں تو اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا ان گناہوں سے تم بچ جاؤ، تم بچ جاؤ، اور ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آتی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص قتل کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا۔

خیال رہے میں نے حدیث پاک کا ترجمہ مرادی، بامحاورہ کیا ہے لفظی ترجمہ اس طرح ہوگا" نہیں زنا کرتا ہے زنا کرنے والا جب وہ زنا کر رہا ہوا یسے

حال میں کہ وہ مومن ہوالخ ۔

اب اس حدیث پاک کی شرح میں حاشیہ مشکوۃ میں ہے :

" لا یزنی الزانی الخ هذا واشباهه لنفی الکمال ای لا یکون کاملا فی الایمان حال کونه زانیا "

یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جب کوئی زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا، اسی طرح دوسرے گناہوں میں بھی یہی وجہ ذکر کی جائے گی۔ (صحیح ترجمہ یہی ہوگا)

اس حدیث کی یہی وجہ بخاری میں دیکھیں :

" وقال ابو عبید الله لایکون هذا مومنا تاما ولا یکون له نور الایمان "

(هذا اللفظ للبخاری مشکوة ص ۱۷)

ابو عبید اللہ نے کہا یہ لوگ کامل مومن نہیں رہتے، اور نہ ہی ان کو نور ایمان حاصل ہوتا ہے ۔

" عن انس قال قلما خطبنا رسول الله ﷺ الا قال لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له "

(بیهقی فی شعب الایمان مشکوة ص ۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اکثر اوقات ہمیں خطبہ دیتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا جس شخص کو امانت کا پاس نہیں اس کا ایمان کامل نہیں اور جس شخص کو وعدہ کا پاس نہیں اس کا کامل دین نہیں ۔

" کانه قال لا ایمان ولا دین کاملا لمن لا یطیع الله فیما امر به وینهی عنه " (مرقاة)

گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا لحاظ نہیں کرتا اس کا ایمان اور دین کامل نہیں۔

واضح ہوا کہ یہاں بھی کمالِ ایمان اور کمالِ دین کی نفی ہے، مطلقاً ایمان اور دین کی نفی نہیں، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر خائن اور ہر بد عہد کو کافر کہا جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں کہا جاسکتا، صرف ایسے اشخاص کو گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح پہلی حدیث میں جو ذکر ہے وہاں بھی کمال کی نفی ہے کہ زانی کے زنا کرتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ اور چور کے چوری کرتے وقت کامل ایمان نہیں۔ شرابی کے شراب پیتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ زبردستی کسی کا مال لیتے وقت اس شخص کا کامل ایمان نہیں۔ مومن کو قتل کرنے والے کا بوقت قتل کامل ایمان نہیں۔ اس قسم کے جرائم کے مرتکب لوگوں کو صرف فاسق کہا جاسکتا ہے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ خود بخود واضح ہو گیا کہ یہاں نفی ایمان کے کامل ہونے کی، ایمان کے وجود کی نفی نہیں۔

" لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد "

(دار قطنی ج ۱ ص ۱۶۱)

مسجد کے پڑوسی کی نماز کامل نہیں سوائے مسجد کے۔

اس حدیث پاک میں بھی اگر کمال کی نفی کی جائے تو معنی صحیح ہو گا،

کیونکہ یہ معنی درست نہیں ہو گا۔

" مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے ہوتی ہی نہیں" اس لئے کہ

مسجد کے پڑوسی کی اپنے گھر یا مسجد کے باہر کہیں اور نماز ہو جائے گی، لیکن مسجد میں کامل ہو گی۔ واضح ہوا کہ یہاں کمال کی نفی ہے۔

یہ چند مثالیں صرف سمجھانے کے لئے ہیں۔ ورنہ اس طرح کئی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جہاں کمال کی نفی ہے وجود کی نفی نہیں ۔

سوال : اگر یہ ثابت ہو ہی جائے کہ " **لا** " کبھی کمال کی نفی کرتا ہے، لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ "**لا صلوة الا بفاتحه الکتاب**" میں بھی کمال کی نفی پائی گئی ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہاں ذات کے وجود کی نفی ہو اور اس کا معنی "فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہے" صحیح ہو ۔

جواب : چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "**فاقرء وا ماتیسر من القرآن**" "پڑھو جو آسان ہو قرآن"۔ یہ حکم نماز کے ساتھ متعلق ہے، نماز میں قرآن پاک کی کسی معین سورۃ کو پڑھنا لازم نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی تمہیں آسان ہو وہاں سے قرآن کچھ حصہ پڑھو ۔

آیۂ کریمہ کا تعلق نماز سے ہے۔ اس پر تفاسیر میں سے دو عبارتیں نقل کر رہا ہوں، تاکہ واضح ہو جائے کہ ہاں واقعی اس کا تعلق نماز سے ہے۔

" فاقرء وا ما تیسر من القرآن فی الصلوة "

(جلالین)

نماز میں جہاں سے تمہیں قرآن پڑھنا آسان ہو وہاں سے پڑھ لو ۔

" یعنی ان المقصود من قراء ة القرآن قراء ته فی الصلوة "

(کمالین)

یعنی مقصود قرآن پڑھنے سے، نماز میں قرآن پڑھنا ہے ۔

جب واضح ہو گیا کہ رب تعالیٰ کا حکم مطلق ہے، تو وہ اپنے اطلاق پر قائم رہے گا، لہذا خبر واحد سے فاتحہ کو فرض قرار دے کر قرآن پاک کے حکم کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا وہی بات صحیح ہو گی جو احناف نے بیان کی ہے کہ مطلقا کہیں سے قرآن پاک پڑھنا فرض ہے اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ یہی بات سورۃ فاتحہ کے متعلق بھی ہے کہ وہ واجب ہے۔ تا کہ حکم قرآن پاک بھی رہے۔ اور حکم حدیث بھی ثابت ہو سکے۔

حدیث پاک کی توجیہ حدیث پاک سے :

" عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلوة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غیر تمام "

(مسلم ج ۱ باب وجوب قراءة الفاتحة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز ادا کی اور اس میں سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھا اس کی نماز ناقص ہے۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا "خداج" بکسر الخاء المعجمة هو النقصان (من نووی) یعنی خداج کا معنی نقصان ہے۔ خود حدیث پاک میں وضاحت کر دی گئی کہ "خداج" کا معنی "غیر تمام" نامکمل ہونا۔

حدیث پاک میں یہ نہیں کہا گیا کہ جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز سرے سے ہو گی نہیں، یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ اس کی نماز فاسد ہو گی۔ بلکہ یہ فرمایا گیا اس کی نماز ناقص ہو گی۔ اب واضح ہوا کہ مسلک احناف کا ہی

حق ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، رکن نہیں۔ کیونکہ ترک واجب سے نقصان لازم آتا ہے اور ترک رکن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اعتراض اور دلیل :

غیر مقلدین کی طرف سے دلیل سمجھیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا ان کی طرف سے اعتراض سمجھیں کہ ابھی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی ہے، اس کا وہ حصہ صرف بیان کیا گیا ہے، جس سے اپنا موقف بیان کیا گیا ہے اور وہ حصہ چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث پاک کا بعد میں آنے والا حصہ یہ ہے۔

" فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بھا فی نفسك فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول قال الله تعالی قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد لله رب العلمین قال الله تعالی حمدنی عبدی و اذا قال الرحمن الرحیم قال الله تعالی اثنی علی عبدی فاذا قال مالك یوم الدین قال مجدنی عبدی و قال مرۃ فوض الیّ عبدی فاذا قال ایاك نعبد وایا ك نستعین قال ھذا بینی و بین عبدی ولعبدی ماسأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیرالمغضوب علیھم ولاالضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ماسأل "

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے

ہیں، آپ نے فرمایا تم اپنے دل میں پڑھ لیا کرو، بے شک میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی، میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے سوال کیا، جب بندہ کہتا ہے " **الحمد للہ رب العلمین** " رب تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی، جب بندہ کہتا ہے " **الرحمن الرحیم** " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے " **مالك یوم الدین** " رب قدوس کہتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے اپنے تمام معاملات میرے سپرد کر دیئے۔ جب بندہ کہتا ہے " **ایاك نعبد وایاك نستعین صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولاالضالین** " تو رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے (یعنی اس کے سوالات ہیں) میرے بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے سوال کیا (یعنی میں اپنے بندے کو وہی عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگ رہا ہے)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی سے سورۃ فاتحہ کی شان اور اہمیت بیان کی اور ساتھ یہ بتایا کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے آہستہ آواز میں پڑھ لی جائے۔ تم کس طرح ثابت کرتے ہو کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے۔

جواب: حدیث پاک کو بغور پڑھنے سے واضح ہو رہا ہے کہ حدیث پاک کی

ابتداء نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس سے احناف کا مسلک ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، رکن (فرض) نہیں اور دوسری احادیث سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے خواہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورۃ، اور یہ بھی احادیث سے ہی بیان کر دیا گیا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

حدیث پاک کا آخری حصہ سورۃ فاتحہ کی شان بیان کی گئی اس میں سورۃ فاتحہ کے رکن ہونے یا ضرور پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں درمیان والا حصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے دل میں پڑھ لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حافظ حدیث تھے مجتہد نہیں تھے اگر ابن ہمام رحمہ اللہ کے قول کے مطابق آپ کو مجتہد مان بھی لیا جائے تو پھر بھی واضح مسئلہ ہے کہ مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء مخفی نہیں، کیونکہ آپ جلیل القدر صحابی اور کثیر احادیث کے روای ہونے کے باوجود علم میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے برابر نہیں۔ جب ان تمام کے ارشادات بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں، تو یقیناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشاد و اجتہاد کو چھوڑنا پڑے گا اور اسے اجتہادی خطاء تسلیم کرنا ضروری ہے۔

اعتراض ودلیل :

غیر مقلدین کی ایک اور دلیل یا اعتراض دیکھئے۔ وہ اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں :

"عن ابی سعید قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الکتاب وما تیسر"

(ابوداؤد باب من ترک القراۃ فی صلوتہ ، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰ ، صحیح ابن حبان کتاب الصلوۃ ج ٤ ص ١٤٠ مسند ابی یعلی ج ۲ ص ٤١٧ ، آثار سنن ص١٥٦)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم قرآن پاک سے سورۃ فاتحہ پڑھیں اور قرآن پاک سے جو آسان ہو وہ پڑھیں۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ تم فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کا کیسے انکار کرتے ہو۔

جواب : معترضین حضرات ذرا حدیث پاک کو توجہ سے پڑھیں اور غور کریں اور تدبر سے کام لیں تو ان شاء اللہ ان کو دلیل ہماری ہی نظر آئے گی۔ یہ حدیث معترضین کی دلیل بن ہی نہیں سکتی۔

توجہ فرمائیں ، حدیث پاک کو سمجھئے ۔ حدیث پاک میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا مطلقاً قول ذکر کیا گیا ہے کہ ہمیں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا اس میں امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ اور "وما تیسر" کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور اپنے مسلک کو دیکھو۔ تمہارا مسلک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے خواہ مقتدی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اور سورۃ جو امام پڑھ رہا ہو وہ مقتدی کو پڑھنا فرض نہیں۔ اور اس حدیث پاک میں دونوں کا حکم ایک اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب اور سورۃ کا ملانا واجب ہے اور

دونوں (فاتحہ اور کسی سورۃ) سے ایک آیۃ بڑی یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا فرض ہے اور امام کے پڑھنے سے مقتدی کو پڑھنا حاصل ہو جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی اور دلیل :

" عن عبادة بن صامت قال كنا خلف رسول الله فى صلوة الفجر فقرأ رسول الله ﷺ فثقلت عليه القراة فلما فرغ قال لعلكم تقرؤن خلف امامكم قلنا نعم هذاً يا رسول الله قال لاتفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها "

(ابو داؤد باب من ترك القراة فى صلوته)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے قرأت کی آپ پر قرأت کچھ بھاری ہوگئی (خلط ملط ہوگئی) آپ نے فرمایا شائد تم امام کے پیچھے قرأت کرتے رہتے ہو ؟ ہم نے کہا (نعم هذاً ای نفعل هذا) ہاں یارسول اللہ ہم قرأت کر رہے تھے آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو ، سوائے سورۃ فاتحہ کے اس لئے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہیں پڑھی ۔

جواب : جہاں تک "لاصلوة لمن لم يقرأ بها" کا تعلق اس کے متعلق ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز مکمل نہیں۔ نفی کمال کی ہے۔ نماز کے سرے سے نہ ہونے کا ذکر نہیں ، لہذا اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا ۔

جہاں تک امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت مل رہا ہے اس کے متعلق

عرض یہ ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں، اس لئے کہ ایک تو یہ حدیث مضطرب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کہ مدلس ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث معنعن ہے لہذا یہ حدیث دلیل بنانے کے لائق نہیں۔ اس حدیث کے متعلق علامہ نیموی نے بیان کیا۔

" قال النيموى فيه مكحول وهو يدلس ، رواه معنعنا وقد اضطرب في اسناده ومع ذلك قد تفرد بذكر محمود بن ربيع عن عبادة في طريق مكحول محمد بن اسحاق وهو لايحتج بما انفرد به فالحديث معلول بثلاثة وجوه"

(آثار سنن ص ۱۵۹ تا ۱۶۱)

(مفہوم وہی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے)

احادیث واضحہ صریحہ : (امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے)

" مالك عن ابى نعيم وهب ابن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الاوراء الامام"

(موطأ امام مالك باب ماجاء فى ام القرآن)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے نماز کی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

اس حدیث میں وضاحت کر دی گئی کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص امام

کے پیچھے نماز نہ پڑھ رہا ہو اگر امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو وہ خاموش رہے امام کے کے پڑھنے سے جب اسے پڑھنا حاصل ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

" اخبرنا مالك حدثنا وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الاوراء الامام"

(موطأ امام محمد باب القرأة في الصلوة خلف الامام)

حدیث پاک کا ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو کہ موطأ امام مالک کے حوالہ سے بیان میں واضح ہے۔

" حدثنا قيتبة بن سعيد وابن السرح قالا اخبرنا سفيان عن الزهرى عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبى ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا قال سفيان لمن يلى وحده"

(ابو داؤد باب من ترك القرأة في صلوته بفاتحة الكتاب)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس سے زائد کچھ نہیں پڑھے گا اس کی نماز مکمل نہیں۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا (کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے) جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔

اس حدیث پاک سے ایک تو وضاحت یہ حاصل ہو گئی کہ جب حضرت عبادہ بن صامت نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی پیش کیا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو اس کی وضاحت حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے

کردی کہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب کوئی ایک شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔ یعنی واضح ہو گیا کہ یہ حکم امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کا نہیں اس لئے کہ اسے امام کے قرأت حاصل ہو رہی ہے۔

اور یہ خیال کیا جائے کہ "فصاعدا" سے مراد یہ ہے کہ اور کوئی سورۃ نہ ملائے تو نماز ناقص ہے۔ کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا اور کسی سورۃ کا ملانا واجب ہے اسی لئے فاتحہ کے بغیر بھی نماز ناقص ہے اور اگر کوئی سورۃ نہیں ملائے گا تو پھر بھی نماز ناقص ہو گی کیونکہ ترک واجب لازم آئے گا۔

اگر اس حدیث میں "لا صلوۃ" کا معنی یہ کیا جائے اس کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں تو یہ لازم آئے گا کہ سورۃ فاتحہ بھی رکن ہے اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی رکن ہے۔ دونوں کے بغیر نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اگر ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام کے پیچھے پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے تو لازم یہ آئے گا کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض ہے اور اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی فرض ہے۔

حالانکہ یہ مذہب غیر مقلدین کا بھی نہیں، ان کا سارا زور صرف سورۃ فاتحہ کے پڑھنے پر ہے، نہ کہ کسی دوسری سورۃ پر۔

تنبیہ: جو حدیث مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد سے پیش کی گئی اس کی سند کے متعلق ترمذی میں یہ ذکر ہے۔ "هذا حديث حسن صحيح" (باب قرأۃ خلف الامام) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خیال رہے ترمذی میں واسطے زیادہ ہونے کے باوجود حدیث حسن،

صحیح ہے ترمذی میں اس سند سے حدیث کو ذکر کیا گیا ہے ۔

" حدثنا اسحق بن موسٰی الانصاری نامعن نامالك عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبدالله یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام هذا حدیث حسن صحیح "

(ترمذی باب قراۃ خلف الامام)

ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو موطأ امام مالک سے حدیث نقل کر کے بیان کیا ہے۔

اعتراض : جو حدیث تم نے اپنا موقف پیش کرنے کے لئے پیش کی ہے" من کان له امام فقرأة الامام له قرأة "(جس شخص کا امام ہو، امام کی قرأت اس کی قرأت ہے)۔ وہ ضعیف ہے۔اسے فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے لہٰذا یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

جواب : دارقطنی نے جو ضعیف ہونے کی وجوہ بیان کی ہیں وہ خود ضعیف ہیں آیئے توجہ فرمائیں کہ دارقطنی کی بیان کردہ وجوہ ضعیف کی کیا حیثیت ہے۔

دارقطنی نے ایک وجہ ضعف یہ بیان کی ہے کہ یہ مرسل صحیح ہے۔ مسند صحیح نہیں، کیونکہ عبداللہ بن شداد نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں درمیان میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی کو چھوڑتے ہیں اس لئے جب راوی صحابی کو چھوڑ دیا گیا ہے تو حدیث مرسل ہو گئی قابل حجت نہ رہی۔

دارقطنی کی یہ بیان کردہ وجہ ضعیف ہے اس وجہ کو کبھی قبول نہیں کیا

جاسکتا، کیونکہ میرے پاس جو نسخہ مسند امام اعظم کا ہے اس میں حدیث مع سند کے یوں مذکور ہے۔

" ابوحنيفة عن موسى عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال من كان له امام له امام فقرأة الامام له قرأة "

(مسند امام اعظم)

یہاں کسی روای کو نہیں چھوڑا گیا، بلکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، لہذا حدیث مسند صحیح ہو گئی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر ہی لیا جائے کہ مسند امام اعظم کا وہ نسخہ صحیح ہے جس میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں (ممکن ہے دار قطنی کو کوئی ایسا نسخہ ملا ہو) تو پھر بھی حدیث کو ضعیف کیسے کہہ دیا گیا۔ کیا اصول حدیث کو بیان کرنے والوں نے کبھی یہ بیان کیا ہے کہ مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے؟ جب کسی نے ضعف کی وجہ یہ بیان نہیں کی تو دار قطنی کی اس وجہ ضعف کو آنکھیں بند کر کے کیسے تسلیم کیا جائے۔

آیئے ذرا مرسل حدیث کا حکم دیکھئے:

" والمرسل كقولِ التابعى قال رسول الله ﷺ وعند ابى حنيفة ومالك المرسل مقبول مطلقا وهم يقولون انما ارسله لكمال الوثوق والاعتماد لان الكلام فى الثقة ولولم يكن عنده صحيحا لم يرسله ولم يقل قال رسول الله ﷺ وعند الشافعى ان اعتضد بوجه آخر مرسل او مسند وان كان ضعيفا قبل "

(من مقدمة مشكوة)

مرسل حدیث وہ ہے جس میں تابعی روایت کرتے ہوئے صحابی کو چھوڑ کر کہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، امام اعظم رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل مقبول ہے مطلقاً، وہ یہ کہتے ہیں کہ راوی نے اگر مروی عنہ (جس سے روایت بیان کی ہے) کو چھوڑا تو کامل وثوق کرتے ہوئے اس لئے کلام ثقہ میں ہے، اگر اس کے نزدیک راوی باوثوق، بااعتماد نہ ہوتا تو اسے نہ چھوڑتا، اور نہ کہتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مرسل حدیث کو دوسری مرسل یا مسند حدیث سے تائید مل جائے تو وہ قابل قبول ہوگی اگرچہ تائید کرنے والی حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کو تائید صحیح حسن سے حاصل ہے، جو مؤطاً امام مالک، موطاً امام محمد، ترمذی سے پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ یعنی اس حدیث سے تائید حاصل ہے۔

" عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبدالله یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام هذا حدیث حسن صحیح "

(ترمذی)

(ترجمہ پیچھے اوراق میں دیکھئے)

اعتراض : مقدمہ مشکوۃ سے مرسل کا حکم بیان کیا ہے وہ جمہور کے مذہب کے مخالف ہے، اس سے پہلے عبارت یہ ہے۔

" حکم المرسل التوقف عند جمهور العلماء لانه لایدری ان الساقط ثقة اولا لان التابعی قدیروی عن التابعی. وفی التابعین ثقات وغیر ثقات "

مرسل کا حکم توقف ہے جمہور علماء کے نزدیک، اس لئے کہ جو راوی ساقط ہے اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ، کیونکہ تابعی کبھی تابعی سے روایت کرتا ہے اور تابعین میں کئی ثقہ ہیں، کئی غیر ثقہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک ضعیف ہے لہٰذا دارقطنی کا ضعیف کہنا صحیح ہے۔

جواب : جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف نہیں بلکہ موقوف ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ جس راوی کو چھوڑا گیا ہے وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ راوی غیر ثقہ چھوڑا گیا ہے تو ضعیف۔ اور اگر پتہ چل جائے کہ راوی جسے چھوڑا گیا ہے وہ ثقہ ہے تو حدیث صحیح ہوگی۔ جب دارقطنی نے بھی تسلیم کیا ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑا گیا ہے تو یقیناً معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں تمام صحابہ عادل اور ثقہ راوی ہیں اور خصوصاً جب اس حدیث کو دوسری حسن صحیح حدیث سے تائید حاصل ہے تو یقیناً یہ حدیث صحیح، قابل قبول اور قابل حجت ہے۔

دار قطنی نے دوسری وجہ ضعف یہ بیان کہ ہے کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اسے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا اور تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

" هذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبدالله غير ابى حنيفة

والحسن بن عمارة وهما ضعيفان "

اس حدیث کی سند جابر بن عبداللہ تک کسی نے نہیں پہنچائی سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے وہ دونوں ضعیف ہیں۔

سبحان اللہ مخالفت نے اہل علم سے انصاف کا دامن کیسے چھڑا لیا، ایک وجہ یہ بیان ہوئی حدیث مرسل صحیح ہے۔ دوسری وجہ بیان ہوئی موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا۔ تیسری وجہ بیان ہوئی حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرنے میں دو راوی ہیں اور دونوں ضعیف ہیں۔

ضعیف کن کو کہا گیا ایک امام اعظم رحمہ اللہ کو اور دوسرا حسن بن عمارۃ رحمہ اللہ کو آیئے ذرا غور کیجئے کہ کسی روای کو صرف ضعیف کہہ دینے سے وہ ضعیف ہو جاتا ہے یا کہ ضعف کی وجوہ پائی گئی ہوں۔

جب یقیناً ضعف کی وجوہ ہیں تو ان وجوہ میں سے کوئی ایک بھی امام اعظم رحمہ اللہ میں ثابت کر کے تو دکھائے صرف زبانی کلامی ضعیف کہنے سے تو کوئی ضعیف نہیں مانے گا۔

صحیح حدیث وہ ہے جس کو وہ راوی روایت کرے جس میں عدل تام اور ضبط غیر معلل پایا جائے۔ اور ضعیف حدیث وہ ہوگی جس میں یہ دونوں صفتیں نہ پائی جائیں۔

عدل تام اس وقت نہیں ہوگا جب راوی میں پانچ عیوب پائے جائیں۔ اس میں جھوٹ پایا جائے۔ اس پر جھوٹا ہونے کی تہمت پائی جائے

فاسق ہو، جہالت اس میں پائی جائے ، بدعات کا مرتکب ہو۔

ضبط کے خلاف بھی پانچ ہی عیب ہیں ۔ غفلت زیادہ پائی جائے ، غلطیاں بہت کرتا ہو، ثقہ راویوں کے خلاف روایت پائی جائے، اس میں وہم زیادہ ہو، حافظہ درست نہ ہو۔

خدارا انصاف کیجئے کوئی ایک عیب تو امام اعظم رحمہ اللہ میں ثابت کر کے تو دکھائیں ۔جب آپ میں وجوہ ضعف میں سے کوئی ایک وجہ ضعف نہیں تو آپ کو ضعیف کہنا کون سا انصاف ہے۔ ہر ذی شعور کو ماننا پڑے گا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث تو صحیح ہے لیکن دار قطنی کا ضعیف کہنا ضعف اور غلط ہے۔

(ماخوذ از شرح مسند امام اعظم)

تنبیہ : بعض اوقات اہل علم سے غیر ارادی طور پر ایسی غلطی ہوتی ہے کہ اگر اس کی گرفت نہ کی جائے تو اس کا عظیم نقصان ہوتا ہے۔ اگر کسی کی زبانی، کلامی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ معاذ اللہ امام اعظم رحمہ اللہ ضعیف راوی ہیں تو تمام محدثین پر اعتبار ختم ہو جائے گا، جب کہ آپ کے علم، زہد و تقوی اور تابعی ہونے میں کوئی بھی آپ کے برابر نہیں۔ اس طرح تو کوئی دوسرا کہہ دے گا کہ میں معاذ اللہ بخاری، مسلم وغیرہ کو نہیں مانتا کہ انہوں نے جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہوں کیونکہ (معاذ اللہ) وہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔

خدارا انصاف کیجئے اور بتائیے کیا اس قسم کے اقوال (کلاموں) سے حدیث کو محدثین کو اور اسلام کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان، اگر آپ تھوڑا سا گہری

نظر سے دیکھیں اور تدبر کریں تو یقیناً آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس سے تو فائدہ صرف منکرین حدیث کو ہو سکے گا۔ اسی لئے اہل علم نے حدیث کے مقام کو جانچنے کے لئے قوانین وضوابط بنا دیئے ہیں۔ ان کا ہی احترام کیا جائے۔

اعتراض: امام جب قرأت کر رہا ہو تو وہ جب آیۃ کو ختم کرے اور سانس لے اور جب تک دوسری آیۃ نہ شروع کرے تو اس سکتہ (وقفہ) میں مقتدی سورۃ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ لے، پھر وقفہ میں تھوڑا سا اور پڑھ لے اس طرح مقتدی سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لے گا اور امام کی قرأت سننے میں بھی کوئی حرج لازم نہیں آئے گی۔

جواب: اس کا ایک جواب تو واضح ہے کہ ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس میں احادیث صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے کہ امام خواہ آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو یا بلند آواز سے مقتدی خاموش رہے۔ اصل میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا منع ہے صرف سننے میں حرج لازم آنے کی بات نہیں، کیونکہ امام، کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لہذا مقتدی صرف امام کی قرأت پر اعتبار کرے اسی پر اکتفاء کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ امیر یمانی نے اپنی کتاب "سبل السلام شرح بلوغ المرام" میں کہا ہے کہ امام کی قرأت کے دوران سکتوں (وقفوں) میں پڑھنے میں دو قسم کے قول ہیں ایک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھتے ہوئے درمیان میں جو وقفہ ملے اس میں مقتدی پڑھے، دوسرا قول یہ ہے کہ فاتحہ جب امام مکمل کرلے اور سورۃ بھی نہ شروع کرے تو اس وقفہ میں مقتدی پڑھے، ان دونوں قولوں کے متعلق کہا" ولا دلیل علی ھذا القولین فی الحدیث" ان دونوں

قولوں والوں کے پاس حدیث پاک سے کوئی دلیل نہیں۔

لیکن یہ دوسرا جواب ضعیف ہے اس لئے کہ مستدرک حاکم میں ایک حدیث عطاء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ؛

" قال رسول الله ﷺ من صلى مكتوبة مع الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب في سكتاته و من انتهى الى ام الكتاب فقد اجزأه "

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ فرض نماز پڑھے وہ (امام کی قرأت کے دوران وقفہ میں فاتحہ پڑھے ، جو شخص فاتحہ مکمل کرے اس کی نماز درست ہو گی۔ اس لئے اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح جواب یہ ہو گا

" ففيه محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير الليثي ضعفه ابن معين و الدار قطنى وقال البخارى منكر الحديث وقال النسائى متروك "

(شرح آثار سنن ص ١٧٤)

اس حدیث کے راویوں میں محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر لیثی ہے ابن معین اور دارقطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا بخاری نے منکر الحدیث (منکر حدیث بیان کرنے والا) قرار دیا اور نسائی نے متروک کہا۔ اس لئے واضح ہوا کہ امام کی قرأت کے وقفہ کے دوران پڑھنے کا حکم جس حدیث سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔

فاتحہ میں شدت یا حدیث پاک کی مخالفت :

غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے میں اتنی شدت اختیار کرتے ہیں جس شدت کی وجہ سے حدیث پاک کا ایک واضح حکم اٹھ جاتا ہے ، جس پر عمل ممکن نہیں۔

غیر مقلدین کا مذہب :

مدرک رکوع (رکوع پالینے والے) کی رکعت نہیں ہوتی ،اس لئے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

(فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۹)

" ولو وجد الامام فی الرکوع لایعتد بتلک الرکعة لان قرأة الفاتحة فرض عندنا "

(نزل الابرار ج ۱ ص ۱۳۳ نواب وحید الزمان)

اگر امام کو رکوع میں پالے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی وہ رکعت اسے نہیں ملی، کیونکہ ہمارے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

یعنی جماعت کھڑی ہو جائے ایک آدمی میں آئے امام کے ساتھ رکوع کرے تو غیر مقلدین کے نزدیک اسے رکعت نہیں ملی کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک فرض ہے۔

احناف کا مسلک :

احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص بعد میں جماعت سے ملے کہ امام کے ساتھ رکوع کو پالے تو اسے وہ رکعت مل گئی۔

ہم بفضلہٖ تعالیٰ اپنے موقف پر چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ احناف کا مسلک ہی حق ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کوئی ایک حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے کہ رکوع میں امام کے ساتھ ملنے والا رکعت کو نہیں پا سکتا ۔

" مالك عن ابن شهاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة "

(موطا امام مالک باب من ادرک رکعة من الصلوة ص ۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔

" مالك عن نافع ان عبدالله ابن عمر كان يقول اذا فاتتك الركعة فقد فاتتك السجدة " (موطا امام مالک)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس شخص کا رکوع فوت ہو گیا اس کا سجدہ بھی فوت ہو گیا، یعنی اسے وہ رکعت نہیں ملے گی۔

" مالك انه بلغه ان عبدالله بن عمر وزيد بن ثابت كانا يقولان من ادرك الركعة فقعد ادرك السجدة "

(مؤطا امام مالک)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جس کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا۔ یعنی اسے رکعت مل گئی۔

" مالك انه بلغه ان اباهريرة كان يقول من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة ومن فاته ام القرآن فقد فاته خير كثير "

(موطأ اما مالک)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بے شک جس شخص کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا، جس کی فاتحہ فوت ہو گئی اس سے خیر کثیر فوت ہو گئی۔

اس حدیث پاک میں بفضلہٖ تعالیٰ احناف کا مکمل مسلک واضح ہو گیا کیونکہ احناف کا مذھب ہی یہ ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا، لیکن بعد میں آنے والے نے امام سے فاتحہ کو نہیں سنا اس لئے اسے وہ ثواب حاصل نہیں ہوگا جو شروع سے ملنے والے کو حاصل ہوتا ہے لہذا فاتحہ میں نہ ملنے والا اخیر کثیر سے محروم ہو گیا۔

" اخبرنا مالك اخبرنا ابن شهاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من ادرك من الصلوة ركعة "

قال محمد وبهذا ناخذ وهو قول ابی حنيفة رحمه الله "

(موطا امام محمد ص ۱۰۰ باب الرجل يسبق ببعض الصلوة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ جس شخص نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کی وہ رکعت پالی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اعتراض : احادیث میں تو لفظ " رکعة" استعمال ہوا جس کا معنی رکعت ہی ہوتا ہے تم نے اس کا معنی رکوع کیا ہے یہ کیسے درست ہے۔

جواب : جب رکعت کا لفظ سجود کے مقابل استعمال ہوا ہے اس کا معنی رکوع ہی ہوا ہے تمام شارحین نے یہی معنی مراد لیا ہے اور بہت واضح اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے جس میں یہ ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس لئے سجود کو پالیا، جس کا رکوع فوت ہو گیا اسکا سجدہ فوت ہو گیا یہاں رکعت معنی کرنے سے کوئی مقصد ہی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ رکعت تو مع سجدہ کے ہوتی ہے۔

بخاری کی حدیث سے انحراف کیوں؟

" عن ابی بکرة انه انتهی الی النبی ﷺ وهو راكع فركع قبل ان یصلی الی الصف فذکر ذلك للنبی ﷺ فقال زادك الله حرصا ولا تعد "

(بخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ رکوع میں جا چکے تھے، یہ صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے (پھر آہستہ آہستہ صف میں پہنچ گئے) جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالے تمہاری (نماز، نیکی پر) حرص کو اور زیادہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ صحابی نے رکوع میں مل کر رکعت کو پالینے کی غرض سے صف کے پیچھے ہی رکوع کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، بلکہ یہ فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ صف کے پیچھے ہی رکوع کرلو بلکہ صف میں ملکر رکوع کیا کرو۔

اگر رکوع میں ملنے کی وجہ سے رکعت نہ ملتی تو نبی کریم ﷺ ضرور بیان کرتے آپ کا خاموش رہنا ہی دلیل ہے کہ صحابی کو وہ رکعت مل گئی تھی، کیونکہ جہاں آپ نقص دیکھتے تھے آپ فرماتے تھے نماز دوبارہ پڑھو۔

" عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا جئتم الی الصلوة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعتدوها شيأ ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلوة "

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کی طرف آؤ تو ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کر لو، لیکن اسے رکعت نہ شمار کرو، اور جس نے رکوع کو حاصل کر لیا اسے نماز مل گئی یعنی اسے وہ رکعت مل گئی۔

اس حدیث میں "الرکعۃ" کا معنی رکوع کرنا بہت واضح، اس حدیث پاک کو غور سے پڑھیں، سمجھیں اور اندازہ کریں کہ احناف کا مذہب حدیث کے مطابق ہے یا غیر مقلدین کا ؟ نام کا دم چھلا لگانے کے بغیر ہی بفضلہ تعالیٰ حقیقت میں اہل حدیث (حدیث پر عمل کرنے والے) ہم ہیں، غیر مقلدین اپنے نام کے ساتھ اہل حدیث کا دم چھلا لگانے کے باوجود حقیقت میں اہلحدیث نہیں، اس لئے میں ان کے لئے اہل حدیث کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ غیر مقلدین کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔

" عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه "

(صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۴۵ صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۳۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز کے رکوع کو پالیا اس نے اس رکعت کو پالیا، جب تک کہ امام سیدھا کھڑا نہیں ہوا۔

اس حدیث پاک میں اور زیادہ وضاحت موجود ہے کہ امام کے رکوع سے کھڑے ہونے سے پہلے جو رکوع میں مل گیا اسے وہ رکعت مل گئی۔

خلاصہ کلام :

عوامی حضرات اگر فاتحہ پڑھنے کی تمام بحث کو یاد نہ کر سکیں تو صرف یہ مختصر بحث ذہن میں رکھیں۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا منع ہے، نماز خواہ جہری (بلند آواز سے پڑھنے والی) ہو، یا سری (آہستہ آواز سے پڑھنے والی ہو) مقتدی صرف سنے اور خاموش رہے۔

یہ مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے، اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ احناف صرف رائے اور قیاس کے پابند نہیں ہیں جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین الزام لگاتے ہیں بلکہ احناف نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بنیاد بھی کتاب وسنت ہی ہے۔ اور انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سمجھا ہے اسی پر عمل کر رہے ہیں۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ﴾

جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ بحث کے شروع میں کیا جا چکا ہے۔ مزید کچھ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

اس آیۃ میں "استمعوا" اور "انصتوا" امر کے صیغے ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں نماز میں قرآن پاک کا سننا بالاتفاق واجب ہے۔

نماز دو طرح کی ہوتی ہے "جہری" جس میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہو، لہذا جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہوگا۔ اور "سری" جس میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے اس میں چونکہ سننا ممکن نہیں، اس لئے "انصتوا" (خاموش رہو) پر عمل ہوگا۔

امام چونکہ سری و جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے لہذا مقتدی کے لئے دونوں قسم کی نمازوں میں خاموش رہنا ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ ابتداء اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور امام کے پیچھے قرأت بھی جائز تھی لیکن بعد میں ان دونوں چیزوں کو منع کر دیا گیا۔

مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ میں ہے، صحابہ کرام فرماتے ہیں :

" کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوۃ حتی نزلت وقوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام " (مسلم)

نماز میں ہم کلام کر لیا کرتے تھے۔ ایک شخص اپنے ساتھ والے شخص نماز کی حالت میں کلام کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ جب آیۃ "وقوموا لله قانتین" (نماز میں خاموشی سے خشوع کرتے ہوئے کھڑے ہو) نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔

" عن مجاهد قال کان رسول الله ﷺ یقرء فی الصلوۃ فسمع

قرأة فتی عن الانصار فنزل واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا"

(بیهقی)

حضرت مجاہد کہتے ہیں حضور ﷺ نماز میں قرأت کر رہے تھے۔ آپ نے ایک جوان کو قرأت کرتے ہوئے سنا تو اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (اذا قری القرآن فاستمعوا وانصتوا) جب نازل ہوئی تو اس کے بعد امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کردی گئی۔

" قال علی بن طلحة عن ابن عباس واذا قری القرآن الخ یعنی فی الصلوة المفروضة "

(تفسیر عماد بن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، آیۃ "واذا قری القرآن" نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

" ذهب جماعة الی انها فی القراء ة فی الصلوة "

(معالم التنزیل)

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیۃ نماز میں قرأت کے متعلق نازل ہوئی۔

" واذا قری القرآن فی الصلوة المکتوبة فاستمعوا له الی قرأته وانصتوا لقرأته "

(تفسیر ابن عباس)

جب قرآن پڑھا جائے فرض نمازوں میں تو اس کی قرأت کو سنو اور قرآن کی قرأت کے وقت خاموش رہو۔

ان تفاسیر سے واضح ہوا کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی اور مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا۔

"فقرأة الامام له قرأة" کو صحابہ کرام کی جماعت نے روایت کیا :

" عن جابر بن عبداللہ عن النبی ﷺ قال ن صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة "

(موطا امام محمد)

حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ، یعنی جابر بن عبد اللہ ، عبد اللہ ابن عمر ، ابو سعید خدری ، ابو ہریرہ ، عبد اللہ ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنھم نے۔اور حدیث جابر کے بھی متعدد طرق ہیں جو ایک دوسرے کی مزید تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

(ماخوذ از فیوض الباری شرح بخاری)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت :

" ابو حنیفة عن موسی عن عبداللہ بن شداد عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له امام فقرأة الام له قرأة"

(مسند امام اعظم)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے ، امام اعظم رحمہ اللہ کی وجہ سے روایت کو ضعیف کہنے والے غلطی کا شکار ہوئے ان کے پاس ضعیف کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔

بخاری کی حدیث کا صحیح ترجمہ :

بخاری کی حدیث "لا صلوة الا بفاتحة الكتاب" کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے اس ترجمہ پر حدیث مسلم شاہد ہے۔

بخاری کی رائے امام اعظم کی رائے سے اعلیٰ نہیں ہو سکتی :

عام لوگوں کو کچھ لوگ بخاری کا ترجمہ دکھا کر بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں، بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے۔ اس کا ترجمہ عوام کو دکھانا اور یہ کہنا کہ بخاری میں یہ لکھا ہوا ہے۔

یاد رہے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ابواب بنائے، عنوان منتخب کئے وہ احادیث نہیں، بلکہ امام بخاری کی رائے ہے، اور بخاری رحمہ اللہ کی رائے کو امام اعظم رحمہ اللہ کی رائے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ جامع الاحادیث (احادیث کو جمع کرنے والے) تو ہیں، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کی طرح مجتہد نہیں ۔

بخاری رحمہ اللہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جب امام اعظم رحمہ اللہ نے احادیث پر عمل کیا۔ آپ رحمہ اللہ تابعی ہیں۔ صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا ہے ۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے بھی دین تھا۔ پہلے لوگ بخاری کے محتاج نہیں تھے۔

بخاری کے عنوان سے بھٹکانے کی کوشش :

بخاری نے یہ عنوان ذکر کیا ہے۔

" باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر وما یجهر فیها وما یخافت "

باب اس بیان میں کہ قرأت واجب ہے امام اور مقتدی پر تمام نمازوں میں خواہ وہ حضرت میں ادا کرے یا سفر میں، ان میں جہر کیا جاتا ہو یا وہ سری نماز ہو۔

اسی عنوان سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بخاری میں یہ ہے، لوگ سمجھتے ہیں یہ بھی حدیث ہے۔ عوام کو کیا معلوم کہ یہ بخاری نے خود عنوان قائم کیا ہے ؟ کہاں بخاری اور کہاں امام اعظم رحمہما اللہ، ہر ایک مقام کو پہچانا جائے۔

اعتراض : تم نے کہا امام کے پیچھے قرأت منع ہے حالانکہ ہدایہ حنفیوں کی مقبول اور بلند پایہ کتاب ہے اس کی پہلی جلد، فصل فی القرأة میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ فتویٰ ہے۔" ویستحسن علی سبیل الاحتیاط" یعنی احتیاطاً سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھ لینا ہی بہتر ہے۔

(ھدایۃ) (صلوۃ الرسول ص ۲۰۵)

جواب : ہدایہ کا آپ کو مطلب سمجھ آتا تو جھگڑا کس کا تھا ؟ جھگڑا ہی اس بات کا ہے کہ آپ کسی عبارت کو ظاہری طور پر دیکھتے ہو، اس کی روح اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، اور خصوصاً عبارات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا آپ کا

کمال ہے، اس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ آیئے میں آپ کو ہدایہ سمجھاؤں۔

ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرے، اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بیان کیا گیا ہے، پھر اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا :

" ولنا قوله عليه السلام من كان له امام فقراة الامام له قراة وعليه اجماع الصحابة "

ہمارے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ صاحب ہدایہ نے دوسری دلیل اپنے موقف پر یہ قائم کی کہ اس پر اجماع صحابہ ہے۔

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ مقتدی فاتحہ امام کے پیچھے پڑھے اس لئے کہ قرأۃ رکن ہے اور رکن مشترک ہے امام اپنے ارکان قیام، رکوع وغیرہ خود ادا کرتا ہے اور مقتدی اپنے ارکان خود، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

" وهو ركن مشترك بينهما لكن حظ المقتدى الانصات والاستماع قال عليه السلام واذا قرا فانصتوا "

قرأۃ کا امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہونا قابل تسلیم ہے، لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور سننا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

جب امام پڑھے تم خاموش رہو۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ نے بیان کیا:

" ويستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد ويكره عندهما لما فيه من الوعيد "

امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بیان کی گئی کہ احتیاطاً امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس میں وعید پائی گئی۔

امامؒ محمد رحمہ اللہ کی طرف روایت کو مجہول طریقہ پر ذکر کر کے صاحب ہدایہ نے بتادیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنا ہی ضعیف ہے کیونکہ آپ نے اپنے مؤطا (مؤطا امام محمد) میں اپنا مسلک واضح طور پر بیان کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے۔

شیخین کے مذہب کی وضاحت فتح القدیر میں اس طرح ہے:

" قوله ويكره المراد كراهة التحريم كما يفيده قول المصنف لما فيه من الوعيد "

مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس میں وعید پائی گئی ہے۔

وعید والی حدیثوں کو ما قبل اوراق میں تفصیلاً ذکر کر دیا گیا ہے کسی میں نماز کے نہ ہونے کا ذکر، کسی میں اس کے منہ میں چنگاری کے ہونے کا ذکر اور کسی میں اس کے منہ میں مٹی کے ہونے کا ذکر۔

اب آپ خود بتائیں کہ صاحب ہدایہ نے ایک ضعیف قول کی نشاندہی کی یا کہ یہ کہا کہ امام کے پیچھے واقعی فاتحہ کا احتیاطاً پڑھنا مستحسن ہے۔

ہدایہ اگر صحیح سمجھ آئے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے ضعیف ہے؛ کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منع ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ کی ایک جھلک :

غیر مقلدین کے عقائد کی دارومدار ابن تیمیہ کے نظریات ہی ہیں۔ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی طویل بحث ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اس کی فیصلہ کن بات کو نقل کر رہا ہوں توجہ فرمائیں۔

" ولهذا روى فى الحديث مثل الذى يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل اسفارا فهكذا اذا كان يقرأ والامام يقرأ عليه "

(فتاوى ابن تيميه ج ٢٣ ص ٢٧٩)

حدیث پاک میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی جو امام کے خطبہ دینے کے دوران کلام کرے اس کی مثال گدھے جیسی ہے جو بوجھ اٹھائے پھرتا ہو۔ ایسے ہی جو شخص قرأت کر رہا ہو جب امام پڑھ رہا ہو۔

اتنے سخت الفاظ کوئی اور لکھتا تو یقیناً غیر مقلدین کو غصہ آتا ہے، لیکن جب ان کے عقائد کے امام نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو امام کے قرأت کرنے کے

دوران قرأت کرے وہ گدھے کی طرح ہے، توامید ہے کہ وہ اسے برداشت کریں گے؛ کیونکہ یہ بات ان کے اپنے بزرگ کی ہے۔

فیصلہ کن بات:

امام کے پیچھے قرأت سے اسی (۸۰) صحابہ کرام نے منع کیا ہے جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہیں (جن کا ذکر گذشتہ اوراق میں کیا جاچکا ہے)

(عینی شرح بخاری)

☆☆☆☆☆

مسئلہ آمین کہنے کا

امام جب قرآن پاک بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو سورۃ فاتحہ کو ختم کرے تو امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہیں۔ اتنی بات میں تو اتفاق ہے، بلند آواز سے آمین کہی جائے یا آہستہ اس میں اختلاف ہے۔

احناف کا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ امام قرأت آہستہ آواز میں کر رہا ہو یا بلند آواز میں ہر صورت میں امام اور مقتدی آمین آہستہ آواز میں کہیں۔

احناف کے دلائل :

(۱) آمین دعاء ہے :

" ومعناها اللهم استجب عند الجمهور وقيل غير ذلك مما يرجع جميعه الى هذا المعنى كقول من قال معناه اللهم آمنا بخير " (فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۶)

آمین کا معنی ہے "اے اللہ قبول کر" اسی طرح اور معانی بھی بیان کئے گئے تقریباً سب کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں بھلائی کے ساتھ امن میں رکھ۔

دعاء آہستہ آواز میں مستحب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ادعوا ربكم تضرعا وخفية" اللہ تعالیٰ سے دعاء عاجزی سے اور آہستہ آواز میں کرو

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے :

﴿ واذا سألك عبادی عنی فانی قريب ، اجيب دعوة الداع اذا دعان ﴾

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں، تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں دعا والے کی جب مجھے، پکارے۔

اس آیۃ میں بھی دعاء آہستہ آواز میں کرنے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اس سے دعاء کی جائے تو آہستہ آواز سے۔

آہستہ آمین کہنا صحاح ستہ سے :

" حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالك عن سمی مولی ابی بكر عن ابی الصالح السمان عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقولوا آمين فانه من وافق قوله قول الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه "

(بخاری باب جهر المأموم بالتامين)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام " غير المغضوب عليهم ولاالضالين " کہے تو تم آمین کہو! بیشک جس کا قول (آمین کہنا) ملائکہ کے قول کے موافق ہو گیا، اس کے اس سے پہلے گناہ معاف کر دئے گے۔

دوسری حدیث :

"عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذ قال احدكم آمين وقالت الملائكة فی السماء آمين فوافقت احدٰهما الاخرى غفرله ما تقدم من ذنبه "

(بخاری باب فضل التامین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک آمین کہے تو آسمانوں میں فرشتے آمین کہتے ہیں جب ایک آمین دوسری آمین کے موافق ہو گئی تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

وضاحت :

" وقد اجتمعت الامة على ان المنفرد يؤمن وكذالك الامام والماموم فى الصلوة السرية وكذالك قال الجمهور فى الجهرية "

(نووی علی مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ بے شک منفرد، امام اور مقتدی آمین کہیں سری (آہستہ آواز سے پڑھنے والی) نمازوں میں اور جہری (بلند آواز سے پڑھنے والی) نمازوں میں بھی سب کا آمین پڑھنا ہی جمہور علماء کا مذہب ہے

" وانه ينبغى ان يكون تامين الماموم مع تامين الامام لا قبله ولا بعده لقوله ﷺ واذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولاالضالين " واما رواية اذا امن فامنوا فمعناها اذا ارادالتامين "

(نووی ج ۱ ص ۱۹۶)

حدیث پاک کا معنی یہ ہے "مناسب یہ ہے" کہ امام جب آمین کہے تو ساتھ ہی مقتدی بھی آمین کہیں نہ پہلے اور نہ بعد اور جن روایت میں یہ ہے "واذا امن الامام فامنوا" جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، ان کا مطلب یہ نہیں کہ امام جب آمین کہہ چکے تو تم آمین کہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب امام

آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔

حدیث پاک میں ذکر ہے جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کے پہلے گناہ معاف ہوں گے اس سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے چند احتمال ہیں انسان کی آمین اور ملائکہ کی آمین ایک وقت میں ہو اور ایک طرح ہو یعنی ریاء کاری نہ ہو، انداز تکبر انہ، نہ ہو، کسی کو سنانا اور چرچا کرنا مقصود نہ ہو۔

یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آہستہ آواز میں آمین کہی جائے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ آواز میں ہوتی ہے اگر یہ بات کسی کو تسلیم نہ ہو تو وہ شخص کوئی ایک حدیث صحیح احادیث کی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب سے نکال کر دے جس میں یہ ذکر ہو کہ فرشتے بلند آواز سے آمین کہتے ہیں، جب یہ کوئی نہ ثابت کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ حدیث پاک سے آہستہ آواز میں آمین کہنا ثابت ہو رہا ہے بلند آواز سے آمین کہنے پر اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں۔

تنبیہ : عنوان میں، میں نے ذکر کیا صحاح ستہ سے احادیث حوالہ صرف بخاری کا دیا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتب میں ہے اس لئے طوالت سے بچتے ہوئے باقی کتب سے علیحدہ علیحدہ نہیں نقل کیں۔

اعتراض : بخاری نے جو عنوان مقرر کیا ہے اس کا نام ہے " باب جهر المأموم بالتامين " مقتدی کے بلند آواز سے آمین کہنے کا باب تعجب یہ ہے کہ بخاری کا حوالہ دیتے ہوئے تم نے خود بھی اسی عنوان کا حوالہ دیا ہے اب آپ بتائیں کہ یہ کیسے صحیح ہے کہ بخاری عنوان مقرر کرے بلند آواز سے آمین پڑھنے

کابیان، آمین اور اس عنوان کے تحت (نیچے) حدیث ذکر کرے اور تم اس سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ آمین آہستہ آواز سے پڑھنی چاہئے یہ تو "التوجیه بما لا یرضی به القائل" (ایسی توجیہ کرنا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو) ہے یہ درست نہیں۔

جواب: جہاں تک اعتراض میں تم نے یہ کہا کہ ہم نے خود عنوان وہی ذکر کیا جو امام بخاری نے ذکر کیا، یہ ٹھیک بات ہے؛ کیونکہ ہم حقائق کو بیان کرتے ہیں حقائق کو چھپاتے نہیں۔ یہ تو ہماری حق گوئی پر آپ نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔

جہاں تک بخاری کے عنوان کی بات ہے اسے تسلیم کرنا ہم پر لازم نہیں، کیونکہ بخاری نے عنوان کے ضمن میں جو حدیث نقل کی ہے اس حدیث کو دیکھنا پڑے گا کیا اس میں کوئی لفظ ایسا ہے جو بلند آواز سے آمین کہنے پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں جب ہم نے حدیث پاک پر غور کیا تو ہمیں کوئی ایسا لفظ نظر نہ آیا جس سے بلند آواز سے آمین کا ثبوت ملے۔

بخاری رحمہ اللہ نے بلند آواز سے آمین کہنے پر استدلال صرف اس وجہ سے کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امام جب "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پڑھے تو تم آمین کہو "قولوا آمين" کے الفاظ سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ لیکن ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ "قولوا" کا معنی ہے "تم کہو" اس سے بلند آواز سے کہنا کیسے ثابت ہے۔ اگر تم کہو کہ "قولوا" سے بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہے تو ہم تم سے یہ پوچھیں گے کہ

حدیث شریف میں یہ بھی ثابت ہے " اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد" جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔ کیا یہاں بھی بلند آواز سے "ربنا لك الحمد" کہنا ثابت ہے جب تمہارے نزدیک بھی یہاں جہر نہیں تو صرف "قولوا" سے آمین میں جہر ثابت کرنا کس طرح درست ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے "فاذا جلس احدکم فی الصلوة فلیقل التحیات لله الخ" جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو کہے "التحیات لله الخ" کیا التحیات بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے؟ جب ایسا نہیں تو صرف لفظ "قولوا" سے بلند آواز سے آمین پڑھنے پر زور کیوں؟

بات بہت واضح ہے کہ "قولوا" کا معنی ہے "تم کہو" اس سے یہ ثابت کرنا کہ تم بلند آواز سے آمین کہو، کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ لہذا بخاری رحمہ اللہ سے عنوان مقرر کرنے میں بھول واقع ہوئی اور یہ بھی واضح ہے کہ بخاری علیہ الرحمۃ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہم مرتبہ نہیں تو بخاری کے قائم کردہ عنوانات کو ماننا ضروری نہیں، بلکہ ان کی بھول کو واضح کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا "فنسی ولم نجدله عزما" تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ جب آدم علیہ السلام کی طرف نسیان کی نسبت ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بخاری علیہ الرحمۃ کی طرف نسیان کی نسبت منع ہو۔ یا نسیان کی نسبت کرنے والے کے خلاف طعن و تشنیع کا بازار گرم کر دیا جائے؟

" حدثنا محمد بن المثنی نا عبدالاعلی عن سعید عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال سکتتان حفظتهما عن رسول اللهﷺ فانکر ذلك عمران بن حصین قال حفظنا سکتة فکتبنا الی ابی بن کعب بالمدینة فکتب ابی ان احفظ سمرة قال سعید فقلنا لقتادة ماهاتان السکتتان قال اذا دخل فی صلوته واذا فرغ من القرأة ثم قال بعد ذلك واذا قرأ ولاالضالین "

(ترمذی باب ماجاء فی السکتتین)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دو سکتے ہیں کیونکہ میں نے ان دو سکتوں کو رسول اللہ ﷺ سے یاد کیا ہے۔ عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ہمیں صرف ایک سکتہ یاد ہے، (راوی نے) ہم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف مدینہ میں لکھا (یعنی کیا حضرت سمرہ نے ٹھیک کہا ہے ؟) توانہوں نے (جواب میں) لکھا کہ سمرہ زیادہ یاد رکھنے والے ہیں سعید کہتے ہیں ہم نے حضرت قتادہ سے پوچھا وہ دو سکتے (خاموش رہنا) کیا ہیں توانہوں نے کہا جب نماز میں داخل ہو ،اور جب قرأۃ سے فارغ ہو۔

یعنی تکبیر افتتاح کے بعد ثناء، تعوذ، تسمیہ آہستہ آواز میں پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو کر آمین آہستہ آواز میں کہے اس لئے کہ قرأت سے فارغ ہونے سے مراد" ولا الضالین "پڑھنے کے بعد۔

اس حدیث کے بعد ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ علیہ بیان نے کیا" حدیث سمرة حدیث حسن "سمرہ کی حدیث حسن ہے خیال رہے کہ حسن حدیث سے احکام ثابت ہوتے ہیں :

" روی شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین فقال آمین وحفض بها صوته "

(ترمذی)

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے "غیر المغضوب علیھم ولاالضالین" پڑھا تو آہستہ آواز میں آمین کہا۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ آمین آہستہ آواز میں کہنی چاہئے خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔

اعتراض : اس حدیث پر ترمذی نے یہ ذکر کیا ہے۔ "حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة" سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے اور زیادہ اصح ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جس حدیث میں "ومدبھا صوتہ" ہے وہ روایت سفیان ہے اور وہ شعبہ کی حدیث سے قوی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث سے جو تم آمین کہنے میں آہستہ آواز سے کہنا ثابت کرتے ہو وہ درست نہیں۔

جواب : اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ "مدبھا صوتہ" والی حدیث قوی ہے تو پھر بھی اس سے بلند آواز میں آمین پڑھنا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حقیقی معنی "مد" کا لمبا کرنا ہے بلند کرنا ہے ہی نہیں حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لینے کی کیا ضرورت جب دوسری احادیث سے آہستہ آواز میں آمین کہنا ثابت ہے تو یقیناً "مدبھا صوتہ" کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ نے اپنی آواز کو کھینچ کر آمین مد سے پڑھا۔ بغیر مد کے آمین (بروزن فعیل) نہیں پڑھا۔ واضح ہو گیا کہ حقیقی معنی (کھینچ کر پڑھنا) ہی لینا صحیح ہے مجازی معنی "بلند آواز سے پڑھنا" صحیح نہیں ۔

☆☆☆☆☆

موطأ امام محمد (باب آمین فی الصلوٰۃ) سے حدیث

" اخبرنا مالك اخبرنی الزهری عن سعید بن مسیب وابی سلمة ابن عبدالرحمن عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفرله ما تقدم من ذنبه قال (مالك) فقال ابن شهاب کان النبی ﷺ یقول آمین "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو بیشک جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے پہلے گناہ معاف کردیے جائیں گے

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن شہاب نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ آمین کہتے تھے

اس حدیث پاک کو بیان کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے یہ ذکر کیا

" قال محمد وبهذا ناخذ ینبغی اذا فرغ الامام من ام الکتاب ان یؤمن الامام ویؤمن من خلفه ولا یجهرون بذالك"

(موطا امام محمد)

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ جب امام فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو تو وہ بھی آمین کہے اور جو اس کے پیچھے ہیں وہ بھی آمین کہیں اور بلند آواز نہ کریں ۔

الحمدللہ راقم نے حدیث بخاری پر جو بحث کی تھی وہ اپنے ذہن

سے کہ بخاری کی حدیث سے آمین کا بلند آواز سے کہنا کسی طرح بھی ثابت نہیں وہی مطلب امام محمد رحمہ اللہ نے بخاری سے پہلے بیان فرمایا، راقم نے مؤطا امام محمد پر بعد میں نظر کی۔ اگر بخاری نے امام محمد رحمہ اللہ کے پہلے بیان کردہ مطلب کے خلاف اپنا مؤقف بیان کیا تو راقم کو بھی حق پہنچتا ہے کہ بخاری کے خلاف اپنا مؤقف پیش کرے۔

آمین آہستہ پڑھنے پر واضح احادیث :

" عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ یعلمنا یقول لاتبادروا الامام اذکبر فکبروا و اذاقال ولاالضالین فقولوا امین واذارکع فارکعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد "

(مسلم باب ائتمام المأموم بالامام)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمیں (نماز کا طریقہ) سکھاتے تھے آپ فرماتے ہیں امام سے پہلے کوئی کام نہ کرو ،امام جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ آمین آہستہ آواز میں کہی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب نماز کا طریقہ بتایا تو آمین بلند آواز سے کہنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

اور احادیث کے دوسرے احکام سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ آمین

آہستہ کہی جائے کیونکہ ربنالک الحمد، آہستہ کہتا ہے تو آمین کو بھی آہستہ کہا جائے گا کیونکہ حکم ایک ہے۔

" عن ابی وائل قال کان عمر وعلی رضی الله عنهما لایجهران بسم الله الرحمن الرحیم ولا با لتعوذ ولاآمین "

(طحاوی ج ۱ ص ۱۴۰ باب قرائۃبسم اللہ فی الصلوۃ)

ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تسمیہ اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ دو جلیل القدر صحابی بلند آواز سے آمین نہیں پڑھتے تھے، لہذا آہستہ آواز میں پڑھنا ہی بہتر ہے

اعتراض : اس حدیث کی سند میں ابو سعد سعید بن مرزبان بقال ہے جس کو کئی لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔

جواب : یہ بات قابل تسلیم ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ پر ضعیف ہے لیکن دوسری احادیث سے اس حدیث کو تائید حاصل ہے اسلئے یہ حسن لغیرہ بن گئی لہذا اس سے احکام کا ثابت کرنا صحیح ہے۔ ضعیف کو جب دوسری احادیث سے تائید حاصل نہ ہو تو پھر اس سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

" عن ابراهيم قال خمس يخفيهن الا مام سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ و بسم الله الرحمن الرحيم وآمين و اللهم ربنا لك حمد "

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص۸۷ مصنف ابن ابیشیہ ج ۲ ص ۵۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ چیز امام مخفی رکھے

(۱) سبحانك اللهم وبحمدك الخ (ثناء)

(۲) تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)

(۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم (٤) آمین

(۵) اللھم ربنا لك الحمد اور اس حدیث پاک کی سندات صحیح ہیں۔

" عن ابراهیم انه کان یسر آمین "

(مصنف عبد الرزاق ج۲ ص ۹۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ آمین آہستہ کہتے تھے۔

" عن ابراهیم قال اربع یخفیهن الامام بسم اللہ الرحمن الرحیم والا ستعاذة وآمین واذا قال سمع اللہ لمن حمده قال ربنا لك الحمد "

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۵۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) استعاذہ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) (۳) آمین (۴) اور جب امام سمع اللہ لمن حمده کہے تو اس کے بعد ربنا لك الحمد آہستہ کہے۔

تنبیہ : اس مسئلہ میں احناف کے ائمہ کا اختلاف ہے کہ امام، اور مقتدی دونوں ہی سمع اللہ لمن حمده اور ربنا لك الحمد پڑھیں۔ (یہ صاحبین کا مسلک ہے) یا کہ امام صرف " سمع اللہ لمن حمده " کہے اور مقتدی صرف "ربنا لك الحمد " کہے (یہ امام صاحب کا مسلک ہے) فتویٰ اسی قول پر ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں تقسیم موجود ہے جس میں ذکر ہے۔

" واذا قال سمع اللہ لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد "

جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو تقسیم اشتراک کو نہیں چاہتی بلکہ ہر حصہ دار اپنا حصہ حاصل کرتا ہے یہاں بھی امام اور مقتدی کا حصہ علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔

فائدہ : احادیث میں ، ربنا لک الحمد۔ اور اللھم ربنا لک الحمد اور اللھم ربنا ولک الحمد، تمام الفاظ آئے ہوئے ہیں جو چاہے وہ پڑھ لے ،البتہ افضل آخری الفاظ کا پڑھنا ہے۔

" اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اربع یخافت بهن الامام سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ من الشیطن الرجیم وبسم الله الرحمن الرحیم وآمین قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة "

(کتاب للآثار الامام ابی حنیفة ج ۲۲)

امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کردہ آثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ میں مذکور ہی کہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا)

ہمیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ حماد نے روایت ابراھیم نخعی رحمہ اللہ سے کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں چار چیزوں کو امام آہستہ آواز سے پڑھے

(۱) سبحانك اللهم وبحمدك (۲) اعوذ بالله من الشیطان الرجیم (۳) بسم الله الرحمن الرحیم (۴) آمین ۔

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا یہی ہمارا مذہب اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

" عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفين عن الامام التعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وآمين واللهم ربنا لك الحمد "

(كنز العمال ج٨ص ٢٧٤)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔

(١) تعوذ (اعوذ بالله من الشيطن الرجيم)

(٢) بسم الله الرحمن الرحميم

(٣) آمين (٤) اللهم ربنا لك الحمد

" علقمه بن وائل يحدث عن وائل وقد سمعته من وائل انه صلى مع رسول الله ﷺ فلما قرأغير المغضوب عليهم الاالضالين قال آمين حفض بها صوته "

(السنن للبيهقى ج٢ص٥٧)

حضرت وائل کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی جب آپ نے "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پڑھا تو آہستہ آواز سے آمین کہا

" عن علقمه بن وائل عن ابيه انه صلى مع النبى ﷺ حين قال غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال آمين يحفض بهاصوته"

(مستدرك حاكم ج٢ص ٢٣٢)

حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ نے جب "غير المغضوب عليهم ولاالضامين" پڑھا تو آمین آہستہ آواز میں کہی۔

تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" قال ابو حنيفة رحمه الله اخفاء التامين افضل وقال الشافعى

رحمه الله اعلانه افضل واحتج ابوحنيفة على صحته قوله قال في قوله "آمين "وجهان احدهما انه دعاء والثاني انه من اسماء الله فان كان دعاء وجب اخفاؤه لقوله تعالى (ادعو ربكم تضرعا وخفية)وان كان اسما من اسماء ا لله تعالى وجب اخفاء ه لقوله تعالى "(واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة) فان لم يثبت الوجوب فلا اقل من الندبية ونحن بهذا القول "

(كبير پ۸ج۱٤ص۱۳۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر (احادیث کے ماسوا اور) دلیل یہ بیان کی ہے کہ لفظ "آمین" میں دووجہ ہیں۔ایک یہ کہ وہ دعاء ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں رب تعالی کا نام ہے اگر دعاء ہو تو مخفی رکھنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ادعوا ربكم تضرعا وخفية" اپنے رب سے عاجزی کے طور پر اور آہستہ دعا کرو۔اور اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں سے ہو تو پھر بھی مخفی رکھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة" اپنے رب کو عاجزی اور مخفی طور پر اپنے نفس میں یاد کرو۔

اس کے بعد علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آمین کا آہستہ کہنا واجب نہ بھی ثابت ہو تو مستحب تو ضرور ثابت ہو گا۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ آمین آہستہ کہنا مستحب ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

جب اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں تو آمین آہستہ کہیں ،جب ظہر اور عصر

امام کے پیچھے پڑھیں تو پھر بھی آہستہ ہی کہنی چاہئے لیکن جب آپ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ہوں تو جس وقت امام "ولا الضالین" کہے تو آپ کو اونچی آواز سے آمین کہنی چاہئے بلکہ امام بھی سنت کی پیروی میں "آمین" پکار کر کہے

(صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۵)

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات :

" عن وائل بن حجر قال سمعت رسول ا للہ ﷺ قرء غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقال آمین مد بھا صوتہ "

(ترمذی ،ابو داؤد ،دارمی ،ابن ماجہ)

وائل بن حجر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ نے پڑھا "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" پھر کہا آمین اور دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی ۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۵)

اس حدیث کو علامہ صادق صاحب غیر مقلد نے آمین کے بلند آواز سے پڑھنے پر دلیل بنایا ہے۔ لیکن بلند آواز سے آمین پڑھنے پر اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں۔

اس حدیث کو پہلے ترمذی کے حوالہ سے پیش کیا جا چکا ہے کہ حضرت وائل سے ایک روایت میں "وخفض بھا صوتہ "اپنی آواز کو پست رکھا۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے جبکہ "مد بھا صوتہ "کا حقیقی معنی مراد لیا جائے یعنی آواز کو لمبا کیا۔

علامہ صادق صاحب نے بھی معنی ٹھیک کیا ہے لیکن مراد غلط لی کیونکہ انہوں نے معنی کیا ہے "دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی" اس معنی کے مطابق یہی مطلب مراد ہوگا کہ آپ نے آمین کہتے ہوئے آواز کو پست رکھا لیکن آمین کو کھینچ کر لمبی آواز سے پڑھا نہ کہ بلند آواز سے پڑھا۔ کیونکہ آواز کو بلند کرنا "مد" کا مجازی معنی تو ہو سکتا ہے، حقیقی نہیں۔

غیر مقلدین کی اور دلیل:

اس دلیل کا عنوان قائم کیا گیا ہے:

"آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھی" صحیح بخاری میں ہے "امّن ابن زبیر ومن وراءہ حتی ان للمسجد للجة" یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(بخاری) (صلوۃ الرسول ص۱۹۷)

غیر مقلدین کی ایک اور دلیل:

" عن ابی هريرة قال ترك الناس التامين وكان رسول الله ﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال آمين حتى يسمع اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ جب غير المغضوب عليهم والاالضالين کہتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد اس سے گونجنے لگتی۔

ان دلیلوں کا جواب :

غیر مقلدین کی ان دونوں دلیلوں سے آمین کا بلند کر کے نماز میں پڑھنا یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جائے" ثابت نہیں ہو سکتا۔

1 :- پہلی حدیث میں"لجۃ"اور دوسری میں"یرتج"کے معانی گونج اٹھنا کئے گئے جو درست نہیں۔ ان دونوں لفظوں کا معنی لغت کے مطابق گونجنا غلط ہے۔

ارتج :تحرك واهتز ،والبحر اضطرب والكلام والظلام اختلط والتبس۔

(المعجم الوسیط)

یعنی ارتج :کا تعلق جب کلام سے ہو تو اس کا معنی ہو گا"کلام میں اختلاط پیدا ہونا"(ملی جلی آواز خواہ آہستہ ہی کیوں نہ ہو)

الرجۃ : آوازوں کا اختلاط، ارتج الکلام :گفتگو کا ملتبس ہونا

(المنجد عربی ،اردو)

ارتجت الاصوات :اختلطت (المعجم الوسیط)

یعنی لجۃ کا معنی بھی آواز کا مختلط ہونا ہی ہے۔ التجت الاصوات : آوازوں کا مخلوط ہونا ،اللجۃ مخلوط آوازیں۔

(المنجد عربی اردو)

لغات کو دیکھنے سے پتہ چلا کہ ان دونوں لفظوں کا معنی صرف آوازوں کا مل جل جانا ، آہستہ آہستہ آوازیں بھی بولنا اختلاط پیدا کر دیتا ہے۔ گونجنا، چلانا شور کرنا معانی ضروری نہیں ، مجازی طور پر قرائن کے پائے جانے پر یہ معانی کسی حد تک مراد لئے جا سکتے ہیں۔

2 :- گونجنا، معنی کرنا اس لئے بھی درست نہیں کہ گونج پختہ اور چھوٹی عمارت میں پائی جاتی ہے۔ کچی عمارت میں کبھی گونج نہیں ہوتی، اور وسیع عمارات میں بھی گونج نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کچی اور چھت کھجوروں کی پتوں اور چھڑیوں کا تھا، پانی ٹپکتا تھا، اس وقت کی مسجد کا گونجنا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

آج کی مسجد نبوی وسیع، طویل وعریض ہونے کی وجہ سے نہیں گونجتی، اس لئے گونجنے کا معنی غلط ہے۔ واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک آمین سے گونج رہی ہے لغو اور باطل قول ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

3 :- دونوں حدیثوں میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں، اس لئے یہ کہنا کہ یہ نماز میں آمین کہنے کا ذکر ہے، یہ صرف عقلی احتمال ہے۔ اسے ہم ماننے کیلئے تیار نہیں۔ جب "صلوۃ" (نماز) کا ذکر نہیں تو ان احادیث کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے کہ "لکن زبیر رضی اللہ عنہ نے دعاء میں آمین کہی اور دوسرے لوگوں نے بھی دعاء میں آمین کہی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ نے دوران خطبہ آمین کہی ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دوران جنگ آمین کہی ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی کیونکہ آپ دورانِ جنگ قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں بھی زیادہ واضح احتمال یہ ہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ فاتحہ کا آخری حصہ بطور دعاء پڑھا ہو، اس کے آخر میں خود

بھی آمین کہا ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی آمین کہا ہو۔ جب دونوں حدیثوں میں نماز کا ذکر نہیں، تو زبردستی نماز مراد لینی کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔

اعتراض : پہلی حدیث میں "وراء ہ" کا ذکر ہے۔ جس کا معنی ہے "ان کے پیچھے"، یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب آمین کہی تو آپ کے پیچھے دوسرے لوگوں نے آمین کہی کسی کے پیچھے لوگ صف بنا کر اسی وقت کھڑے ہوتے ہیں جب نماز ادا کر رہے ہوں۔ اور دوسری حدیث میں "صف" "کا واضح طور پر ذکر ہے۔ جس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ معاملہ نماز کا ہی ہے۔ نماز کے بغیر صف کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

جواب : "وراء" کا لفظ بمعنی سواء، علاوہ کے آتا ہے' خواہ کوئی آگے ہو یا پیچھے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی آمین کہی ان کی آواز آپس میں مختلط ہو گئی (مل جل گئی)۔

دوسری حدیث میں جو صف کا ذکر ہے اس سے بھی نماز مراد لینا کوئی ضروری نہیں۔ اس لئے کہ نماز کے بعد دعاء کی جائے تو لوگ صف میں بیٹھے ہوتے ہیں۔

۴ :- پہلی حدیث بخاری سے لی گئی ہے جو علامہ بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔ تعلیقاً کا یہ مطلب ہے کہ ان کی سند حذف کردی جائے، بخاری جو حدیثیں تعلیقاً ذکر کرتے ہیں ان کی سندیں جب نہیں ذکر کرتے تو ان

حدیثوں کو صحیح کہنا ضروری نہیں اور نہ ہی بخاری نے ان کے صحیح ہونے کو اپنے آپ پر لازم کیا ہے۔ لہذا ان حدیثوں کو دلیل بنا کر صرف جاہل عوام کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے کسی صاحب علم کو دھوکہ دینا ممکن نہیں۔ آیئے اسی مذکورہ حدیث کی سند کو دیکھ لیں بخاری نے صرف یہ ذکر کیا ہے۔

" وقال عطاء آمين دعاء امن ابن الزبير ومن ورائه حتى ان للمسجد للجة "

اسی حدیث کے بین السطور میں دیکھیں یہ تحریر ہے "ابتداء كلام من اخبار عطاء" کلام کی ابتداء عطاء کی خبر سے ہے۔ یعنی مفہوم یہ ہے کہ عطاء نے خبر دی ہے کہ آمین دعاء ہے 'ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی تو آپ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی آمین کہی تو مسجد میں کلام کا اختلاط ہوا۔

یہاں دیکھ لیں کہ علامہ بخاری نے سندات کو چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہ رہا۔ مقام توجہ یہ ہے کہ یہاں دعاء میں آمین کہنا زیادہ واضح ہے نماز میں آمین کہنا اتنا واضح نہیں۔

اعتراض:- مقدمہ مشکوٰۃ میں تو یہ ذکر ہے:

"والتعليقات كثيرة فى تراجم صحيح البخارى ولها حكم الاتصال لانه التزم فى هذا لكتاب ان لا ياتى الا بالصحيح" ، بخاری میں کثیر تعلیقات پائی گئی ہیں۔ لیکن وہ متصل (جن کی اسناد حذف نہ ہوں) کے حکم میں ہیں، کیونکہ بخاری نے اس کتاب میں صحیح احادیث کے ذکر کو لازم پکڑا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بخاری

کی تعلیقات کو اصح الاسانید ماننا لازم ہو گیا۔ یہ کیسے کہا جائے گا کہ بخاری کی تعلیقات کو صحیح ماننا ضروری نہیں۔

جواب : اسی کے آگے مقدمہ مشکوۃ میں یہ بھی ذکر ہے "ولکنھا لیست فی مرتبة مسانیده الا ماذکر منھا مسند فی موضع آخر من کتابه" بخاری کی تعلیقات میں اگرچہ صحیح ہونے کا احتمال ہے لیکن ان کو وہ درجہ حاصل نہیں جو بخاری کی مسانید کو حاصل ہے۔ ہاں اگر معلق حدیث دوسری جگہ مسند ذکر ہو تو اس کی صحت کو ماننا ضروری ہو جائے گا۔

5 :- دوسری حدیث قابل حجت ہی نہیں کیونکہ وہ ضعیف ہے اس کا ضعف سند کے لحاظ پر بھی ہے اور متن کے لحاظ پر بھی حدیث کا سند کے لحاظ سے ضعف دیکھیں۔ اس روایت میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کے متعلق بخاری نے کہا "لایتبع فی حدیثه "اس کی حدیث میں کسی اور نے اس کی تابعداری نہیں کی حضرت امام احمد حنبل نے کہا "ضعیف "وہ ضعیف راوی ہے۔ ابن معین نے کہا "حدث بمناکیر "اس نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ نسائی نے کہا "لیس بالقوی "وہ راوی قوی نہیں۔ " وقال ابن حبان یروی اشیاء موضوعة "ابن حبان نے کہا وہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

(شرح آثار سنن ص(۱۸۹)

متن کے لحاظ پر حدیث کا اضطراب دیکھیں......ابو داود نے بشر بن رافع کے طریق (واسطہ روایت) سے ہی حدیث بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

" كان رسول الله ﷺ اذا تلا غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول "

نبی کریم ﷺ جب تلاوت فرماتے "غیر المغضوب علیھم ولاالضالین" تو کہتے آمین یہاں تک کہ آپ کے متصل پہلی صف والے لوگ سنتے۔

اس حدیث کا ابن ماجہ والی حدیث سے دو طرح فرق ہے۔ایک تو یہ کہ اس میں فیر تج بها المسجد' (مسجد گونجتی (آپ کا معنی) کے الفاظ نہیں

دوسرا فرق یہ ہے کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے "حتى يسمع اهل الصف الاول "یہاں تک کہ پہلی صف والے سارے لوگ سنتے۔اور حدیث ابو داؤد میں ہے "حتى يسمع من يليه من الصف الاول "یہاں تک کہ پہلی صف میں سے وہ لوگ سنتے جو آپ کے متصل ہوتے۔اس حدیث سے پہلی صف کے تمام لوگوں کا سننا نہیں سمجھ رہا، بلکہ صرف متصل چند لوگوں کا سننا سمجھ آتا ہے۔

اور یہی حدیث مسند ابی یعلی میں بشر بن رافع کے واسطہ سے ہی اسطرح ذکر ہے۔

" نصر بن علي الجهضمي نا صفوان بن عيسى عن بشر بن رافع عن عبدالله بن عم ابى هريرة قال ترك الناس آمين وكان رسول الله ﷺ اذا قرأ غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال آمين حتى يسمع الصف الاول"

اس حدیث میں صف اول کا سننا تو ذکر ہے لیکن "فير تج بها المسجد" ذکر نہیں۔

جب ایک ہی سند سے ایک ہی حدیث کے الفاظ مختلف ہو جائیں بعض کا مطلب اور بعض کا اور : تو یہ متن میں اضطراب ہے۔اس حدیث کو اپنے مطلب کے بعض الفاظ کے ذریعے جو دوسری جگہ نہیں دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

جب دو کتب میں یہ حدیث "فیر تج بھا المسجد" کے الفاظ سے خالی ہے تو دو کو چھوڑ کر صرف ایک کو دلیل بنانا کیسے درست ہے ؟ جبکہ سند میں بھی ضعف ہے اور متن بھی اضطراب تو اسے دلیل بنانا ضعیف ہے۔

اعتراض: اگر بہت زیادہ گونج نہ ثابت ہو تو مطلقاً کچھ بلند آواز سے پڑھنا تو ثابت ہو گیا کہ پہلی صف کے کچھ لوگ سن لیتے تھے۔ تمہارا یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ وہ خود ہی سنے "دوسرا نہ سنے" اتنی آہستہ آواز میں پڑھنا کس طرح ثابت ہو گا۔

جواب : ہم نے آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرنے والی احادیث کو ذکر کر دیا ہے اس حدیث کے متعلق اور اس سے پہلی حدیث کے متعلق ذکر کر چکے ہیں کہ ان میں نماز کا ذکر ہی نہیں۔ یہ مسئلہ دعاء کا ہے۔

اگر بالفرض ان کو نماز سے متعلق کیا جائے تو پھر بھی ان کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا پہلی حدیث کی صحت کا یقین نہیں اور دوسری کا ضعیف ہونا یقینی ہے۔ جب ان کو دلیل ہی نہیں بنایا جا سکتا تو یہ کہنا کہ اتنا سننا تو سمجھ آرہا ہے کہ پہلی صف کے قریب والے سن لیتے تھے بلا دلیل ہو گیا۔ ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہیں۔

اگر ہم آپ کی بات کو تسلیم ہی کر لیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ

نبی کریم ﷺ بعض اوقات تعلیم امت کیلئے آہستہ پڑھنے والے الفاظ کو بلند پڑھ لیا کرتے تھے' یہ صرف آمین کی بات نہیں' بلکہ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کے کچھ الفاظ بلند آواز سے پڑھنے بھی ثابت ہیں۔

اعلاء السنن میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی تعلیم امت کیلئے آمین کہتے ہوئے کچھ بلند آواز سے آمین کہہ لیتے تھے۔

حضرت وائل بن حجر کی ایک حدیث میں یہی وضاحت موجود ہے۔

" وقرأغير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين يمد بها صوته ما اراه الا يعلمنا "

(اخرجه ابو بشر الدولابی فی الاسماء والكنى)(اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۸۶)

نبی کریم ﷺ نے جب غير المغضوب عليهم ولا الضالين' پڑھا تو آمین کہی اور اس میں آواز کو کھینچا ،(راوی نے کہا) یہ میرا یقین ہے کہ صرف ہماری تعلیم کیلئے آپ نے ایسے کیا۔

" عن جميل بن مرة وحكيم انهم دخلوا على مؤرق العجلى فصلى بهم الظهر فقرأ بقاف والذاريا ت اسمعهم بعض قراء ته فلما انصرف قال صليت خلف ابن عمر فقرأ بقاف والذاريات واسمعنا نحو ما اسمعناكم "

(طحاوی ج۱ ص ۱٤٤)

جمیل بن مرہ اور حکیم کہتے ہیں ہم مؤرق عجلی کے پاس گئے ،انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی ،آپ نے (پہلی رکعت میں) سورۃ قاف اور (دوسری رکعت میں) سورۃ والذاریات پڑھی اور ہمیں قراءت میں کچھ حصہ سنایا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا

کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے سورۃ قاف اور سورۃ ذاریات پڑھی۔ انہوں نے بھی ہمیں بعض حصہ سنایا تھا۔

یہ صرف تعلیم کیلئے تھا۔ جیسا نبی کریم ﷺ نے تعلیم کیلئے بعض الفاظ بلند آواز سے پڑھے، اسی کے مطابق صحابہ کرام اور تابعین نے بھی بعض الفاظ پڑھے۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں قنوت پر بحث کرتے ہوئے یہ تحریر کیا:

" فاذا جهر به الامام احيانا ليعلم المامومين فلا بأس بذلك فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم الما مومين وجهر ابن عباس لقراء ة الفاتحة فى صلوة الجنازة ليعلم انها سنة ومن هذا ايضا جهر الامام بالتأ مين "

(زاد المعاد ج ص ۷۰)

امام جب اسے (قنوت کو) کبھی بلند آواز سے پڑھے تاکہ مقتدیوں کو علم حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقتدیوں کی تعلیم کے لیے ثناء کو بلند آواز سے کبھی پڑھ لیتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں فاتحہ کو کبھی بلند آواز سے پڑھ لیتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے، اسی قبیلہ سے ہی آمین کو بلند آواز سے پڑھنا بھی ہے۔

یعنی جو بعض اوقات بلند آواز سے آمین کے پڑھنے کی کوئی صحیح روایت مل جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا۔

تنبیہ: نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی غیر مقلدین اور احناف کے

درمیان اختلاف پر مبنی ہے۔اس کی علیحدہ بحث ہے۔اسی تحریر میں اس کا بھی ذکر ان شاء اللہ کردوں گا۔

غیر مقلدین کی اور دلیل :

اس کا عنوان بنایا گیا "حضرت علی کا آمین سنا" اسکے تحت یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

" عن علی قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول آمین اذا قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین "

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" پڑھ کر آمین کہنا میں نے سنا

(مستدرک حاکم ،اعلام الموقعین) (صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۶)

جواب :

پہلی بات تو آپ سے یہ پوچھنی ہے کہ ہم اگر مستدرک حاکم سے کوئی حوالہ پیش کریں تو آپ یہ کہتے ہیں۔صحاح ستہ سے کوئی حدیث دکھاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تم سے کوئی جواب نہ بن پڑے تو جان چھڑانے کیلئے پرویزیوں کی طرح تمہارا یہ حربہ ہے،جس طرح وہ کہتے ہیں ہم تو صرف قرآن کو مانتے ہیں،حدیث کو نہیں مانتے (العیاذ باللہ) لیکن خیر یہ تو صرف اس لئے ذکر کردیا ہے،لوگوں کو آپ کا پتہ چل جائے کہ تم بھی صحاح ستہ کے بغیر حدیثیں اپنا موقف ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے ہو۔

آیئے اب اصل جواب کی طرف، خدارا ذرا انصاف سے یہ تو بتائیں کہ حدیث پاک میں نماز کا ذکر ہے کہ آپ نماز میں آمین کو سنتے تھے۔ پھر یہ تو بتائیں کہ حدیث پاک میں کوئی ایسا لفظ ہے جس کا معنی یہ ہو کہ حضور ﷺ بلند آواز سے آمین پڑھتے تھے۔ جب یہ ذکر نہیں تو ایک احتمال یہ ہے کہ یہ نماز کے بغیر دعاء کا مسئلہ ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے قریب کھڑے ہوں۔ حضور ﷺ نے آہستہ آواز سے پڑھا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن لیا ہے۔ ہم کئی مرتبہ بعض اماموں کے آہستہ پڑھنے کے باوجود ان کے کئی الفاظ سن رہے ہوتے ہیں۔ اور تیسرا احتمال یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے تعلیم امت کیلئے کبھی کچھ آواز سے پڑھ لیا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن لیا ہو۔

اس حدیث سے تمہارا دعوٰی ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں کئی احتمال ہیں، لہذا یہ حدیث قابل حجت و دلیل نہیں۔

غیر مقلدین کی اور دلیل :

عنوان مقرر کیا گیا ہے "عورتوں کی صف میں آمین کی آواز" اس کے تحت یہ حدیث نقل کی گئی۔

" عن ابن ام الحصین عن امه انها صلت خلف رسول الله ﷺ فلما قال ولا الضا لین قال آمین فسمعته وهی فی صف النساء"

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز

پڑھی حضور ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھی تو آمین کہی جسے مائی صاحبہ (ام حصین) نے سنا۔ حالانکہ مائی صاحبہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

یہ حدیث امام زیلعی اپنی تخریج میں لائے ہیں اور اسناد پر کوئی جرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی غیر مجروح ہے اور طبرانی کبیر میں بھی مروی ہے۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۶،۱۹۷)

جواب :

پہلی بات تو یہی ہے کہ یہ حدیث تم نے صحاح ستہ سے کیوں نہیں لائی ؟ خیر ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض صرف تمہاری بے اصولی پر ہے۔ ورنہ جو حدیث بھی ہو کسی کتاب سے ہو ہمارے سر آنکھوں پر، ہم صرف حدیث کے معیار کو دیکھیں گے ،اگر ضعیف ہوئی تو حجت نہیں بنائیں گئے ،اگر صحیح ہوئی تو حجت (دلیل) بنالیں گے جو حدیث تم نے پیش کی ہے وہ ضعیف ہے اس لئے اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اس حدیث کی سند میں "اسماعیل بن مسلم مکی" ہے۔ جس کو ترمذی نے کئی مقامات پر ضعیف بتایا ہے۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو منکر الحدیث" وہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ نسائی رحمہ اللہ نے کہا "ھو

متروك "وہ متروک ہے یعنی اس کی روایت کردہ حدیثوں کو چھوڑ دیا گیا۔

(از کشف المعضلات ص ۱۷۳)

خیال رہے کہ اس میں یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آمین کچھ آواز سے تعلیم امت کیلئے کہی ہو۔ ساتھ والوں نے سن کر اتنی آواز میں کہہ لی ہو، اس طرح یہ سلسلہ عورتوں کی صف تک پہنچ گیا ہو۔ حدیث میں صرف ایک بار سننے کا ذکر ہے۔ ہمیشہ سننے کا ذکر نہیں۔ اسلئے اس حدیث سے ہمیشگی ثابت کرنا ممکن ہی نہیں۔

غیر مقلدین کی اور دلیل :

" و كان ابو هريرة ينادى الامام لا تفتنى بآمين "

(بخاری ج ۱ باب جهر الامام بالتامين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کو آواز دے کر کہتے تھے کہ ایسا نہ ہو میری آمین جاتی رہے۔

اس حدیث اور بخاری کے عنوان سے پتہ چلا کہ امام کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے۔ آہستہ آمین کہنے کا قول صحیح نہیں۔

جواب :

یہ حدیث بھی بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔ جسے دلیل بنانا اور صحیح کہنا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے اسناد بیان کر کے وصل کر دیا ہے، اور وجہ بھی بیان کی ہے کہ یہ کس وقت کا ارشاد ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مؤذن تھے، آپ امام سے کہتے کہ اتنی جلدی نہ

کرنا کہ میری آمین جاتی رہے، اس حدیث سے واضح ہوا کہ آمین کہنا سنت ہے اور صحابہ کرام کو آمین کہنے کا کیسا شوق تھا۔ اس حدیث سے بلند آواز سے آمین کہنا کیسے ثابت ہوا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مؤذن تھے علاء بن حضرمی کے بحرین میں اور کچھ وقت کیلئے مروان بن حکم کے بحرین میں مؤذن رہے۔ آپ نے یہ شرط لگائی تھی کہ میں مؤذن تب رہوں گا جب مجھے پہلی رکعت کی فاتحہ میں ملنے دیا جائے گا تاکہ میں امام کے ساتھ آمین میں شریک ہو سکوں۔ اس میں آمین بلند آواز سے کہنا ثابت نہیں۔

(از عینی شرح بخاری ج ٦ ص ٤٨)

اعتراض:

عینی میں تو اسی بحث کے ضمن میں یہ ذکر ہے۔

" فکان اذا قال مروان ولاالضالین قال ابو هريرة آمين يمد بها صوته وقال اذا وافق تامين اهل الا رض تامين اهل السماء غفر لهم "

(عینی ج ٦ ص ٤٨)

مروان جب "ولاالضالین،، کہتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آمین کہتے اور آواز کو بلند کرتے اور یہ کہتے کہ جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین کے موافق ہو گئی تو ان کے (پہلے گناہوں کی) مغفرت کردی جائے گی۔

اس سے تو واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

جواب :

یہاں بھی "یمد بھا صوتہ" کا معنی بلند آواز سے آمین کہنا کر دیا گیا ہے حالانکہ صحیح معنی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آواز کو کھینچ کر لمبا پڑھتے تھے اس معنی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے تائید بھی پائی گئی ہے کہ آپ جب آمین لمبی آواز سے (بلند سے نہیں) کہتے تو ساتھ یہ فرماتے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کی مغفرت ہو گی۔ فرشتوں کی آمین بلند آواز سے نہیں ہوتی۔ بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آمین کو ذرا آہستہ پڑھا جائے' لمبا کر کے پڑھا جائے تاکہ فرشتے بھی پڑھنا شروع کریں تو ہماری آمین ان کی آمین سے مل جائے اور ذریعہ بخشش بن جائے۔

اس حدیث سے بلند آواز سے آمین کو ثابت کرنا بے فائدہ کوشش ہو گی۔

غیر مقلدین کی اور دلیل

" عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ اذا فرغ عن قراء ة ام القرآن رفع صوته وقال آمين "

(دار قطنی بمستدرك حاكم آثار سنن ص ۱۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم ﷺ جب فاتحہ کے پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

اس حدیث سے تو واضح طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

جواب :

اس حدیث کے متعلق آثار السنن میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں "وفی اسناد ہ لین "اس کے اسناد میں کمزوری ہے شرح میں طویل بحث کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکی سند کے متعلق کہیں صحیح اور کہیں حسن ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے راویوں میں اسحاق بن ابرہیم بن العلاء زبیدی بن زبریق ہے جس کو ابو داؤد اور نسائی نے ضعیف کہا۔ محمد بن عوف طائی نے کاذب کہا "فثبت ان اسنادہ لا یخلو عن وھن "معلوم ہوا کہ اس حدیث کا اسناد کمزوری سے خالی نہیں۔ پھر اس کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں زہری نے سعید اور ابو سلمۃ سے روایت کی اور دونوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

" ان النبی ﷺ کان اذا فرغ من قراء ۃ فاتحۃ الکتاب رفع صوتہ بآمین "

بیشک نبی کریم ﷺ جب فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہا۔

لیکن اسی سند سے جو روایت زہری نے فقط ابو سلمہ (یعنی سعید کا ذکر نہیں) سے اور ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "اس کے الفاظ یہ ہیں۔

" عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ اذا امن الامام فامنوا "

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بیان فرمایا

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

دار قطنی نے متن کا یہ اختلاف بیان کرنے کے بعد ذکر کیا

"والمحفوظ عن الزهری اذاامن الامام فامنوا"

زہری سے صحیح باوثوق روایت وہی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

معلوم ہوا کہ زہری سے وہ روایت محفوظ ہی نہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھا تو بلند آواز سے آمین کہا۔

جب یہ حدیث متن کے لحاظ پر اضطراب کا شکار ہے اور سند کے لحاظ پر بھی کمزوری سی خالی نہیں تو اسے کیسے دلیل بنایا جا سکتا ہے کہ آمین بلند آواز سے پڑھنی چاہئے۔

غیر مقلدین کی اور دلیل :

...س پر عنوان مقرر کیا گیا ہے "یہودیوں کا آمین سے چڑنا" اس کے تحت یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ ما حسد تکم الیهود علی شنی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین

(رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس قدر یہود آمین (اونچی) سے چڑتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں، پس تم بہت آمین کہنا

(ابن ماجہ) (صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۹)

جواب :

اس حدیث کا ترجمہ ہی تم نے غلط کیا ہے۔ایک غلطی تو یہ کی کہ حسد کا معنیٰ چڑنا کر دیا۔ حلانکہ حسد کا مطلب ہوتا ہے کسی کی نعمت کا زوال طلب کرنا کہ اس سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور مجھے مل جائے ایک اور لفظ ہے "غبطة" جس کا مطلب ہے کسی کی نعمت جیسی نعمت کی طلب ہو لیکن اس کی نعمت کے زوال کی تمنا نہ ہو۔ایک ہے کسی کی نعمت پر جلنا ، غصہ میں آنا ، دانت پیسنا۔ یہ ہے ہماری زبان میں چڑنا۔

واضح ہوا کہ حدیث پاک کا ترجمہ اپنا مطلب نکالنے کیلئے غلط کر دیا گیا غلط تراجم سے صرف جہلاء کو بھکایا جا سکتا ہے۔پھر ترجمہ میں بریکٹ میں (اونچی) کا اضافہ بھی غلط ہے۔وہ کون سا قرینہ پایا گیا ہے۔جس کی وجہ سے بریکٹ میں (اونچی) کے لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

آیئے دیکھیں صحیح ترجمہ کیا ہے ؟ صحیح ترجمہ یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود تم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا آمین پر حسد کرتے ہیں، آمین زیادہ کہا کرو۔

اس حدیث پاک سے پہلے ابن ماجہ کے اسی باب ص ۶۱ پر ہی ایک اور حدیث شریف ذکر ہے ،ذرا اسے دیکھیں۔

" عن عائشة عن النبی ﷺ قال ما حسد تکم الیهود علی

شئی ما حسدتکم علی السلام والتامین "

(ابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر یہود کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں

آیئے ان احادیث کو سمجھنے کی کوشش کریں پھر خود بخود واضح ہو جائے گا کہ ان کا مطلب کیا ہے۔

" لعل سبب حسد هم ان هذين الامرين مطبو عان لهم ولا يعملون بهما لئلا يلزمهم التاسی والاقتداء باهل الاسلام "

(انجاح الحاجة)

یہود کے حسد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو بھی یہ دونوں چیزیں یعنی سلام اور آمین عطاء ہوئی تھیں، لیکن وہ عمل نہیں کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کی اقتداء لازم نہ آجائے، مسلمانوں کی اقتداء ان کیلئے پریشانی کا سبب تھی۔

حدیث پاک میں نماز کا ذکر نہیں۔ جس سے پتہ چلے کہ یہ نماز میں آمین کہنا مراد ہے۔ اور بلند کہنے کا کوئی ذکر نہیں کہ پتہ چلے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ یہود کو مسلمانوں پر حسد تھا کہ ان کو سلام اور آمین جیسی نعمتیں ملیں تو یہ ان پر عمل بھی کر رہے ہیں۔ ہم عمل تو نہیں کر سکے اللہ کرے کہ یہ نعمتیں مسلمانوں سے بھی چھن جائیں تاکہ یہ بھی ان سے محروم ہو جائیں۔ اب آپ خود ہی انصاف سے بتائیں کہاں نماز میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے حدیث پاک میں تو صرف آمین کہنے کا ذکر ہے۔

حقیقت یہ ہے :

" قال النیموی لم یثبت الجھر بالتا مین عن النبی ﷺ ولا عن الخلفاء الاربعة وما جاء فی الباب فھو لا یخلو من شئی "

(آثار سنن) ص ۱۹۰

نیموی نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین سے۔ اور جو حدیثیں ثابت ہیں وہ ضعف سے خالی نہیں (جن کا تفصیلی ذکر کیا جاچکا ہے)

غیر مقلدین اور احناف میں فرق :

غیر مقلدین کی گندی ذھنیت اور بیہودگی دیکھیں، پھر اہل سنت وجماعت احناف کی سنجیدگی۔ فرق واضح ہو جائے گا۔

غیر مقلدین کا بیہودہ کلام :

اے منکرین آمین بالجہر (بلند آواز) سے روکنے والو! سوچو کہ تم کس قدر بے نصیب اور نامراد ہو بلکہ اوروں کو بھی اس نعمت سے نامراد اور بے نصیب کرتے ہو۔

(اثبات آمین بالجھر ص ۱۳ مولوی نور محمد گرجا کھی غیر مقلد)

اسی رسالہ میں اور بیہودہ انداز انہوں نے یوں اختیار کیا "یہودی آمین بالجہر سے جلتے تھے، حنفی بھی آمین بالجہر سے جلتے ہیں۔

(اثبات آمین بالجھر)

یہ زہر افشانی ، کلام نجس ،انسانیت سے دور غیر مقلد مولوی کی ہے۔جب مولوی یہ ہے تو جاہلوں کا کیا کہنا۔

احناف کا سنجیدہ کلام :

حضرت علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ مہتمم حزب الاحناف لاہور اپنی تصنیف لطیف فیوض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں :

واضح ہوا کہ آمین بالجہر و قراءۃ خلف الامام ورفع یدین وغیرہ ایسے مسائل نہیں ہیں جن کی بنیاد پر ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کی جائے اور گمراہی وبے دینی کے فتوے دیئے جائیں ۔یہ فروعی مسائل ہیں اور سلف صالحین میں بھی ان کے متعلق دورائیں تھیں اور ائمہ دین امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی و ،مالک واحمد رضی اللہ تعالی عنہم کے درمیان بھی ان مسائل میں اختلاف رہا ہے اور ہے ۔ہر ایک فریق نے کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

غیر مقلد وہابی ان مسائل میں جو غلو کرتے ہیں حتی کہ بعض تو احناف پر حدیث رسول پس پشت ڈال دینے تک کا الزام لگاتے ہیں، یہ ان کی سخت نادانی ہے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے ان مسائل میں غلو سے باز رہنا چاہیے۔

ہم اہلسنت وجماعت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ آمین ورفع یدین کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں ۔یہ بھی غلط ہے ہم

ان فروعی مسائل کی بناء پر کسی کو گمراہ و بے دین نہیں قرار دیتے۔ البتہ غیر مقلد وہابیوں سے ہمارا اصل اختلاف عقائد کا اختلاف ہے، جس کی بناء پر ہم انہیں حق پر نہیں سمجھتے۔

(فیوض الباری ج۲ ص۴۲۹)

جو بحث بیان کی ہے اس میں غیر مقلدین کی بہترین اور ان کے خیال میں پختہ دلیلوں کا جواب دے دیا ہے، اور اپنے دعوای پر صحیح احادیث کو پیش کر دیا ہے امید ہے کہ اہل سنت و جماعت احناف کو اپنا مذھب سمجھنے میں مدد ملے گی اور غیر مقلدین بھی ضد اور عناد اگر چھوڑیں تو ان کو بھی راہ راست پر لانے کیلئے یہ تحریر معاون ثابت ہو گی۔

☆☆☆☆☆

تکبیراتِ عیدین

عید کی نماز کی تکبیروں اور قراءت میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیرات زوائد ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات زوائد ہیں۔ پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد قراءت سے پہلے ہیں اور دوسری رکعت میں بھی قراءت سے پہلے ہیں۔

احناف کا مذہب :

دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد تین تین ہیں ۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تعوذ اور تسمیہ سے پہلے تکبیرات زوائد کہی جائیں۔ اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تکبیرات زوائد کہے اور پھر چوتھی تکبیر بغیر رفع یدین کے رکوع کیلئے کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔

غیر مقلدین کے دلائل :

" عن عمر وشعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ کبرفی عید

ثنتی عشر تکبیرۃ سبعا فی الاولی وخمسا فی الآخرۃ "

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰ ابن ماجه ابواب اقامة الصلوة باب ما جاء فی کم یکبر الامام فی صلوة العیدین دارقطنی کتاب العیدین سنن کبری للبیهقی باب التکبیر فی صلوة العیدین)

عمرو بن شعیب اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے عید میں بارہ تکبیریں کہیں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ۔

تنبیہ: مکمل جواب تو ان شاء اللہ بعد میں آئے گا۔ البتہ سند حدیث پر ہر حدیث کے ساتھ ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ غیر مقلدین جو احادیث اس مسئلہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کی اسناد کا کیا حال ہے ؟

اس حدیث کی سند کے متعلق بیان کیا گیا "واسنادہ لیس بالقوی" اس کی سند قوی نہیں۔

(آثار سنن ص ۴۹۴)

" عن عمرو بن عوف المزنی ان النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الاولی سبعا قبل القرءۃ "

(ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین ،وابن ماجه باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوۃ العیدین)

عمرو بن عوف مزنی سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں قراءت سے پہلے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا "واسنادہ ضعیف جدا "اسکی سند بہت ہی زیادہ ضعیف ہے۔

کیونکہ اس کی سند میں "کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی" ہے

جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔

" قال الذهبي في الميزان قال ابن معين ليس بشئي وقال الشافعي وابوداؤد ركن من اركان الكذب وقال النسائي ليس بثقة "

(از شرح آثار سنن ص ۴۹۵)

ذہبی نے میزان میں ذکر کیا ہے کہ ابن معین نے اس راوی کے متعلق کہا ہے وہ کوئی چیز نہیں۔ امام شافعی اور ابوداؤد رحمہا اللہ نے کہا ہے کہ وہ کذب کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں۔

" عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله ﷺ كبر في الفطر والاضحى سبعا وخمسا سوى تكبيرة الركوع "

(ابن ماجه باب ماجاء في كم يكبر الامام في صلوة العيدين ابو داؤد باب التكبير في العيدين)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الضحیٰ میں رکوع کی تکبیر کے بغیر سات اور پانچ تکبیریں کہیں۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے۔

"وفي اسناده ابن لهيعة وفيه كلام مشهور "

(آثار سنن ص ۴۹۶)

اس حدیث کی راویوں میں ایک راوی ابن لہیعہ ہے جس کے ضعف کے متعلق مشہور کلام ہے۔

" وعن سعد المؤذن ان رسول الله ﷺ كان يكبر في العيدين في الاولى سبعا قبل القراءة وفي الآخرة خمسا قبل القراءة "

(ابن ماجه باب ماجاء في كم يكبر الامام في صلوة العيدين)

سعد مؤذن سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ عیدین میں پہلی رکعت قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہتے اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے۔

اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "واسناده ضعيف" اس کی سند ضعیف ہے

(آثار سنن ص ۴۹۶)

اس کی سند کے ضعف کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ روایت "عبد الرحمٰن بن سعد قرظی" سے آرہی ہے جس کے متعلق یوں کہا گیا ہے

"قال الذهبى فى الميز ان ليس بذالك وقال الخز رجى فى الخلاصة ضعفه ابن معين وقال الحافظ فى التقريب ضعيف "

(شرح آثار السنن ص ۴۹۷)

ذہبی نے میزان میں اس راوی کے متعلق کہا ہے کہ وہ کوئی قابل اعتبار نہیں اور خزرجی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے، ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

" عن نافع مولى عبد الله بن عمر و قال شهدت الاضحى والفطر مع ابى هريرة فكبر فى الركعة الاولى سبع تكبيرات قبل القراء ة وفى الاخرى خمس تكبيرات قبل القراء ة "

(مؤطا امام مالك باب ماجاء فى التكبير والقراء ة فى صلوة العيدين)

حضرت عبد اللہ بن عمر کے غلام نافع (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں قرأت سے پہلے۔ اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "واسناده صحيح "اس کی سند صحیح ہے۔

(آثار سنن ص ٤٩٦)

" عن عمار بن ابی عمار ان ابن عباس كبر في عيد ثنتي عشرة تكبيرة وسبعا في الاولى وخمسا في الآخرة "

(مصنف ابن ابی شیبہ باب فی التکبیر فی العیدین)

عمار بن عمار سے مروی ہے کہ بے شک ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے عید میں بارہ تکبیریں کہیں۔ سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "واسناده حسن "اس کی سند حسن ہے۔

(آثار سنن ص ٤٩٧)

تاہم اس کی سند پر بھی شرح میں ضعف کا قول کیا گیا ہے۔

احناف کے دلائل :

" عن ابی عائشة جليس لابی هريرة ان سعيد ابن العاص سأل اباموسى الاشعرى وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله ﷺ يكبر في الاضحى والفطر فقال ابو موسى كان يكبر اربعا تكبيرة على الجنائز فقال حذيفة صدق فقال ابوموسى كذلك كنت اكبر في البصرة حيث كنت عليم قال ابو عائشة وانا حاضر سعيد بن العاص"

(ابوداؤد باب التکبیر فی العیدین)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین ابو عائشہ کہتے ہیں بیشک سعید ابن عاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن یمان سے پوچھا رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیسے تکبیرین کہتے تھے ؟ ابو موسی (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ آپ چار تکبیرین کہتے تھے جیسے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیرین ہوتی ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو موسی (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے۔ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا میں بصرہ میں جب حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہتا تھا ابو عائشہ کہتے ہیں جب سعید بن عاص نے ان سے پوچھا تھا میں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عید کی زائد تکبریں ہر رکعت میں تین تین ہیں۔ ایک ایک تکبیر رکوع کی ہے۔ اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جب حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں عید کی نماز میں تین تین تکبیریں زائد اور ایک ایک رکوع کی تکبیر ہر رکعت میں کہی اور آپ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو یہی قول درست ہے کہ ہر رکعت میں تین تین تکبیرین زائد ہی ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔

" عن علقمة والاسود قالا كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة وابوموسى الاشعرى فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير فى صلوة العيد فقال حذيفة سل الاشعرى فقال الاشعرى سل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع فيقوم فى الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القرأة "

(مصنف عبدالرزاق باب التكبير فى الصلوة يوم العيد)

علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما تھے ان سے سعید ابن عاص نے عید کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا یہ سوال اشعری سے کرو۔ حضرت اشعری نے کہا عبداللہ (بن مسعود) سے پوچھو، کیونکہ وہ ہم سے مقدم اور ہم سے زیادہ صاحب علم ہیں سائل نے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا چار تکبیریں کہیں، پھر قرأت کریں، پھر تکبیر کہیں اور ساتھ ہی رکوع کرلیں پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں، پہلے قرأت کریں، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہیں۔

اس حدیث پاک کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے " واسناده صحيح "اس کی سند صحیح ہے۔

(آثار السنن ص ۴۹۸)

" فقال ابن مسعود يكبر اربعا الخ قلت هذا الموقوف فى حكم المرفوع لان مثل هذا لا يكون من جهة الرأى والقياس وقد وافق ابن مسعود جماعة من الصحابة على ذلك لعدم انكارهم عليه "

(شرح آثار السنن ص ۴۹۸)

یہ حدیث موقوف بحکم مرفوع کیونکہ اس میں رائے اور قیاس کو دخل نہیں۔ جو حدیث رائے یا قیاس سے نہ بیان کی جا سکے وہ قول صحابی حکم مرفوع میں ہوتا ہے۔

اور صحابہ کرام نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی لہذا اس حدیث پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی بھی ثابت ہو گیا۔

" عن كردوس قال ارسل الوليد الى عبد الله بن مسعود و حذيفة وابى موسى الاشعرى وابى مسعود بعد العتمة فقال ان هذا عيد للمسلمين فيكف الصلوة فقالوا سل ابا عبدالرحمن فسأله فقال يقوم فيكبر اربعا ثم يقرأ بفاتحة الكتاب وسورة عن المفصل ثم يكبر اربعا يركع في آخرهن فتلك تسع في العيدين فما انكره احدمنهم "

(المعجم الكبير للطبرانى ج ۹ ص ۳۵۰ رقم الحديث ص ۹۵۲۸۶)

کردوس سے مروی ہے کہ ولید نے عبد اللہ بن مسعود ، حذیفہ ، ابو موسی اشعری اور ابو مسعود رضی اللہ عنہم کی طرف عشاء کے بعد پیغام بھیجا کہ صبح مسلمانوں کی عید ہے اس میں نماز کیسے ادا کی جائے ، انہوں نے کہا ابو عبد الرحمٰن سے پوچھئے انہوں نے کہا ، کھڑے ہو جاؤ ، پھر چار تکبیریں کہو ، پھر فاتحة الكتاب پڑھو اور کوئی سورة ساتھ ملاؤ ، پھر چار تکبیریں کہو ، ان کے آخر میں رکوع کرو۔ اس طرح عیدین میں نو تکبیریں کسی ایک نے بھی ان میں سے اس قول کا انکار نہیں کیا۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے " واسناده حسن " اس کی سند حسن ہے۔

(آثار السنن ص ۴۹۹)

اس حدیث کے تمام راوی یہ ہیں۔

" حدثنا محمد بن عبدالله الحضرمى ثنا مسروق بن المرزبان ثنا ابن ابى زائدة عن اشعث عن كردوس "

ان تمام راویوں کے متعلق کہا گیا۔

" قال الهيثمى رجاله موثقون "

علامہ ھیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں

(شرح آثار سنن ص ۴۹۹)

" عن علقمة والاسود ان ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعا اربعا قبل القرء ة ثم يكبر فيركع وفي الثانية يقرأ فاذا فرغ كبر اربعا ثم ركع "

(مصنف عبد الرزاق باب التكبير في الصلوة يوم العيد)

علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بے شک ابن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے، چار قرأت سے پہلے پھر تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں قرأت کرتے پھر جب فارغ ہوتے چار تکبیریں کہتے پھر رکوع کرتے۔

اس کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔"واسناده صحيح "اس کی سند صحیح ہے۔

" عن كردوس قال كان عبدالله بن مسعود يكبر في الاضحى والفطر تسعا تسعا يبدأ اربعا ثم يكبر واحدة فيركع بها ثم يقوم في الركعة الآخرة فيبدأ ثم يكبر اربعا باحداهن "

(المعجم الكبير للطبراني ج ص ۳۵۰)

کردوس کہتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نو، نو تکبیریں کہتے، نماز کو شروع کرنے کے بعد چار تکبیریں کہتے، پھر ایک تکبیر کہتے، پھر رکوع کرتے، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے پھر چار تکبیریں کہتے، پھر ان میں سے ایک سے رکوع کرتے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "واسناده صحيح "اس کی سند صحیح ہے۔

" عن عبدالله بن الحارث قال شهدت ابن عباس كبر في صلوة العيد بالبصرة تسع تكبيرات والى بين القراء تين قال وشهدت المغيرة بن شعبه فعل مثل ذلك "

(مصنف عبدالرزاق باب التكبير في الصلوة يوم العيد)

عبداللہ ابن حارث کہتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، آپ نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں قراٰتوں کو ملا دیا۔ پھر میں مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسے ہی کہا۔

اس کی سند کے متعلق بیان کیا گیا۔

" وقال الحافظ في التلخيص اسناده صحيح "

حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں تکبیریں قراٰت سے پہلے ہیں، دوسری میں قراٰت کے بعد ہیں

فریقین کی پیش کردہ احادیث کی طرف توجہ کریں :

ایک حدیث سے سمجھ آیا کہ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔

ایک اور حدیث سے سمجھ آیا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری میں چھ تکبیریں ہیں۔ کیونکہ پانچ تکبیریں رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہیں

ایک اور حدیث سے سمجھ آیا کہ ہر رکعت میں چار چار تکبیریں ہیں۔

ایک اور حدیث سے سمجھ میں آیا کہ پہلے رکعت میں پانچ تکبریں ہیں۔ کیونکہ چار تکبیروں کے بعد رکوع کی تکبیر کا علیحدہ ذکر ہے اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں ہیں۔

تمام احادیث میں تطبیق اور غیر مقلدین کی غلطی کی وجہ

اصل میں غیر مقلدین کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکبیر کا معنی سمجھنے سے قاصر رہے۔ حالانکہ تکبیر کا معنی واضح ہے۔ تکبیر کہنے کا مطلب ہے۔ ''اللہ اکبر'' کہنا۔

عیدین کی نماز کے بغیر عام نماز میں بھی احادیث سے تکبیر کہنے کا ذکر واضح طور پر موجود ہے رفع یدین کی بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے یاد دلانے کے لئے دوبارہ ذکر کیا جارہا ہے۔

عبد الرحمٰن بن غنم سے مروی ہے کہ ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کی مردوں اور بچوں کو جمع کر کے نماز کا طریقہ سکھایا۔ یہ ظہر کی نماز تھی۔

'' اقام الصلوة فتقدم فرفع يديه فكبر فقرأ الكتاب وسورة يسرهما ثم كبر فركع فقال سبحان الله وبحمده ثلاث مرار ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر وخر ساجدا ثم كبر فرفع رأسه ثم كبر فسجد ثم كبر فانهض قائما فكان تكبيره فى اول ركعة ست تكبيرات ''

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

اس حدیث میں ظہر کی نماز کا تذکرہ ہے جس میں تکبیر تحریمہ،

رکوع میں جانے کی تکبیر، سجدہ میں جانے کی تکبیر سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر۔ پھر دوسرے سجدہ کی لئے تکبیر۔ پھر دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کرنے کے بعد کہا پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوئیں۔ یقیناً دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہوں گی۔ کیونکہ دوسری رکعت میں تکبیر تحریمہ نہیں

اب واضح ہوا کہ ہر نماز کی پہلی رکعت میں چھ تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عیدین کی نماز میں تکبیروں کے ذکر میں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ بات سمجھنے کی حد تک ہے۔

جس صحابی نے یہ ذکر کیا کہ ہر رکعت میں عید کی تین تکبیریں زائد کہی گئیں اور ہر رکعت میں رکوع کی تکبیر بھی کہی گئی اس نے یہ ذکر کیا کہ ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہی گئی۔

جس صحابی نے تکبیر تحریمہ کا بھی ساتھ ذکر کیا اس سے پتہ چلا کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں۔

جس صحابی نے تکبیر تحریمہ، عید کی تین تکبیروں، رکوع کی تکبیر، سجدہ میں جاتے ہوئے۔ تکبیر اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کیا اس نے پہلے رکعت میں ساتھ تکبیروں کا ذکر کیا۔

دوسری رکعت میں تین زائد تکبیروں، رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کیا تو اس طرح دوسری رکعت پانچ تکبیروں کا ذکر کیا گیا۔

اور جس صحابی نے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کاذکر کیا اس نے دوسری رکعت میں چھ تکبیروں کاذکر کردیا۔

بات واضح ہوگئی کہ مقصد ایک ہی ہے انداز بیان مختلف ہے۔

غیر مقلدین کی بے انصافی :

مقام افسوس یہ ہے کہ غیر مقلدین ترمذی کی وہ حدیث تو بیان کر دیتے ہیں جس میں عید کی نماز میں بارہ تکبیروں کاذکر ہے (اور وہ بارہ مرتبہ اللہ اکبر کہنا مراد ہے ، نہ کہ صرف عید کی تکبیرات زوائد بارہ ہیں۔ اگر حدیث میں یہ ذکر ہوتا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیرات زوائد ہیں اور دوسری میں پانچ تکبیرات زوائد ہیں تو غیر مقلدین کے قول کی کچھ حیثیت ہوتی لیکن جب یہ ذکر ہی نہیں تو "اللہ اکبر" تو بارہ مرتبہ بلکہ زائد کہا ہی جارہا ہے) لیکن اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں جس پر کثیر صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین کا عمل رہا یہ کہاں کا انصاف ۔

آیئے قارئین کرام ذرا غور کیجئے ، حدیث پاک کو پڑھیں، کثیر صحابہ کرام کے عمل کو دیکھ کر، انصاف سے فیصلہ کریں کہ کون سا مذہب حق ہے اور کون سا باطل۔

" عن ابن مسعود انه قال فی التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات فی الرکعة اولی خمس تکبیرات قبل القراء ة وفی الرکعة الثانیة یبدأ بالقراء ة ثم یکبر اربعا مع تکبیرة الرکوع ، وقد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ نحو هذا وهو

قول اهل الکوفة وبه یقول سفیان الثوری"

(ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین ص ٧٠)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عیدین کی نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پہلے قراءت ہے پھر چار تکبیریں ہیں مع رکوع کی تکبیر کے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت و جماعت حنفی مسلک کے حضرات کا مکمل مذہب واضح ہوگیا۔ کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیریں ہیں، کل پانچ تکبیریں ہیں ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیریں زائد جو عید کی تکبیریں کہلاتی ہیں اور ایک تکبیر رکوع کی۔ اور دوسری رکعت میں پہلے قراءت ہوگی۔ پھر چار تکبیریں جن میں عید کی تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر رکوع کی۔

ترمذی رحمہ اللہ کے فیصلہ کو بھی دیکھیں اور غیر مقلدین کی خیانت کو بھی کہ وہ اس حدیث کو بیان ہی نہیں کرتے اور نہ ہی ترمذی کے فیصلہ کو بیان کرتے ہیں ترمذی نے کیا خوب قول فیصل ذکر کیا۔ آپ نے کہا۔

یہ حدیث اور اسی کی مثل اور احادیث کثیر صحابہ کرام سے روایت کی گئی۔ اور یہی قول اہل کوفہ کا ہے وہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین تھے) اور یہی قول امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ہے۔

ترمذی کے اس قول اور ذکر کردہ حدیث کو دیکھ کر امید ہے کہ حنفی مذہب کے عوام غیر مقلدین کے دام فریب میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ اپنے

مذہب کی حقانیت کو سمجھ لیں گے اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کا مذہب عقلی، قیاسی، رائے پر مبنی نہیں۔ بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ میں اختلاف :

بہتر قول وہی جو احناف کا ہے۔

" قال محمد قد اختلف الناس فی التکبیر فی العیدین فما اخذت به فهو حسن وافضل ذلك عندنا ما روی عن ابن مسعود انه کان یکبر فی کل عید تسعا ،خمسا واربعا،فیهن تکبیراة الافتتاح تکبیرتا الرکوع ویوالی بین القراء تین ویؤخرها فی الاولیٰ ویقدمها فی الثانیة وهوقول ابی حنیفة "

(مؤطا امام محمد باب التکبیر فی العیدین)

امام محمد رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ عیدین کی تکبیروں میں اگرچہ لوگوں نے اختلاف کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک افضل وہی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے۔

بے شک ہر عید میں نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری رکعت میں چار۔ ان نو میں تکبیر افتتاح (یعنی نماز شروع کرتے وقت پہلی تکبیر جسے تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے) اور رکوع کی دو تکبیریں (یعنی ایک رکعت کے رکوع کی ایک تکبیر اور دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر) بھی شامل ہیں۔

اور دونوں رکعتوں میں قراءت میں موالات (لگاتار درمیان میں

تکبیر نہیں) پائی جاتی ہے پہلی رکعت میں قراءت تکبیروں سے بعد میں ہے اور ردوسری رکعت میں قراءت تکبیرات سے پہلے ہے۔

یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

واضح ہوا عید کے تکبیرات کی تعداد میں اختلاف تبع تابعین کی زمانہ میں بھی تھا مختلف احادیث کو دیکھ کر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ کیا گیا لیکن افضل اجتہاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہی ہے۔ کیونکہ اس میں تمام احادیث کا اجتماع ہے فیصلہ اس وقت ہوا جب نہ بخاری تھے نہ مسلم، نہ ترمذی نہ ابن ماجہ نہ نسائی نہ ابو داؤد۔

خدارا انصاف کیجئے ! اور سمجھئے کہ مذہبِ حنفی کتنا باکمال ہے اور احادیث کے مطابق ہے، مکمل طور پر انصاف سے تمام احادیث کو جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

اور دوسرے مذاہب پر عمل کرنے سے بعض احادیث پر عمل ہوتا ہے اور بعض احادیث کو چھوڑنا لازم آتا ہے۔

راقم نے تمام احادیث کو اسی وجہ سے نقل کیا اور بحث کی تاکہ نہ خیانت کی تہمت لگائی جاسکے اور نہ ہی کہا جائے کہ حنفی اماموں کی باتوں کو مانتے ہیں۔ احادیث کو نہیں مانتے۔

یہ غلط، باطل اور من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔ ان شاء اللہ راقم کی تحریر کو دیکھنے کے بعد منصف مزاج حضرات ضرور تسلیم کریں گے۔

ضد، حسد، عناد اگر تسلیم کرنے سے مانع رہیں تو ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی مبلغ دنیا میں آجائے ہی ناممکن ہے۔ جب آپ کی تبلیغ سے بھی بد قسمت لوگوں کو ایمان نصیب نہ ہوا تو میری تحریر سے بھی یقیناً وہ لوگ فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے جو ضد، عناد اور حسد کو نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن اگر میرے حنفی بھائی ان لوگوں کے دام فریب سے بچ گئے تو یہ بھی ایک غنیمت ہو گی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ فروعی اختلاف ہے، اس میں تشدد اور آئے دن اشتہار بازی کا کیا مقصد؟

میں نے تو اندازہ لگایا کہ ناقص مال بیچنے والوں کو مال کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ ظاہری طور پر سنوارنے کی ضرورت ان کو ہی ہوتی ہے۔

جن کے پاس مال اچھا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں مال آپ کے سامنے ہے دل مانتا ہے تو لے جائیں ورنہ اور کہیں دیکھ لیں۔ یہی صورت یہاں بھی پائی جاتی ہے کہ باطل مذہب والے اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن حق مذہب والے خاموشی سے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں معاملہ جب حد سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے تو کہیں قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

نمازِ وتر

وتر کی نماز میں غیر مقلدین یہ کہتے ہیں۔ رسول ﷺ نے مختلف احوال و اوقات میں وتر ایک بھی پڑھا اور تین بھی اور سات بھی اور نو بھی پڑھے ہیں۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۳۵۴)

وتر میں غیر مقلدین کا اور یہ قول ہے کہ وتر کے آخر میں صرف قعدہ ہے خواہ ایک رکعت پڑھے یا تین یا پانچ یا سات یا نو پڑھے۔ دو کے بعد قعدہ نہیں۔

احناف کا مذھب :

یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک نہیں اور تین سے زائد بھی نہیں۔ اور دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے جس طرح تمام نمازوں میں دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے۔

احناف کے مذھب پر دلالت کرنے والی احادیث :

" عن ابی سلمه بن عبد الرحمن انه سال عائشة کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ما کان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسأ ل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأ ل

عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا قالت عائشة فقلت یا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنا مان ولا ینا م قلبی "

(بخاری کتاب التهجد باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ)

حضرت ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں کیسے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ تم آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت ادا کرتے، ان کے حسن اور کی طوالت کے متعلق سوال نہ کرو۔ پھر آپ چار رکعت ادا کرتے ان کے حسن اور طوالت کے متعلق سوال نہ کرو۔ پھر آپ تین رکعت نماز ادا فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ وتر کے ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا اے عائشہ بیشک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

1 :- نماز تہجد کا ذکر ہے۔ بخاری کا عنوان بھی تہجد کی نماز پر ہی دلالت کر رہا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں کیں۔ یہ واضح دلیل ہے کہ جو نماز رمضان کے علاوہ ادا ہوتی رہی وہی رمضان میں بھی جب ادا ہوتی تو گیارہ رکعت

ہی ہو تیں۔ یعنی آٹھ رکعت نماز تہجد اور تین رکعت نماز وتر۔

2 :- وتر کی نماز رسول اللہ ﷺ نے تین رکعت ادا کی۔ ایک وتر ادا نہیں کیا۔ ایک کا قول باطل ہے۔

3 :- نبی کریم ﷺ اور اسی طرح تمام انبیاء کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے وہ نیند کی حالت میں بھی اپنے آپ سے بے خبر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی نیند سے ان کا وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لیکن انبیاء کرام کے بغیر دوسرے لوگوں کو نیند کی حالت میں اپنا پتہ نہیں رہتا، لہٰذا ان کے وضوء کے ٹوٹنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ انہیں جب اپنی حالت کا علم نہیں تو ہو سکتا ہے نیند کی حالت میں ان کی ہوا وغیرہ خارج ہوئی ہو اور انہیں نہ پتہ چل سکا ہو اسلئے ان کے وضوء کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

" وعن علی بن عبداللہ بن عباس عن عبداللہ بن عباس انه رقد عند رسول اللہ ﷺ فاستيقظ فتسوك وتوضأ وهو يقول ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لآيت لاولی الالباب ، فقرأ هؤلاء الآيت حتی ختم السورة ثم قام فصلی ركعيتن فاطال فيهما القيام والركوع والسجود ثم انصرف فنام حتی نفخ ثم فعل ذلك ثلاث مرات ست ركعات كل ذلك يستاك ويتوضأ ويقرأ هؤلاء الآيت ثم اوتر بثلاث "

(مسلم کتاب صلوة المسافرين وقصرها باب صلوة النبی ﷺ ودعائه بالليل)

علی بن عباس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سو گیا،

آپ بیدار ہوئے تو آپ نے مسواک کی اور وضوء کیا اور آپ یہ پڑھ رہے تھے

"ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار لآیت لاولی الالباب"

یہاں تک آپ نے سورۃ کے آخر تک آیات کو تلاوت کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت ادا کیں، ان دونوں میں لمبا قیام کیا اور لمبا رکوع و سجود کیا، پھر آپ واپس اپنی جگہ پر آکر سو گئے، یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے پھر آپ اٹھے، مسواک کی وضوء کیا اور وہی آیات پڑھیں اور پہلے کی طرح دو رکعت ادا کیں۔ اسطرح آپ نے تین مرتبہ عمل کیا، چھ رکعت ادا کیں۔ اس کے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کئے۔

اس سے واضح ہوا کی آپ نے وتر تین رکعت ہی ادا کئے، ایک رکعت وتر ادا نہیں کیا۔

"عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ کان یوتر بسبح اسم ربك الاعلی، وقل یاایها الکافرون وقل هو الله احد"

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث، ترمذی باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر، ابن ماجه باب ماجاء فیما یقرأ فی الوتر مسند احمد ص ۱ ص ۳۰۵)

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں (پہلی رکعت میں) سبح اسم ربك الاعلی تلاوت کرتے (دوسری رکعت میں) سورۃ قل یاایها الکفرون پڑھتے اور (تیسری رکعت میں) قل هو الله سورۃ پڑھتے۔

یہ حدیث صحیح السند ہے۔ جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ کسی قسم کا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

" عن ابی بن کعب قال کان رسو ل اللہ ﷺ یوتر بسبح اسم ربك الا علی وقل یاایها الکفرون وقل هو الله احد"

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب باب مایقرا فی الوتر ،ابن ماجہ باب ماجاء فیما یقرا ،مسند احمد ج٥ ص١٢٣)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں " سبح اسم ربك الاعلی "اور" قل یا ایها الکفرون"اور"قل هو الله احد"پڑھتے تھے۔

یقیناً تین سورتیں تین رکعتوں میں پڑھتے تھے،واضح ہوا کہ آپ وتر تین رکعت ہی ادا فرماتے تھے۔

" عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی وفی الرکعة الثانیة بقل یا یها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی اخرهن ویقول یعنی بعد التسلیم سبحان الملك القدوس ثلاثا "

(نسائی باب القراءۃ فی الوتر)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ وتر (کی پہلی رکعت) میں" سبح اسم ربك الاعلی"اور دوسری رکعت میں"قل یایها الکفرون"اور تیسری رکعت میں"قل هو الله احد" پڑھتے تھے۔اور صرف ایک ہی سلام آخر میں پھیرتے تھے۔اور سلام کہنے کے بعد" سبحان الملك القدوس " تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

" عن عبدالرحمن بن ابزی انه صلی مع النبی ﷺ الوتر فقرأ فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة قل یا ایها الکفرون وفی الثالثة قل هو الله احد فلما فرغ قال سبحان الملك القدوس ثلاثا یمد صوته بالثالثة "

(نسائی باب القراءة فی الوتر مسند احمد ج ۳ ص ٤٠٦ ، طحاوی باب الوتر)

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزیؓ سے مروی ہے بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وتر ادا کئے، آپ نے پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلی "سورۃ پڑھی، دوسری رکعت میں قل یا یھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھی۔ آپ جب وتر ادا کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے تین مرتبہ "سبحان الملك القدوس" پڑھا۔ جب تیسری مرتبہ یہ الفاظ مبارکہ پڑھے تو آواز کو کھینچ کر پڑھا۔ (یعنی خوب ٹھہرا ٹھہرا کر)

" عن زارة بن اوفیٰ عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان رسول الله ﷺ کان لایسلم فی رکعتی الوتر "

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث مسند احمد ج ٦ ص١٥٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز ادا فرماتے ہوئے دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

" عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعدهما رکعتین اطول منهما ثم الوتر بثلاث لایفصل بینهن "

(مسند احمد ج ٦ ص١٥٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے بے شک رسول اللہ

ﷺ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو گھر تشریف لے آتے پھر آپ دو رکعت پڑھتے، ان کے بعد اور دو رکعت پڑھتے جو پہلی دو رکعت سے زیادہ لمبی رکعتیں ہوتیں۔ پھر آپ تین رکعت وتر ادا فرماتے، ان میں کوئی (سلام سے) فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔

یعنی تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں کہ دو رکعت علیحدہ پڑھتے ہوں اور ایک رکعت علیحدہ۔

" عن عبدالله بن ابی قیس قال سألت عائشة بکم کان رسول الله ﷺ یوتر قالت باربع وثلاث وست وثلاث وثمان و ثلاث وعشرة وثلاث ولم یکن یوتر باکثر من ثلاث عشرة ولاانقص من سبع "

(مسند احمد ج ۹ ص ۱۴۹ ابوداؤد باب فی صلوۃ اللیل، طحاوی باب الوتر)

عبداللہ بن ابی قیس کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا رسول اللہ ﷺ کتنی تعداد میں وتر پڑھتے تھے۔ آپ نے کہا چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین، آپ نے طاق رکعت تیرہ سے زائد نہیں پڑھیں اور سات سے کم نہیں۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی چار رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے، مجموعی تعداد سات بنتی کبھی چھ رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد نو بنتی اور کبھی آٹھ رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد گیارہ رکعت ہوتی۔ اور کبھی دس رکعت کے ساتھ تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد تیرہ بنتی اس طرح طاق رکعتوں کی کم از کم تعداد سات ہوگئی۔ اور زیادہ سے زیادہ تعداد تیرہ ہوگئی۔

" عن عبدالعزیز بن جریح سألت عائشة ام المؤمنین بایّ شئی کان یوتر رسول الله ﷺ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربك الا علی وفی الثانیة بقل یا ایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد والمعوذتین "

(مسند احمد ج ۶ ص۲۲۷ ترمذی باب ماجاء مایقرء فی الوتر ، ابو داؤد باب مایقرأ فی الوتر ، ابن ماجه باب ، ماجاء فیما یقرأ فی الوتر)

عبدالعزیز بن جریج کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سوال کیا رسول اللہ ﷺ وتر کون سی سورتیں پڑھتے تھے تو آپ نے کہا پہلی رکعت میں " سبح اسم ربك الاعلی " اور دوسری رکعت میں " قل یاایها الکفرون " اور تیسری رکعت میں " قل هو الله احد " اور " قل اعوذ برب الفلق " اور " قل اعوذ برب الناس " پڑھتے تھے۔

یعنی وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ تیسری رکعت میں کبھی قل هو الله احد پڑھتے اور کبھی قل اعوذ برب الفلق پڑھتے۔ اور کبھی قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

" عن عمرة عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلاث یقرأ فی الرکعة الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة قل یا ایها الکفرون وفی الثالثة قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس "

(دار قطنی باب مایقرأ فی رکعات الوتر ، طحاوی باب الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعت پڑھتے تھے ، پہلی رکعت میں " سبح اسم ربك الاعلی " پڑھتے اور دوسری رکعت میں " قل یاایهاالکفرون " پڑھتے اور

تیسری رکعت میں (کبھی)" قل هو الله احد "پڑھتے اور (کبھی)" قل اعوذ برب الفلق "پڑھتے اور کبھی" قل اعوذ برب الناس" پڑھتے تھے۔

تنبیه: وتر کی تین رکعت ہونے پر دلالت کرنے والی اور کئی احادیث طحاوی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ صرف ان احادیث پر اکتفاء کی جاتی ہے ماننے والے کے دل کی تسلی کے لئے اتنی مقدار میں احادیث کا ذکر کرنا کافی ہے۔ اور نہ ماننے والے کے لئے۔ خواہ اور کتنی احادیث بھی ذکر کر دی جائیں ناکافی ہیں۔

غیر مقلدین نے اپنے موقف پر جو احادیث پیش کیں

حضرت ابی ایوب روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" الوتر حق على كل مسلم فمن احب ان يوتر بخمس فليفعل ومن احب ان يوتر بثلاث فليفعل ومن احب ان يوتر بواحدة فليفعل "

(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

وتر حق (ثابت) ہیں، ہر مسلمان پر۔ پس جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہئے۔ چاہئے کہ پڑھے (پانچ رکعت) اور جو کوئی وتر تین رکعت پڑھنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ پڑھے (تین رکعت) اور جو کوئی وتر ایک رکعت پڑھنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ پڑھے (ایک رکعت)

(ابوداؤد نسائی ابن ماجہ)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وتر پانچ بھی ہیں۔ تین بھی ہیں

اور ایک بھی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا، کہ ہر شخص کو اختیار ہے، کہ وہ اپنے احوال اور اوقات کے پیش نظر چاہے پانچ وتر پڑھے، چاہے تین پڑھے اور چاہے ایک ہی پڑھ لے۔

(صلوۃ الرسول ص ۲۵۶، ۲۵۷)

یہاں تک عبارت مکمل طور پر غیر مقلدین کے علامہ محمد صادق صاحب کی کتاب صلوۃ الرسول سے نقل کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث سے وہی کچھ ثابت ہو رہا ہے جو علامہ صاحب نے پیش کیا ہے۔ یا کہ کچھ اور مطلب ہے۔

غیر مقلدین کی بنیادی غلطی :

"اوتر ، یوتر" کے مختلف معانی آتے ہیں یہاں جو معنی معتبر ہے وہ معنی نہیں لیا گیا اور دوسرا معنی لے کر غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ آیئے ذرا مختلف معانی کی طرف غور کریں۔

(اوتر) فلان : صلی الوتر ، العدد : افردہ ، القوم ، جعل شفعهم وترا ، والصلوة : وترها

(من المعجم الوسیط)

ایک معنی ہے "فلاں نے وتر ادا کیے۔ دوسرا معنی ہے "علیحدہ ذکر کیا" تیسرا معنی ہے "جفت کو طاق بنایا۔ چوتھا معنی ہے "نماز کی رکعات کو طاق بنایا

اور بھی کئی معانی ہیں مقصد کے مطابق چند کو ذکر کر دیا ہے۔ اب توجہ

فرمائیں کہ حدیث کا صحیح معنی یہ ہے۔ جو شخص پسند کرتا ہے کہ جفت رکعات کو پانچ سے طاق بنائے وہ ایسا کرے۔ اور جو شخص تین سے طاق بنانا چاہے وہ ایسا کرے اور جو شخص ایک سے طاق بنانا چاہے وہ ایسا کرے۔

اب واضح ہوا کہ حدیث پاک کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ دو کے ساتھ ہی ایک اور ملا کر تین رکعتیں وتر پڑھنا چاہو۔ یعنی صرف وتر پڑھنا چاہو تو وتر ہی پڑھ لو اور تہجد کی نماز نہ ادا کرو۔

اگر چاہتے ہو تو دو رکعت کے بعد دو اور پڑھ لو اس طرح پہلی دو رکعت پانچ اور کے ساتھ مل کر سات رکعات طاق بن جائیں گی۔

اور اگر چاہتے ہو کہ دو کے ساتھ تین اور ملا کر طاق بنالو تو ایسا کر لو۔ اب دو کے بعد تین وتر پڑھنے سے پانچ رکعات طاق ہو جائیں گی۔

غیر مقلدین والا معنی کیوں درست نہیں؟

جو معنی غیر مقلدین نے کیا ہے کہ چاہو تو ایک رکعت وتر ادا کر لو، یہ درست نہیں ورنہ نبی کریم ﷺ کی دوسری احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا۔

" قال محمد اخبرنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا حصین بن ابراھیم عن ابن مسعود قال ما اجزأت رکعة واحدة قط "

(موطا امام محمد باب السلام فی الوتر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رکعت کا ادا کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

" قال محمد اخبرنا سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن زرارة بن ابی اوفی عن سعید بن ھشام عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان لا یسلم فی رکعتی الوتر "

(موطأ امام محمد باب السلام فی الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے دو رکعت علیحدہ پڑھی ہوں اور ایک رکعت علیحدہ۔ ایسا کبھی نہیں کیا۔

" عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ نھی عن البتیرا "

(نصب الرایة ج ۱ ص ۲۷۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا۔

تنبیہ : جو بھی اس قسم کی روایات ہیں جن سے بظاہر یہ سمجھ آرہا ہو کہ وتر ایک رکعت ہے اس کا یہی مطلب ہوگا کہ دو رکعت کو ایک رکعت اور ملا کر طاق بنادیا

ابن ماجہ کی حدیث " صلوة اللیل مثنی مثنی والوتر رکعة قبل الصبح " کا بھی یہی مطلب ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور دو کے ساتھ ایک اور ملا کر صبح سے پہلے وتر ادا کیے جائیں۔

اسی طرح مسلم شریف کی حدیث " الوتر رکعة من آخر اللیل " کا بھی یہی مطلب ہے کہ رات کے آخر میں دو رکعت سے ایک رکعت ملائیں تو تین رکعت وتر ہو جائیں گے۔

وتر میں ایک اور اختلاف :

غیر مقلدین کے نزدیک وتر تین رکعت پڑھیں یا پانچ رکعت ان میں صرف ایک تشہد ہے آخر میں۔ اس پہلے کوئی قعدہ اور تشہد نہیں۔

احناف کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں۔ پانچ نہیں اور دو رکعت کے بعد عام نمازوں کی طرح قعدہ اور تشہد ہے پھر تیسری رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد ہے۔ جہاں تک تین رکعت وتر کا ہونا ہے وہ پہلے احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد ہے۔

" قال محمد اخبرنا عبدالرحمن بن عبدالله المسعودی عن عمرو بن مرة عن ابی عبیدة قال قال عبدالله بن مسعود الوتر ثلاث کثلاث المغرب "

(مؤطا امام محمد (باب السلام فی الوتر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وتر تین رکعت ہیں جس طرح مغرب کی نماز تین رکعت ہیں۔

" قال محمد اخبرنا اسمعیل بن ابراهیم عن لیث عن عطاء ۔ قال ابن عباس رضی الله عنهما الوتر کصلوة المغرب "

(مؤطا امام محمد باب السلام فی الوتر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ ان دونوں احادیث سے واضح ہوا کہ وتر اسی طرح ادا ہوں گے جس طرح مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے جب کہ مغرب میں دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد ہے تو وتر میں بھی اسی طرح دو

رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد واجب ہیں

اعتراض : اگر وتر مغرب کی نماز کی طرح ہی ادا کرنے ہیں تو وتر میں قنوت کیوں پڑھا جاتا ہے۔

جواب : وتر میں قنوت کا پڑھنا احادیث مبارکہ سے صراحۃً ثابت ہے اس لئے قنوت پڑھنے کا فرق وتر اور مغرب میں رہے گا۔ آیئے احادیث مبارکہ کو دیکھیں۔

" عن عبدالعزیز قال یسأل رجل انسا عن القنوت بعد الرکوع او عند فراغ من القراءۃ قال بل عند فراغ من القرائۃ"

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ)

حضرت عبدالعزیز سے مروی ہے ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قراءت سے فارغ ہونے پر (رکوع سے پہلے) تو آپ نے جواب دیا "بلکہ قرأت کے فارغ ہونے پر یعنی رکوع کے بعد قنوت نہیں بلکہ پہلے ہے۔

" وعن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع "

(ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ نسائی باب کیف الوتر بثلاث)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔

" عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ قال کان ابن مسعود لا یقنت فی شئی من الصلوات الا الوتر فانہ کان یقنت قبل الرکعۃ "

(طحاوی باب القنوت فی الفجر وغیرہ)

عبدالرحمٰن ابن اسود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے بغیر کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے اور وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

" حدثنا يزيد بن هارون ثنا هشام عن علقمة ان ابن مسعود واصحاب النبي ﷺ كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع "

(مصنف ابن ابی شیبه باب في القنوت قبل الركوع او بعده)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(اسناده صحيح)اس کی سند صحیح ہے۔

"عن ابراهيم ان ابن مسعود كان يقنت السنة كلها في الوتر قبل الركوع "

(رواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار في باب القنوت في الصلوة)

حضرت ابراہیم (نخعی) سے مروی ہے بے شک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(واسناده مرسل جيد) یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند جید ہے)

" عن حماد عن ابراهيم النخعي ان القنوت واجب في الوتر في رمضان وغيره قبل الركوع واذا اردت ان تقنت فكبر واذا اردت ان تركع فكبر ايضا"

(كتاب الحجة للمحمد بن الحسن ج ۱ ص ۲۰۰ و كتاب الآثار لمحمد بن الحسن باب القنوت في الصلوة)

حماد حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک قنوت وتر میں واجب ہے، خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان ہو اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جائے۔ جب تم قنوت پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو اور جب تم رکوع کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو۔

تنبیہ : قنوت کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہوگا اور رکوع کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں ہوگا۔ مکمل بحث رفع یدین کی پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ تاہم ایک حدیث فائدہ کے لئے یہاں ذکر کی جارہی ہے۔

" عن ابراهيم النخعي قال لاترفع الا يدى الا فى سبع مواطن فى افتتاح الصلوة وفى التكبير للقنوت فى الوتر وفى العيدين وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وبجمع وعرفات وعند المقامين عند الجمرتين "

(طحاوی باب رفع اليدين عند رؤية البيت)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ سات مقام پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ تکبیر تحریمہ کے وقت۔ وتر میں قنوت کی تکبیر کے وقت۔ عیدین (کی تکبیرات زوائد) میں۔ حجر اسود کے استلام کے وقت۔ صفا اور مروہ پر۔ مزدلفہ اور عرفات میں، منی میں کنکریاں مارنے کے وقت۔

یہاں تک کہ جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب وتر مغرب کی طرح ہیں تو ان میں قنوت کیوں پڑھا جاتا ہے واضح ہو چکا ہے کہ وتر کی مغرب سے تشبیہ تین رکعت کے ہونے میں اور دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد میں ہے۔

وتر میں قنوت پڑھنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور مغرب میں قنوت ثابت نہیں۔

اسی طرح ایک اور فرق بھی حدیث پاک سے ثابت ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قرأت فرض ہے جبکہ مغرب کی تیسری رکعت میں قراءت فرض نہیں۔ آیئے حدیث پاک دیکھیں۔

" عن ابی خالدة قال سألت ابا العالية عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد او علمونا ان الوتر مثل صلوة المغرب غيرانا نقرأ في الثالثة فهذا وتر الليل وهذا وتر النهار "

(طحاوی باب الوتر)

ابو خالدہ کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے وتر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نے بتایا ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ ہم وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بھی قراءت کرتے تھے۔ (مغرب میں تیسری رکعت میں قراءت کو فرض سمجھ کر نہیں کرتے تھے) وتر کی نماز رات کی طاق رکعت والی نماز ہے۔ اور مغرب کی نماز دن کی طاق رکعت والی نماز ہے۔

خیال رہے دن سے مراد عام لوگوں کے عرف کے مطابق کہ وہ عشاء سے پہلے دن مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ فقہاء کرام کے نزدیک غروب آفتاب سے رات شروع ہو جاتی ہے۔ "ثم اتموا الصيام الى الليل" میں رات غروب آفتاب کو ہی کہا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث اور اس کا جواب :

ذکر یہ ہو رہا تھا کہ غیر مقلدین نے یہ کہا ہے کہ تین رکعت ہوں یا پانچ رکعت وتر ہوں ان میں صرف ایک تشہد آخر میں ہے انہوں نے اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کی ہے۔

" عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يصلى من الليل ثلث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس لا يجلس في شي الا في آخرها "

(متفق عليه)

حضرت عائشہ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول خدا نماز پڑھتے تھے رات میں تیرہ رکعت (جن میں سے آٹھ رکعت تو تہجد کی ہوتیں اور باقی) ان میں پانچ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے (اور ان پانچ وتروں میں) نہ بیٹھتے کسی رکعت میں (تشہد کے لئے) مگر اس کے آخر میں"

(بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ وتروں کی پانچوں رکعتوں میں تشہد کے لئے کہیں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ پانچوں رکعت پڑھ کر قعدہ التحیات، درود، اور دعاء پڑھ کر سلام پھیرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر آپ تین وتر پڑھنا چاہئیں تو بھی تشہد کے لئے بیچ میں کہیں نہ بیٹھیں، بلکہ آخر رکعت میں بیٹھ کر حسب معمول تشہد، درود، اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں۔

(صلوۃ الرسول ﷺ ص ۳۵۷، ۳۵۸)

غیر مقلدین کی اس دلیل کا جواب :

کثیر احادیث سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ نہ ایک نہ پانچ جہاں بھی اس قسم کی احادیث ہیں۔ انکا مطلب جفت رکعتوں کو طاق بنانا ہے نہ پانچ رکعتیں وتر کی ایک سلام کے ساتھ۔

ایک تشہد والا مسئلہ اگر حدیث کے ظاہری مطلب سے لیا جائے تو دوسری تمام احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا۔ اس حدیث پاک میں اہل علم کی بیان کردہ توجیہات کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

" وقد يقال ان المعنى لا يجلس فى شئ للسلام بخلاف ماقبله من الركعات "

(مرقاة باب الوتر)

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سلام کے لئے نہیں بیٹھے کیونکہ پہلے آپ نے دو دو رکعت میں سلام کیلئے قعدہ کیا اور تشہد پڑھا اگر پانچ رکعتیں ثابت کریں تو حدیث پاک کو منسوخ ماننا پڑے گا۔

" قال ابن الهمام وفيه دليل على ان الوتر كان اولا خمسة واجمعنا على انه يجلس على رأس كل ركعتين "

(مرقاة باب الوتر)

ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ وتر پہلے پانچ رکعت تھے (لیکن بعد میں تین رکعت والی احادیث سے یہ حدیث منسوخ ہے) دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد کے وجوب اجماع امت ہے۔

قربان جاؤں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین کی فراست پر کہ احادیث کو اس طرح تطبیق دی کہ کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے۔

وتر میں ایک اور اختلاف :

وتر کے ادا کرنے میں ایک اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھا جائے یا کہ بعد میں۔

احناف کا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی نماز میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھا جائے۔ احناف کے مذہب پر دلالت کرنے والی احادیث کو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، جن سے واضح طور پر ثابت ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے بعد میں نہیں۔

غیر مقلدین کا مذہب :

غیر مقلدین کا اس مسئلہ میں مذہب یہ ہے کہ قنوت رکوع کے بعد پڑھا جائے۔

غیر مقلدین نے اپنے موقف پر یہ حدیثیں پیش کیں

" ان ابا هريرة كان يحدث ان رسول الله ﷺ كان يدعو في الصلوة حين يقول سمع الله لمن حمده "

ابوہریرہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ نماز میں جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (پھر) دعاقنوت پڑھتے تھے

(نسائی)

" عن ابی ہریرۃ قال لما رفع رسول اللہ ﷺ رأسہ ..... قال ....."

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دعا قنوت پڑھتے۔

(نسائی)

ابن عباس روایت کرتے ہیں :

" قنت رسول اللہ ﷺ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعة الاخرة "

قنوت پڑھی رسول اللہ نے آخر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہ چکنے کے بعد

(ابوداؤد)

امام نووی شارح مسلم باب استحباب القنوت میں فرماتے ہیں :

" ومحل القنوت بعد رفع الرأس فی الرکوع فی الرکعة الاخرة "

اور قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے

(صحیح مسلم)

غیر مقلدین قنوت وتر اور قنوت نازلہ میں فرق نہ سمجھ سکے :

نبی کریم ﷺ کے ستر صحابہ کرام (جو قراء تھے) کو کفار نے دھوکہ سے شہید کر دیا تھا وہ بظاہر ان کو تبلیغ کیلئے لے گئے تھے۔ تو اس وقت نبی کریم

ﷺ نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ایک مہینہ کفار کے خلاف دعا کی۔ اسے قنوت نازلہ کہتے ہیں۔

وتر میں تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے جو دعا پڑھی جاتی ہے اسے قنوت وتر کہا جاتا ہے چونکہ دونوں دعاؤں کیلئے قنوت کا لفظ استعمال ہوا۔ اس لئے غیر مقلدین ان میں فرق نہ سمجھ سکے، دونوں کو ملا، جلا دیا اس لئے وہ غلطی کا خود تو شکار ہو گئے لیکن دوسروں کو بھی غلط راہ پر چلانے کے لئے سر توڑ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بات واضح ہے کہ جو قنوت رکوع کے بعد پڑھا گیا وہ قنوت نازلہ ہے۔ اور جو قنوت رکوع سے پہلے پڑھا گیا وہ قنوت وتر ہے۔

غیر مقلدین کی بد دیانتی یا جہالت :

مقام افسوس یہ ہے کہ قنوت نازلہ والی احادیث سے اپنے مطلب کے الفاظ پیش کرنا اور باقی حدیث کو چھوڑ دینا کون سا دین ہے۔ اسے صرف بد دیانتی کہا جا سکتا ہے یا جہالت۔

وتر میں پڑھے جانے والے قنوت کے متعلق نسائی میں جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

" عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هو اللہ احد ویقنت قبل الرکوع فاذا فرغ قال عند فراغه سبحان الملك القدوس ثلث مرات یطیل فی آخرهن "

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے ، پہلی رکعت میں " سبح اسم ربك الاعلى " پڑھتے اور دوسری رکعت میں " قل یا ایھا الکفرون " پڑھتے اور تیسری رکعت میں " قل ھو اللہ احد " پڑھتے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے فارغ ہونے کے بعد " سبحان الملك القدوس " تین مرتبہ پڑھتے اور آخری مرتبہ لمبی آواز سے یہی الفاظ پڑھتے۔

اس حدیث پاک کو وتر کی بحث میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں جس قنوت کا ذکر کیا گیا وہ وتر کا قنوت ہے جو رکوع سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ احادیث کو دیکھیں :

پہلی حدیث جو نسائی کے حوالہ سے ذکر کی گئی وہ حدیث مکمل اس طرح ہے۔

" حدثنا عمرو بن عثمان حدثنا بقية عن ابی حمزة قال حدثنی محمد قال حدثنی سعید بن المسیب وابو سلمة بن عبد الرحمن ان اباھریرة کان یحدث ان رسول اللہ ﷺ کان یدعو فی الصلوة حین یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك والحمد ثم یقول وھو قائم قبل ان سجد اللھم انج الولید بن الولید وسلمة بن ھشام وعیاش ابن ابی ربیعة والمستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتك علی مضر واجعلھا علیھم کسنی یوسف ثم یقول اللہ اکبر فیسجد ، وضاحیة مضر یومئذمخالفون لرسول اللہ ﷺ "

(نسائی باب القنوت فی الصبح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا کرتے تھے جب کہ سمع الله لمن حمده، اور ربنا ولك الحمد کہہ لیتے تھے۔ پھر آپ کھڑے ہو کر سجدے سے پہلے یہ کہتے تھے "اے اللہ ولید ابن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ اور کمزور، ضعیف مؤمنین کو نجات دے۔ اے اللہ مضر کو ذلیل کر اور ان کو اس طرح قحط سالی میں مبتلاء کر جیسے یوسف علیہ السلام کی قوم قحط سالی میں مبتلاء ہوئی تھی۔ پھر آپ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے۔ (مضر قبیلہ کے خلاف دعا کرنے کی وجہ یہ تھی) کہ مضر رسول اللہ ﷺ کے (دین کے) مخالف تھے۔

حدیث پاک کو جس عنوان کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے اسے دیکھیں کہ یہ جس دعا کا ذکر ہے وہ صبح کی نماز میں ہے اور قنوت نازلہ ہے۔ وتر کا قنوت نہیں۔

غیر مقلدین نے نسائی کے حوالہ سے جو دوسری حدیث کے چند الفاظ ذکر کر کے اپنی ناکام کوشش کی ہے، اسے دیکھیں۔

" حدثنا محمد بن حدثنا سفيان قال حفظناه من الزهری عن سعيد عن ابی هريرة قال لما رفعَ رسول الله ﷺ راسه من الركعة الثانية من صلوة الصبح قال اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ربيعة والمستضعفين بمكة اللهم اشدد وطاتك عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلَهَا عليهم سنينَ كسنى يوسُف "

(نسائی باب القنوت فی الصبح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب اپنا

سر صبح کی نماز کی دوسری رکعت سے اٹھاتے تو یہ دعاء کرتے (دعا کا ترجمہ وہی جو پہلی حدیث میں ذکر کیا ہے)

قارئین کرام انصاف سے خود ہی فیصلہ کریں کون حق بات بیان کرتا ہے اور مکمل بیان کرتا ہے اور مکمل حوالہ دیتا ہے اور کون توڑ موڑ کر، عنوان کا حوالہ دیئے بغیر غلط مسائل بیان کرتا ہے۔

غیر مقلدین کی تیسری دلیل نووی شرح مسلم سے یہاں عنوان کا حوالہ دیا گیا، لیکن اگر عنوان کو مکمل پڑھ لیا جاتا تو غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا، علامہ نووی کے یہ الفاظ " و محله بعد رفع الرأس من الركوع في الركعة الاخيرة" قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے اس عنوان کے تحت ہیں۔

" باب استحباب القنوت في جميع الصلوات اذا نزلت نازلة العياذ بالله واستحبابه في الصبح دائما و بيان ان محله بعد رفع الرأس من الركوع في الركعة الاخيرة واستحباب الجهرية "

(مسلم شریف جلد اول ص ۲۵۷)

مسلمانوں پر " العياذ بالله "جب کوئی مصیبت نازل ہو تو تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا مستحب ہے خصوصاً صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھنا مستحب اور اس کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور جہری طور پر مستحب ہے۔

یہ تھا عنون جس میں واضح طور بیان کیا گیا ہے کہ اس عنوان میں اس قنوت کا ذکر ہے جو مصیبت کے نازل ہونے پر پڑھا گیا تھا جسے قنوت نازلہ کہا گیا

یہ تمام نمازوں میں پڑھا گیا۔ لیکن صبح میں زیادہ مرتبہ پڑھا گیا۔

خیال رہے کہ ایک مہینہ نبی کریم ﷺ نے پڑھابعد میں منسوخ ہو گیا اب قنوت نازلہ پڑھنا درست نہیں۔

قنوت نازلہ کی منسوخیت احادیث سے :

" عن عاصم قال سألت انس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت قبل الركوع او بعده قال قبله قال فان فلانا اخبرنى عنك انك قلت بعد الركوع فقال كذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهر اراه كان بعث قوما يقال لهم القراء زهاء سبعين رجلا الى قوم مشركين دون اولئك وكان بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ شهرا يدعو عليهم"

(بخاری باب القنوت قبل الركوع و بعده ، مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

عاصم کہتے ہیں، میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے متعلق پوچھا کہ رکوع کے بعد ہے یا پہلے انہوں نے کہا رکوع سے پہلے۔ یہ کہتے ہیں میں نے کہا مجھے تو ایک شخص نے تمہارے متعلق خبر دی ہے کہ تم کہتے ہو رکوع کے بعد قنوت ہے۔ انہوں نے کہا اس شخص نے جھوٹ بولا ہے ہاں البتہ یقینی بات ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا جب آپ نے تقریباً ستر اشخاص کو مشرک قوم کی طرف بھیجا وہ لوگ جن کو بھیجا گیا تھا ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ لیکن مشرک ان کے درپے

ہوئے (ان کو شہید کر دیا) حالانکہ ان لوگوں کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا (ان کی وعدہ شکنی اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو شہید کرنے کی وجہ سے) نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف ایک مہینہ تک دعا کی۔

اس حدیث سے واضح ہوا وتر کا قنوت رکوع سے پہلے ہے۔ قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہے۔ وہ ایک مہینہ تک پڑھا گیا۔ پھر چھوڑ دیا گیا۔ اب منسوخ ہو چکا ہے۔

" عن محمد قال قلت لانس هل قنت رسول الله ﷺ فی صلوة الصبح قال نعم بعد الركوع يسيرا "

(بخاری باب القنوت قبل الركوع و بعده ، مسلم باب استحباب القنوت في جميع الصلوات)

محمد (ابن سیرین) کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہے، انہوں نے کہا ہاں رکوع کے بعد تھوڑے وقت میں پڑھا ہے۔

" عن ابی مجلز عن انس بن مالك قال قنت رسول الله ﷺ شهرا بعد الركوع فی صلوة الصبح يدعو على رعل و ذكوان ويقول عصيه عصت الله ورسوله "

(بخاری باب عزوة الرجيع ورعل و ذكوان مسلم باب استحباب القنوت فی جميع الصلوات)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قبیلہ رعل اور ذکوان کے خلاف دعا کی۔ اور فرمانے لگے قبیلہ عصیہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے

" عن انس بن سيرين عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ

قنت شهرا بعد الركوع في صلوة الفجر يدعو على بني عصية"
(مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھا جس میں آپ بنی عصیہ کے خلاف دعا کرتے رہے۔

" عن قتادة عن انس ان رسول الله ﷺ قنت شهرا يدعو على (احياء من) احياء العرب ثم تركه "
(مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ قنوت (نازلہ) پڑھا عرب کے بعض قبائل کے خلاف دعا کی لیکن پھر اسے چھوڑ دیا۔

اس مضمون پر دلالت کرنے والی اور کئی احادیث ہیں 'جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ قنوت نازلہ منسوخ ہو چکا ہے۔ ابھی تک کی گئی بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے۔ کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے اور قنوت نازلہ رکوع کے بعد پڑھا گیا۔ بعد میں چھوڑ دیا گیا۔

تمام نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھا گیا۔ لیکن صبح کی نماز میں زیادہ پڑھا گیا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔ غیر مقلدین نے لفظ قنوت کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ قنوت وتر اور قنوت نازلہ ایک چیز ہے۔ یا انہوں نے دیدہ دانستہ اپنے باطل مذہب کو احادیث سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور دوسرے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے قنوت نازلہ والی احادیث مبارکہ سے قنوت وتر ثابت کرنا چاہا لیکن بفضلہ تعالیٰ ان کی بدنیتی کا پردہ چاک کر دیا گیا۔

نماز تراویح کا بیان

تراویح کی نماز میں مشہور اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک آٹھ تراویح ہیں۔ احناف کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہیں۔

بحث تراویح سے پہلے چند ضروری بنیادی باتیں :

نبی کریم ﷺ نے تین یا چار راتیں تراویح کی جماعت کرائی، پھر امت پر شفقت کرتے ہوئے تراویح کی جماعت نہیں کرائی تاکہ امت پر تراویح کو فرض نہ کر دیا جائے۔

نبی کریم ﷺ سے تراویح کی رکعات کا واضح کوئی ثبوت نہیں۔ بیس کا ثبوت بھی نہیں اور آٹھ کا بھی نہیں صحابہ کرام سے تراویح بیس رکعت ادا کرنا ثابت ہے۔

مطلقاً جماعت سے تراویح ادا کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، کیونکہ آپ نے جماعت سے تراویح پڑھائی ہیں بیس رکعت تراویح سنت صحابہ کرام ہے۔

صحابہ کرام کا طرز عمل بھی ہمارے لئے سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" فعلیکم بسنتی و سنته الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا

علیھا بالنواجذ"

(مسند احمد ، ابوداؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ مشکواۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

میری سنت پر عمل کرنا تم پر لازم ہے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر بھی اسے لازم پکڑو، مضبوطی سے اس پر عمل کرو

نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں اور دوسرے مہینوں میں ہمیشہ تہجد ادا کئے۔ رمضان میں تہجد کو چھوڑا نہیں تہجد اور نماز ہے اور تراویح اور نماز ہے۔ دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔

تراویح جمع ہے ترویحہ کی، جس کا معنی ہے آرام کرنا، راحت حاصل کرنا چونکہ تراویح کی چار رکعت کے بعد وقفہ کیا جاتا ہے اس لئے چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہوتا ہے تراویح نام ہی بتاتا ہے کہ آٹھ کا قول غلط ہے کیونکہ آٹھ میں تو صرف ایک ترویحہ ہوتا ہے پھر تراویح نام کیوں؟ ترویحہ ہونا چاہئے

وقفہ کے دوران اہل مدینہ اضافی طور پر چار رکعت نوافل اکیلے اکیلے ادا کرتے تھے۔ اہل مکہ وقفہ کے دوران طواف کرتے اور دو رکعت تحیۃ الطواف ادا کرتے تھے۔ دوران وقفہ کوئی عمل لازم نہیں۔ کسی طرح کا بھی ذکر کر لیا جائے تو درست ہے۔ مشہور تسبیحات پڑھی جائیں یا کلمہ شریف یا درود شریف کا ورد کر لیا جائے۔

احناف اپنے موقف میں یہ احادیث ذکر کرتے ہیں :

رمضان شریف میں قیام کی فضیلت :

" عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من قام رمضان ایمانا

واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه "

(بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان ، مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح) " ترمذی باب ما جاء فی فضل شهر رمضان ، ابو داؤد باب فی قیام شهر رمضان نسائی باب ثواب من قام رمضان ایمان ابن ماجه باب ماجاء فی قیام شهر رمضان " (مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمضان میں ایمان واحتساب سے قیام کیا (تراویح پڑھیں) اس کے پہلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

گناہوں سے مراد صغائر ہیں، کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں البتہ صغائر کئی عبادات سے معاف ہو جاتے ہیں خیال رہے کہ حدیث پاک میں جو لفظ "احتسابا" استعمال ہوا اس کا معنی "اللہ کی رحمت پر کامل بھروسہ کرنا اور اسی سے ثواب کی امید کرنا" ہے

" عن ابی هريرة قال كان رسول الله ﷺ يرغب فی قيام رمضان من غير ان يامرهم فيه بعزيمة فيقول من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه فتوفی رسول الله ﷺ والامر على ذلك ثم كان الامر على ذلك فی خلافة ابی بكر وصدرا من خلافة عمر على ذلك "

(مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ رمضان میں قیام (تراویح ادا کرنے) کی رغبت دلاتے تھے لیکن لزومی حکم نہیں فرماتے تھے آپ فرماتے تھے جس شخص نے رمضان میں ایمان واحتساب سے قیام کیا اس کے پہلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال تک معاملہ ایسے ہی رہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران بھی معاملہ

ایسے ہی رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی خلافت کے دوران بھی معاملہ ایسے ہی رہا۔

یعنی صرف قیام کی رغبت دلائی جاتی رہی باقاعدگی سے تراویح کی جماعت کو لازم نہیں قرار دیا گیا، لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہی باقاعدہ تراویح کی جماعت شروع ہوگی اسی لئے تراویح کو جماعت سے ادا کرنے سنت مؤکدہ ہے سنتِ خلفاء راشدین در حقیقت سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے کیونکہ خلفاء راشدین نے جو کام کئے وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ہی تھے۔

تراویح کی جماعت رسول اللہ ﷺ نے کرائی:

" عن عروة ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى فى المسجد وصلى رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله ﷺ فصلى فصلوا بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم يخف على مكانكم ولكنى خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفى رسول الله ﷺ والامر على ذلك "

(بخاری باب فضل من قام رمضان ، مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)

حضرت عروہ سے مروی کہ بے شک مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہانے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ایک رات کو نکلے جب رات کا کچھ حصہ گذر چکا تھا، آپ نے مسجد میں نماز پڑھی دوسرے مرد حضرات نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی (یعنی نماز باجماعت ادا کی گئی) صبح لوگوں نے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کیا، (تو پہلی رات سے دوسری رات کو) لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی اور آپ کے ساتھ دوسرے حضرات نے بھی نماز ادا کی۔ صبح لوگوں نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا تو تیسری رات لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے، نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ نے بھی نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی نماز پڑھی، چوتھی رات اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد تنگ ہو گئی، نبی کریم ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔

جب آپ نے صبح کی نماز ادا فرمائی تو لوگوں کی طرف توجہ کی، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی شہادتین کو پڑھا۔ اس کے بعد " اما بعد " کہہ کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا تمہارا اس مقام پر جمع ہونا مجھ پر مخفی نہیں تھا، لیکن مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے، تم ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ، نبی کریم ﷺ کے وصال تک معاملہ ایسے ہی رہا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی ابتداء کی تراویح جماعت سے ادا کرنا سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔

" وفیه قیام رمضان سنة بالجماعة ولیس کمازعمه بعضهم انه سنة عمر رضی الله عنه "

(عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۷۸)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ تراویح کو جماعت سے ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

" ان عدم خروجه الیهم کان للخشیة عن فرضیة هذه الصلوة والشفقة علی امته والرأفة بهم لالعلة اخری "

(از عینی شرح بخاری)

چوتھی رات نبی کریم ﷺ کا باہر مسجد میں تشریف نہ لانا صرف اپنی امت پر شفقت اور مہربانی کی وجہ سے تھا کہ میری امت پر تراویح فرض نہ ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ یہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ نصف رات کے وقت تراویح کی جماعت کرائی لیکن ان کے لئے علیحدہ اذان اور اقامت نہیں کہی گئی۔ خیال رہے تراویح کا وقت عشاء کے فرض ادا کرنے کے بعد اور وتر ادا کرنے سے پہلے ہے نصف رات تک انتظار کرنا ضروری نہیں۔

صحابہ کرام عبادت پر بہت ہی زیادہ حریص تھے، کیونکہ پہلی رات صرف ان لوگوں کو تراویح پڑھائی گئیں جو مسجد میں تھے لیکن صبح جب ایک دوسرے کو بتایا گیا تو دوسری رات زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہو گئے اسی طرح جب زیادہ لوگوں کو علم ہوا تو اور زیادہ ہوئے یہاں تک کہ مسجد میں جگہ باقی نہ

رہی بلکہ لوگ مسجد میں نہ سما سکے۔

" واجمعوا علی انه لا یجوز تعطیل المساجد عن قیام رمضان فهو واجب علی الکفایة "

(عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۷۸)

اس پر اجماع امت ہے کہ مساجد کو تراویح کی نماز سے خالی چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ تراویح کے لئے مساجد میں جمع اور جماعت سے نماز ادا کرنا واجب علی الکفایة ہے۔

تراویح کی ابتداء اعتکاف کی راتوں میں ہوئی :

" عن زید بن ثابت ان النبی ﷺ اتخذ حجرة فی المسجد من حصیر فصلی فیه لیالی حتی اجتمع علیه ناس ثم فقدوا صوته لیلة وظنوا انه قد نام فجعل بعضهم یتنحنح لیخرج الیهم فقال مازال بکم الذی رأیت من صنیعکم حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل صلوة المرء فی بیته الا الصلوة المکتوبة "

(بخاری باب فضل من قام رمضان ، مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)

حضرت زید لبن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے مسجد میں چٹائیوں کا ایک حجرہ بنایا (یعنی اعتکاف کے لئے علیحدہ جگہ کا انتخاب کیا) آپ نے اسی میں چند راتیں نماز ادا کی (یعنی جماعت کرائی) یہاں تک کہ لوگ جمع ہوئے نبی کریم ﷺ کی آواز کو نہ پا کر لوگوں نے گمان کیا کہ آپ سوگئے ہیں ، لوگوں نے کھنگورے لگانے شروع کئے تاکہ آپ ہمارے پاس تشریف لے

آئیں، (صبح کی نماز کی بعد) نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہارے طرز عمل کو دیکھ رہا تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ اگر فرض کر دی گئی تو (ہو سکتا ہے تم اس کی فرضیت کا لحاظ کر کے) ادا نہ کر سکو، اے لوگو تم اپنے گھروں میں ہی یہ نماز ادا کر لیا کرو، بے شک انسان کی نماز سوائے فرض نمازوں کے گھروں میں افضل ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ابتداء تراویح کی نماز کی اعتکاف کی راتوں کو ہوئی کیونکہ مسجد میں چٹائیوں کا حجرہ اعتکاف کے لئے ہی نبی کریم ﷺ بناتے تھے

" انه كان معتكفا فلما عارضه خوف الافراض عليهم تركه لعظم المفسدة التى تخاف من عجزهم وتركهم الفرض "

(عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۷۸)

مسجد میں تراویح کی جماعت کرانے اور پھر چھوڑ دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ نے ایک وجہ یہ بیان کی کہ نبی کریم ﷺ اعتکاف میں تھے تو ابتداء جماعت کی مسجد سے ہی کی، لیکن جب آپ کو اپنی امت پر اس نماز کے فرض ہونے کا خوف ہوا اور یہ خیال ہوا کہ یہ فرض کو ادا کرنے کی ہمت نہ رکھ سکیں اور کہیں چھوڑ نہ دیں، تو اس عظیم مشکل سے بچنے کے لئے آپ نے جماعت کرانی چھوڑ دی۔

مسئلہ :- اعتکاف میں علیحدہ پردے میں جگہ بنانا مستحب ہے، لیکن ضروری نہیں، ضروری صرف مسجد میں رہنا ہے۔ بغیر ضرورت کے مسجد سے

باہر نکلنا منع ہے مسجد کے کمرہ، صحن اور چھت پر بیٹھنا، سونا جائز ہے۔

مسئلہ : ۔ نوافل وغیرہ گھر ادا کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بغیر (نفلی) نماز گھر میں افضل ہے اور فرمایا گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، یعنی جس طرح قبرستان میں نماز ادا نہیں کی جاتی ایسے ہی تم گھروں میں نماز ادا کرنا چھوڑ نہ دو۔

لیکن اگر کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ میں بچوں وغیرہ کی وجہ سے گھر اطمینان سے نماز ادا نہیں کر سکوں گا۔ یا گھر جا کر ہو سکتا ہے دنیاوی مشاغل کی وجہ سنتیں اور نفل رہ نہ جائیں تو ایسی صورت میں سنت اور نوافل مسجد میں افضل رہیں گے۔

(طحطاوی)

راتیں جنمیں نبی کریم ﷺ نے تراویح کی جماعت کرائی :

" عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر قال صمنا مع رسول الله ﷺ فی رمضان فلم یقم بنا حتی بقی سبع من العشرة فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسة فقام بنا فی الخامسة حتی ذهب شطر اللیل فقلت یارسول الله لو نفلتنا بقیة لیلتنا هذه قال انه من قام مع الامام حتی ینصرف کتب الله له قام لیلة ثم لم یصل بنا ولم یقم حتی بقی ثلث من الشهر فقام بنا فی الثالثة وجمع اهله ونسائه حتی تخوفنا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور "

(ترمذی باب ماجاء فی قیام شهر رمضان ، ابوداؤد باب فی قیام شهر رمضان) نسائی باب قیام شهر رمضان واللفظ له ابن ماجه باب ماجاء فی قیام شهر رمضان مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹)

جبیر ابن نفیر سے مروی ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں روزے رکھے۔ آپ نے ہمیں نماز تراویح نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ (آخری) عشرہ کی سات راتیں جب باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں نماز تراویح پڑھائی یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گذر گیا۔ پھر جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو اس رات آپ نے ہمیں نماز تراویح نہیں پڑھائی۔ پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں تراویح کی نماز پڑھائی یہاں تک کہ نصف رات گذر گئی۔ میں نے کہا یارسول اللہ کاش کہ آپ اس بقیہ رات میں بھی آپ ہمیں یہ فرائض سے زائد نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے ساتھ مل کر (اتنی مقدار میں) قیام کر لیا اور پھر چلا گیا تو اسے تمام رات نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔ پھر آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی اور نہ قیام کیا یہاں تک کہ جب تین راتیں باقی رہ گئیں۔ تو آپ نے ہمیں نماز پڑھائی آپ نے اپنے اہل اور ازواج کو جمع کیا۔ (اتنی لمبی نماز تھی) ہمیں خوف ہوا کہ ہم سے فلاح ہی نہ رہ جائے۔ جبیر ابن نفیر کہتے ہیں میں نے حضرت ابوذر سے پوچھا کہ فلاح سے کیا مراد ہے تو آپ نے کہا سحری کا کھانا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

نبی کریم ﷺ پہلی تراویح کی نماز رمضان کی تیئیس رات کو پڑھائی۔ چوبیس رات کو نماز نہیں پڑھائی۔ پچیس رات کو پھر چھبیس رات کو نماز نہیں

پڑھائی اور ستائیس رات کو پھر نماز پڑھائی، پہلی رات کی نماز کچھ مختصر تھی۔ دوسری رات پہلی رات سے لمبی نماز تھی، تیسری رات کو اور زیادہ لمبی تھی۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام کو سحری کے فوت ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔

البتہ تیسری رات کو نماز غالبا کافی دیر سے شروع کی گئی۔ جیسا کہ پہلے ایک حدیث شریف میں ''جوف اللیل'' کے الفاظ گذر گئے کہ نصف رات کو نماز شروع کی گئی۔

تین راتوں میں مختلف طور پر نماز پڑھا کر رسول اللہ ﷺ نے یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ لوگ تین قسم کے ہوں گے۔ کوئی تخفیف پسند کریں گے ان کے حال کے مطابق نماز کو مختصر پڑھایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی متوسط ہوں گے، ان کے حال کے مطابق درمیانہ حال رکھا جائے نماز بہت مختصر نہ ہو اور بہت لمبی بھی نہ ہو۔ اور کچھ لوگ خشوع وخضوع والے ہوں گے جو ساری رات جاگنا چاہیں گے ان کے حال کے مطابق تمام رات بھی نماز پڑھائی جا سکے گی۔

اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ صحابہ کرام نماز پر بہت زیادہ حریص تھے۔ اسی لیے حضرات ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نصف رات تک نماز پڑھانے کے بعد رات کے بقیہ حصہ میں بھی نماز پڑھانے کی تمنا کی۔

جب انسان شوق ومحبت اور خلوص سے امام کے ساتھ مل کر تراویح ادا کرے خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی ساری رات قیام اور نماز کا ثواب اسے مل جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی۔اس لیے تراویح کو جماعت سے ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

یہ نماز رمضان کے آخری عشرہ میں تھی،جس طرح پہلے حدیث پاک سے واضح کیا جا چکا ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے کو نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا:

"عن ثعلبة بن ابی مالک القرظی قال خرج رسول اللہ ﷺ ذات لیلة فی رمضان فرای فی ناحیة المسجد یصلون فقال ما یصنع هولاء قال قائل یا رسول اللہ هولاء ناس لیس معهم القرآن و ابی بن کعب یقروهن معه یصلون بصلوته قال قد احسنوا وقد اصابوا ولم یکره ذلک لهم" (بیقی باب من رعم ایها بالحساعة افض ابو دائود باب قیام شهر رمضان)

ثعلبہ ابن مالک قرظی کہتے ہیں رمضان شریف ایک رات رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کچھ لوگ مسجد کے ایک کنار میں نماز ادا کر رہے تھے،آپ نے فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ قرآن پاک کے حافظ نہیں ہیں ابی بن کعب حافظ قرآن ہیں،اس لیے یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں۔آپ نے فرمایا انھوں نے اچھا کام کیا۔ آپ نے ان کے اس فعل کو ناپسند نہیں فرمایا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں ہی صحابہ کرام نے حافظ قرآن کے پیچھے جماعت سے تراویح شروع کر لی تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو جماعت سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو منع نہیں کیا، ناپسند نہیں کیا، بلکہ پسند فرمایا اور ان کی تعریف کی کہ انھوں نے اچھا کام کیا ہے۔

جو لوگ حافظ نہ ہوں ان کا حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت کو باقاعدگی سے جاری کرنا:

"عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون بصلی الرجل لنفسه و بصلی الرجل فیصلی بصلوته الرهط فقال عمر انی ارای لو جمعت هولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عرد فجمعهم علی ابی بن کعب ثم حرجت معه لیلة اخری و الناس یصلون بصلوة قارنهم قال عمر نعم البدعة هذه.(بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان)

عبدالرحمٰن بن عبد القاری روایت کرتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد تک گیا، وہاں لوگ مختلف حصوں میں متفرق تھے، کئی لوگ اکیلے اکیلے نماز ادا کر رہے تھے اور کوئی چھوٹا سا گروہ کسی شخص کی امامت میں جماعت سے نماز ادا کر رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میری رائے یہ ہے ان کو ایک قاری کی امامت میں جمع کر دیا جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ پھر آپ نے پختہ ارادہ فرمالیا، یہاں تک کہ آپ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ان سب کا امام مقرر

کر دیا، پھر آپ دوسری رات تشریف لائے تو دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قاری کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ نئی چیز بہت ہی اچھی ہے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں صحابہ کرام ایک حافظ وقاری کی امامت میں تراویح جماعت سے شروع کیں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں سلسلہ میں جاری رہا۔

نبی کریم ﷺ انھیں نہیں روکا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں روکا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں نہیں روکا۔ بلکہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ رمضان شرف میں قیام کا اہتمام کر رہے ہیں لیکن تراویح باقاعدہ طور پر سب مل کر جماعت سے ادا نہیں کرتے بلکہ کوئی علیحدہ طور پر اپنی اپنی نماز ادا کر رہے ہیں اور کوئی جماعت سے تو آپ نے خیال ظاہر کیا کہ یہ لوگ اگر سب مل کر جماعت سے نماز ادا کریں اور ایک مسجد میں ایک ہی امام پیچھے سب نماز ادا کریں تو کتنا ہی بہتر ہوگا۔

پھر آپ نے اپنے خیال کو مکمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، یہاں کہ مسجد نبوی میں ایک ہی امام تراویح کے لیے مقرر کر دیا۔ وہ صاحب جن کو امام مقرر فرمایا وہ حضرت ابی ابن کعب تھے جو حافظ قرآن تھے۔

واضح ہوا کہ تراویح میں قرآن پاک کا سنانا اگرچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں شروع ہوا لیکن باقاعدہ طور پر نہیں، بلکہ مرضی پر موقوف تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جس طرح جماعت کو باقاعدہ طور پر جاری کیا گیا اسی طرح امام ایسے شخص کو مقرر کیا جو حافظ تھا، اسی وقت سے تراویح میں قرآن پاک کا سنانا بھی باقاعدہ طور پر شروع ہو گیا۔

فائدہ جلیلہ :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا باقاعدہ طور پر جماعت سے تراویح ادا کرنے کو دیکھ کر کہنا "نعمت البدعة هذا" (یہ نئی چیز بہت اچھی ہے) اس سے کئی مسائل حل ہوئے ہر بات کو یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو حدیث پاک سے لیا گیا ہے جسے سمجھنے کی تکلیف برداشت نہیں کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ بدعت سیئہ (نئی چیز جو بری ہو) گمراہی ہے نہ کہ بدعت حسنہ، اچھی نئی چیز کو گمراہی کہنے سے وہ لوگ جو ہر نئی چیز کو بدعت اور گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی خود بھی گمراہی سے بچ نہیں سکیں گے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ " نماز کے لئے دل میں نیت کر لینا کہ یہ فلاں نماز ہے فلاں وقت کی ہے، اور میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہوں"

کافی ہے۔ لیکن اگر الفاظ سے ادا کرے تو بہتر ہے تاکہ دل کی نیت کے

موافق زبان کے الفاظ ہو جائیں۔ اس طرح نماز کی طرف توجہ زیادہ ہوگی کیونکہ ابھی زبان سے کہا تھا کہ یہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں تو ان الفاظ کو یاد کرتے ہوئے انسان یقیناً نماز کی طرف دھیان زیادہ کرے گا۔

اس پر اشتہار چھاپ چھاپ کر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو دل سے نیت کرتے تھے، زبان سے نیت نہیں کرتے تھے تم زبان سے نیت کر کے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرتے ہو۔

ایسے جاہلانہ طرز تبلیغ سے اے اللہ تیری پناہ اے اللہ ان جاہلوں کو ہدایت عطا فرما، کاش کہ ان لوگوں کو یہ بھی کوئی بتائے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ اور عیدین میں صرف عربی خطبہ دیا تھا۔ اردو یا کسی اور زبان میں تقریر نہیں کی تھی تم پہلے اردو، یا اور کسی زبان میں تقریر کرتے ہو پھر عربی خطبہ پڑھتے ہو تمہارا یہ طور طریقہ کہاں سے آیا، کیا یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے؟

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کچی تھی، دیواریں پتھروں اور مٹی سے بنی ہوئی تھیں۔ چھت سے بارش میں پانی ٹپکتا تھا۔ آج پختہ مسجدیں کیوں بنا رہے ہے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں قالین نہیں تھے، بجلی کے پنکھے نہیں تھے، تم کیوں یہ کام کر رہے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دینی مدرسہ کی کوئی عمارت نہیں تھی طلباء کے لئے رہائش کا عمارتی صورت میں کوئی اہتمام نہیں تھا طلباء کے لئے کھانے کا اہتمام لنگر خانہ کی صورت میں نہیں تھا طلباء کو

پڑھانے کئے کوئی تنخواہ دار مدرس نہیں تھا۔ امامت کرانے کے لئے کوئی تنخواہ دار امام نہیں تھا، تم یہ سب کام کیوں کر رہے ہو؟

نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جا کر کبھی لگاتار تین دن سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ تم دن میں تین مرتبہ گندم کی روٹی سیر ہو کر کھا کر ڈکار کیوں مار رہے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے گھر تو کھانا پکانے کے لئے کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا، بلکہ صرف کھجور اور پانی پر گذارا ہوتا تھا۔ تم طرح طرح کے کھانے کیوں کھا رہے ہو۔

نبی کریم ﷺ نے فقیرانہ لباس اختیار فرمایا۔ آپ نے شاہانہ لباس اختیار نہیں کیا، تم شاہانہ لباس، کاروں کی سواری کو حاصل کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی صرف کی کتاب نہیں تھی، نحو کی نہیں تھی آج یہ تم کیوں پڑھ رہے ہو، ذرا اپنے گریبان میں جھانکو کہیں تم گمراہ تو نہیں ہو رہے یقیناً ان چیزوں سے تو تم گمراہ نہیں ہو رہے ان چیزوں کی وجہ سے تو ہم تمہیں گمراہ نہیں مانتے لیکن البتہ مسلمانوں کو گمراہ کہنے کی وجہ سے یقیناً تم دین سے بغاوت کر رہے ہو اور گمراہ ہو رہے ہو۔ تف تمہاری عقل پر جب رب تعالیٰ نے تمہیں راہ راست سے بھٹکا دیا تو میں کیا کروں۔

☆☆☆☆☆

بیس تراویح کا ثبوت

" عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانو يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان من شدة القيام "

(بیہقی باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

سائب بن یزید کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان شریف کے مہینہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں اور کئی کئی سو آیتیں ان میں پڑھی جاتیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تراویح میں اتنا لمبا قیام ہوتا کہ لوگ اپنی لاٹھیوں پر سہارا لگاتے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے:

"واسناده صحیح" اس کی سند صحیح ہے۔

یہ حدیث بیہقی رحمہ اللہ نے سنن کبری میں ذکر کی۔ اس کی پوری سند یہ ہے۔

" اخبرنا ابو عبدالله الحسين بن محمد بن الحسين ابن فنجويه الدينوري بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السني عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز البغوي ثنا على بن الجعد انبأنا ابن ابي ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب ابن يزيد "

" رجال اسناده کلهم ثقات " اس سند میں تمام راوی ثقہ حضرات ہیں، خصوصاً ابو عبداللہ بن فنجویہ الدینوری کے متعلق بیان کیا گیا" فهو کبار المحدثین فی زمانه لایسئل عن مثله " وہ اپنے زمانہ کے محدثین میں سے بڑے محدث تھے اس وقت ان کی مثل کوئی نہیں تھا۔

(طبقات الحفاظ للذهبی)

احمد بن محمد بن اسحاق المعروف بابن سنی کے متعلق کہا گیا ہے " کان دینا خیرا صدوقا" وہ دین دار تھے، ہر طرح کے اچھے کام کرنے والے تھے اور بہت بڑے سچے انسان تھے اور یہ نسائی کے راوی ہیں۔

(طبقات الحفاظ للذهبی)

ابو بکر عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغوی کے متعلق ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے" ابوبکر کان ثقة ثبتا فهما عارفا" ابو بکر عبداللہ ثقہ راوی تھے، حافظ کامل تھا کامل فہم کے مالک تھے اور عارف تھے۔

علی بن جعد بخاری کے شیوخ میں سے ایک تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کیا " انه ثقة " وہ ثقہ راوی تھے، ابن ابی ذئب کے متعلق تقریب میں کہا گیا" انه ثقة فقیه فاضل " وہ ثقہ راوی ہیں اور فقیہ و فاضل ہیں۔ یزید بن خصیفہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اصل میں وہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ ہیں ان کے متعلق بھی تقریب میں مذکور ہے " انه ثقة" وہ ثقہ راوی ہیں۔

سائب ابن یزید، صحابی صغیر تھے، واضح ہوا تمام راوی ثقہ تھے اس لئے صرف زبانی طور پر حدیث کو ضعیف کہہ کر جان نہیں چھڑائی جاسکتی اور نہ ہی

کسی معاند کے قول کا اعتبار ہو گا۔

(از التعلیق الحسن ص ۳۹۴)

بیان کردہ حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی تراویح بیس رکعت ادا ہوتی تھیں اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی تراویح بیس رکعت ہی تھیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں صرف یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت لمبا قیام کیا جاتا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنی لاٹھیوں پر سہارا لگانے پر مجبور ہوتے تھے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت نہیں ہوتی تھیں۔

" عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث و عشرين ركعة "

(موطأ امام مالك باب ماجاء في قيام رمضان)

یزید ابن رومان کہتے ہیں کہ بے شک لوگ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیئس رکعت ادا کرتے تھے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تراویح بیس رکعت تھیں، اور وتر تین رکعت تھے اس حدیث کی سند کی متعلق کہا گیا ہے "واسناده مرسل قوی" اس کی سند مرسل قوی ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب تابعی صحابی کا ذکر نہ کرے تو وہ حدیث مرسل ہوتی ہے اور قوی اس لئے ہوتی ہے کہ تابعی نے اگرچہ صحابی کا ذکر نہیں کیا لیکن تمام صحابہ کرام قوی راوی ہیں لہذا صحابی کو سند میں ذکر نہ کرنے کی وجہ

بھی کوئی ایسی نہیں کہ حدیث کو ضعیف کردیا جائے۔

" عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة "

(مصنف ابن ابی شیبہ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو تراویح پڑھایا کریں۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کو ہی لازم قرار دیا۔ اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "اسناده مرسل قوی "اس کی سند مرسل قوی ہے وہ شخص جن کو امامت کا حکم دیا وہ حضرت ابی ابن کعب ہیں جن کا ذکر پہلی حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔

اہل مدینہ بیس رکعت پڑھتے تھے :

" عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث "

(مصنف ابن ابی شیبہ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

عبدالعزیز ابن رفیع سے مروی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں لوگوں کو مدینہ طیبہ میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر۔

اعتراض : اہل مدینہ تو چھتیس رکعت پڑھتے تھے، بیس کا قول کس طرح درست ہے۔ جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے

" و عند مالك ستة وثلاثون رکعة غیر الوتر واحتج علی ذلك بعمل اهل المدینة "

(عینی شرح بخاری بحار ج ۷ ص ۱۷۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کے بغیر چھتیس رکعت ہیں آپ نے اہل مدینہ کے عمل کو دلیل بنایا ہے کہ وہ وتر کے بغیر چھتیس رکعت ہی پڑھتے تھے۔

جواب : امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی بیس رکعت تراویح کے ہی قائل تھے، البتہ اہل مدینہ کے عمل کے مطابق چھتیس رکعت پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے، کیونکہ اہل مدینہ چار رکعت کے بعد چار رکعت نوافل بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے اور آخری چار رکعت یعنی بیس مکمل کرنے کے بعد نہیں پڑھتے، اس طرح ان کی سولہ رکعت اضافی ہو جاتی تھیں، بیس اور سولہ مل کر چھتیس رکعت بن جاتی تھیں۔

اہل مکہ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا :

" ویستحب لاهل المدینة ستا وثلاثین رکعة تشبیها باهل مکة حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیه ولا یطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدینة مساواتهم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات "

(مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۳)

اہل مدینہ نے چھتیس رکعت کو پسند کیا وہ اہل مکہ سے مشابہت کرتے کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کرتے تھے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے تھے پانچویں ترویحہ یعنی بیس رکعت مکمل کرنے کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔

اہل مدینہ ان کے مساوی اس طرح عمل کرتے تھے کہ طواف اور تحیۃ

الطواف کی جگہ چار رکعت نوافل ادا کرتے۔

مکہ والے بیس رکعت تراویح پڑھتے ان کے درمیان چار مرتبہ طواف کرتے تھے، ہر طواف کے بعد دو رکعت طواف کی پڑھتے، اس طرح مکہ والوں کی بیس تراویح اور آٹھ رکعت تحیۃ الطواف اور چار طواف اور تین وتر ہوتے یعنی تراویح اور تحیۃ الطواف اور وتر کی تین رکعت ملا کر اکتیس رکعت بنتیں۔

مدینہ طیبہ والوں کی تراویح، نوافل اور وتر کی مجموعی طور پر انتالیس رکعت بنتی تھیں۔ واضح ہوا کہ مدینہ والے اور مکہ والے بیس رکعت ہی تراویح پڑھتے رہے بلکہ ان میں اضافی عبادت بھی کی۔

بیس رکعت کے ثبوت پر اوراحادیث :

" عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر "

(مصنف ابن ابی شیبه باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

عطاء کہتے ہیں میں نے لوگوں کو مع وتر کے تئیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہوا کہ بیس رکعت تراویح ہیں اور تین رکعت وتر ہیں۔

" عن ابى الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة "

(السنن الكبرى للبيهقى كتاب الصلوة باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان)

" اسناده حسن " اس کی سند حسن ہے

ابو خصیب کہتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ رمضان شریف میں ہماری امامت کراتے تھے ۔ ہمیں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

" عن نافع بن عمر قال كان ابن ابی ملكية يصلى بنافی رمضان عشرين ركعة "

(مصنف ابن ابی شيبه كتاب الصلوة باب كم يصلى فی رمضان من ركعة)

حضرت نافع بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ہمیں رمضان میں ابن ابی ملیکہ بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

" اسناده صحيح "اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

" عن سعيد بن عبيد ان على بن ربيعة كان يصلى بهم فی رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث "

(مصنف ابن ابی شيبه كتاب الصلوات باب كم يصلى فی رمضان من ركعة)

سعید ابن عبید کہتے ہیں بے شک علی بن ربیعہ ہمیں رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح طور پر بیس رکعات تراویح اور تین وتر کا ادا کرنا سمجھ آرہا ہے۔

"اسناده صحيح "اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ جو دلیل بنانے کے قابل ہے ،اس میں کسی قسم کا ضعف نہیں۔

بیس رکعات کے متعلق کچھ اور احادیث :

ابھی تک بیس رکعات تراویح کے ثبوت پر جو احادیث پیش کی گئی وہ تمام صحیح یا حسن یا مرسل قوی الاسناد تھیں وہ تمام کی تمام قابل حجت ہیں، صحیح حدیث حکم کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی کافی ہے، جب کہ کئی احادیث صحیح اور حسن پیش کر دی گئی ہیں تو اب کون سی مشکل باقی رہ گئی۔

اب چند احادیث وہ نقل کر رہا ہوں جو اگرچہ ضعیف ہیں لیکن دوسری احادیث سے جب ان کو تائید حاصل ہے تو وہ بھی درجہ قوت میں آجاتی ہیں، ان کو بھی حجت بنانا صحیح ہوگا۔

" عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر "

(مصنف ابن ابی شیبة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

(التعليق الحسن على آثار السنن ص ٣٩٨)

" عن ابی عبدالرحمن سلمی عن علی رضی الله عنه قال ودعاالقراء فی رمضان فامرمنهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی رضی الله عنهم یوتربهم "

(بیهقی)

ابو عبدالرحمن سلمی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قراء کو رمضان میں بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے ، وتر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ

پڑھاتے تھے۔

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۳۹۹)

" عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ "

(بیہقی)

ابو الحسناء کہتے ہیں بے شک حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھائے۔

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۳۹۹)

" عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النہار ولایحسنون ان یقرؤا فلو قرأت علیہم باللیل فقال یا امیر المؤمنین ہذا شئی لم یکن فقال قد علمت ولکنہ حسن فصلی بہم عشرین رکعۃ "

(کنز العمال)

حضرت ابی ابن کعب کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ رمضان میں وہ لوگوں کو نماز تراویح پڑھادیا کریں بے شک لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں (لیکن حافظ نہ ہونے کی وجہ سے) قرآن پاک اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے اس لئے بہتر یہ ہے کہ رات کو تم انہیں نماز پڑھادیا کرو۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ ایسا کام جو اس سے پہلے باقاعدہ طور پر نہیں کیا گیا۔ آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن اچھا کام ہے۔ تو انہوں نے بیس رکعات لوگوں کو پڑھائیں۔

(التعلیق الحسن ص ۴۰۰)

بیس رکعات کے ثبوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اچھے کام کا ایجاد کرنا بھی اچھا ہے۔

" عن عبدالله بن قیس عن شتیر بن شکل انه کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر "

(مصنف ابن ابی شیبة)

عبداللہ بن قیس کہتے ہیں شتیر ابن شکل رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔

" عن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر "

(مصنف ابن ابی شیبة)

ابوالبختری سے مروی ہے کہ وہ پانچ تروے رمضان میں پڑھتے تھے اور وتر پڑھتے تھے۔

چار مذاہب میں بھی تراویح بیس رکعات ہیں :

" والمختار عند ابی عبدالله رحمه الله فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوری وابو حنیفة والشافعی وقال مالك سته وثلاثون وتعلق بفعل اهل المدینة "

(المغنی لابن قدامة ج ۲ ص ۱٦٧)

امام ابو عبداللہ رحمہ اللہ کے نزدیک مختار یہی ہے کہ بیس رکعات ادا کی جائیں۔ یہی قول امام ثوری اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ چھتیس رکعت کے قائل تھے۔ انہوں نے اہل مدینہ کے عمل کے مطابق عمل کو ترجیح دی۔

تنبیہ :

ابو عبداللہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی کنیت ہے، المغنی ابو قدامہ رحمۃ اللہ ان کے ہی مقلد ہیں واضح ہوا کہ چار مذاہب، حنفی مالکی، شافعی، حنبلی، سب میں تراویح بیس رکعت ہی ہیں۔

کیونکہ بیس رکعت کے قائل امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔اور بیس رکعت کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔اور بیس کا قول ہی امام ابو عبداللہ احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا ہے۔اور بیس رکعت ہی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ اور اہل مدینہ کے نزدیک چھتیس رکعات کی وجہ گذر چکی ہے۔ کہ وہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور سولہ رکعت اضافی طور پر نوافل ادا کرتے تھے۔

تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع :

" اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة "

(مرقاة شرح مشكوة ج ٣ ص ١٩٤)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ تراویح کے بیس رکعات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

" وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی الله عنه كالاجماع "

(ارشاد الساری لشرح البخاری ج ٣ ص ٥١٥)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح ارشاد الساری میں

بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس تراویح پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ اجماع کی طرح ہے۔

یعنی اتنی تعداد میں صحابہ کرام نے بیس تراویح پر عمل کیا جن کی تعداد اجماع کے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

" روى مالك عن ابن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن على انه امر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالاجماع "

(المغنی ج ۲ ص ۱۶۷)

ابن رومان کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تئیس رکعت (بیس تراویح، تین وتر) پڑھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ اس کے قائل لوگ اتنی تعداد میں ہیں جن کو اجماع کی حیثیت حاصل ہے۔

غیر مقلدین کے امام کا فتوی :

" فانه قد ثبت ان ابی بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة في قيام رمضان ويوتر بثلاث فرأى كثير من العلماء ان ذلك هوالسنة لانه اقامه بين المهاجرة والانصار ولم ينكره منكر "

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۱۱۲)

بے شک یہ ثابت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رمضان کے قیام میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ بہت سے علماء نے اسے سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے

مہاجرین و انصار کے موجودگی میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھائے ہیں، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کی جماعت کرائی، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اجماع صحابہ پایا گیا۔

ابن تیمیہ کے اقوال و نظریات، ہی عقائد کے معاملہ میں غیر مقلدین کا سرمایہ ہیں۔ اسی کے اقوال کے مطابق غیر مقلدین کے عقائد ہیں تو بیس رکعت تراویح کے متعلق ابن تیمیہ کے فتویٰ کو نہ تسلیم کرنا باعث تعجب ہے۔ کاش کہ اپنے عقائد کے امام کی بات کو ہی تسلیم کر لیتے۔

آٹھ تراویح پر غیر مقلدین کے دلائل :

تہجد کے بیان میں آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پڑھ چکے، صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

" ماکان یرید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ "

یعنی رمضان اور غیر رمضان میں رسولِ خدا (رات کی نماز علی العموم) گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے، اس حدیث کی صحت کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہا ہے۔ یہ حدیث نہایت درجہ صحیح اور غیر مجروح ہے، تو اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ حضور رات کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت (جن میں تین وتر بھی ہیں) رہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ غیر

رمضان تہجد گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور حضور نے وہی گیارہ رکعت تہجد تراویح کے نام سے رمضان میں پڑھائی۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۳۸۱)

غیر مقلدین کی اس دلیل کا رد :

ذرا غور فرمائیں کہ ایک ہی حدیث تہجد کی بحث میں اور وہی تراویح کی بحث میں ذکر کر دی۔

حدیث پاک سے واضح ہے کہ یہ اس نماز کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں بھی پڑھی اور رمضان کے بغیر دوسرے مہینوں میں بھی پڑھی۔ وہ نماز تہجد ہے تراویح نہیں۔

تہجد صرف آٹھ ہی نبی کریم ﷺ نے نہیں پڑھے، بلکہ چار رکعت اور تین وتر، چھ رکعت اور تین وتر، آٹھ رکعت اور تین وتر۔

وتر کی بحث میں ایک حدیث پاک ذکر کی گئی اس کو پھر سے دیکھیں، تو واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف آٹھ ہی رکعت رمضان اور غیر رمضان میں پڑھے ہوں اس کی ماسوا اور کوئی صورت نہ۔ یہ کہنا غلط ہو گا۔

" عن عبدالله بن ابی قیس قال سألت عائشة بکم کان رسول الله ﷺ یوتر قالت باربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث وعشرة ولم یکن یوتر باکثر من ثلاث عشر ولا انقص من سبع

(طحاوی باب الوتر، ابوداؤد باب فی صلوۃ اللیل مسند احمد ج ٦ ص ١٤٩)

عبداللہ ابن ابی قیس کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کتنی تعداد میں وتر ادا کرتے تھے،
آپ نے فرمایا چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین دس اور تین،
آپ نے طاق رکعات تیرہ سے زائد نہیں ادا کیں اور سات سے کم
نہیں۔

اب واضح ہوا کہ اگر تہجد والی حدیث سے ہی تراویح کو ثابت کرنا ہے تو یہ کہنا چاہئے کہ تراویح چار بھی ہیں چھ بھی ہیں، آٹھ بھی ہیں۔

غیر مقلدین کی عجیب چالبازی:

جب ان کی دلیل بہت زیادہ کچی تھی کیونکہ انہوں نے وہ حدیث پیش کی جس میں تہجد کی نماز کا ذکر تھا، تو ان پر جب اعتراض ہوا کہ تم اس حدیث سے تراویح کی آٹھ رکعت کیسے ثابت کرتے ہو۔ تراویح تو غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتیں تو انہوں نے پھرتی سے عجیب چالبازی کا مظاہرہ کیا، اپنا موقف یوں پیش کیا کہ رمضان کے بغیر جو تہجد تھے وہی رمضان میں تراویح بن گئیں۔

غیر مقلدین کا موقف غلط ہے:

تہجد اور تراویح کو ایک کہنا غلط ہے یہ در حقیقت تہجد کے معنی سے ہی بے خبری ہے، هجد، تهجيدا، نیند سے جاگنا، رات کو سونا۔ رات کو جاگ کر نماز پڑھنا۔

هجد هجدا : نام و صلى بالليل ،تهجد ، استيقظ للصلوة

(المعجم الوسيط (المنجد اردو)

هجد ، هجودا ، فهو هاجد، کا معنی ہے سونا، اور رات کو نماز پڑھنا، تہجد ، نماز کے لئے بیدار ہوا۔ لفظ تہجد کے معنی سے ہی واضح ہوا کہ یہ نماز سو کر جاگنے پر سحری کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اور تراویح جاگتے ہی سب پڑھتے ہیں خواہ غیر مقلد ہوں یا کہ احناف۔

یہ کہنا کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ اس پر غیر مقلدین نے کوئی دلیل نہیں قائم کی بلکہ صرف زبانی دعویٰ کر دیا ہے۔

غیر مقلدین کے علامہ ثناء اللہ امر تسری کی حق گوئی

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے جب کہا کہ تراویح اور تہجد ایک ہیں۔ رمضان میں نبی کریم ﷺ نے تہجد کی ہی جماعت کرا کر تراویح بنادیا۔ تو اس کا رد کرتے ہوئے علامہ ثناء اللہ امر تسری نے یوں کہا۔

(مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب کی) ساری کوشش کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دو نہیں۔ یعنی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر دلیل کوئی نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی نیند سے اٹھ کر نماز کا پڑھنا قاموس میں ہے " تهجد ، استيقظ " نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و عن ابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ " ماكان رسول الله

ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ
"آنحضرت ﷺ گیارہ رکعتیں ہی رمضان اور غیر رمضان میں پڑھتے تھے۔

رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح پڑھی تھیں۔ ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئیں، اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو فرمان خداوندی " فتہجد " کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں، یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ حضور نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر نفی کردی آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں، یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور نے اسی اول شب کی نماز کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کر کے نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کے لئے نہیں۔

(اھل حدیث کا مذھب ص ۹۶ ۹۷)

خیال رہے کہ اتنی بات تو علامہ ثناء اللہ امرتسری نے حق کہی ہے کہ تراویح کی نماز اور ہے۔ ان دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔ کیونکہ تراویح اول وقت میں ادا ہوتی ہیں اور تہجد سو کر اٹھنے کے بعد، لیکن اس کے بعد علامہ امرتسری

نے بہت تکلف سے کام لیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

اگر حدیث کی کتب کے عنوان کو ہی دیکھ لیا جائے تو بات واضح ہو جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق ہی تہجد کی نماز سے ہے۔ بات سیدھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تہجد کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زائد نہیں پڑھی۔ کیونکہ دس رکعت والی روایت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ نے آٹھ رکعت تہجد، تین رکعت وتر سحری کے آخری وقت میں ادا کئے ساتھ ہی سحری کے اختتام پر دو رکعت فجر کی (سنت) ادا کیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث کو دیکھیں تو مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔

"عن عائشة قالت كان النبى ﷺ يصلى من الليل ثلث عشر ركعة منها الوتر و ركعتا الفجر "

(بخاری ج ا باب کیف صلوۃ اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز ادا فرماتے جن میں (تین رکعت) وتر بھی ہوتے اور دو رکعت فجر کی بھی۔

واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی کبھی تہجد چار رکعت اور کبھی کبھی چھ رکعت بھی پڑھے ہیں۔ لیکن آٹھ رکعت سے زائد کبھی بھی نہیں پڑھے۔ رمضان ہو یا غیر ہو، حدیث پاک بالکل واضح ہے اس میں تراویح کا ذکر ہے ہی نہیں صرف غیر مقلدین کا ضد کی وجہ سے سر چکرا گیا ہے۔

تہجد اور تراویح کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں علامہ امرتسری کا فتویٰ :

سوال :- جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ یا نہیں ؟

جواب :- پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

(فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۴۳۱)

نبی کریم ﷺ تہجد آخر رات میں ادا کرتے تھے :

" عن اشعث قال سمعت ابی قال سمعت مسروقا قال سألت عائشة ایّ العمل کان احب الی النبی ﷺ قالت الدائم قلت متی کان یقوم قالت یقوم اذا سمع الصارخ "

(بخاری باب من نام عند السحر ، کتاب التهجد)

اشعث کہتے ہیں میں نے اپنے باپ (ابو الشعثاء سلیم) سے سنا کہ وہ کہتے ہیں میں نے مسروق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کون سا عمل نبی کریم ﷺ کو پسند تھا تو آپ نے فرمایا ہمیشگی، میں نے کہا آپ کب اٹھتے تھے ؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب آپ مرغ کی اذان سنتے تھے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

وہ عمل زیادہ اچھا جو ہمیشہ کیا جائے خواہ تھوڑا ہی ہو۔ ایک دن زیادہ

عمل کر دیا پھر چھوڑ دیا۔ ایسا عمل بہتر نہیں۔

نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز رات کے آخری وقت میں یعنی سحری کے وقت مرغ کے اذان دینے وقت ادا فرماتے تھے

تراویح اول وقت میں :

نبی کریم ﷺ کی تراویح کا جو ذکر پہلے ہو چکا ہے ان سے واضح ہوا کہ پہلی رات جلد شروع کی گئیں اور رات کے تہائی حصہ تک ختم کر دی گئیں۔ اور دوسری رات جلدی شروع کر دی گئیں اور نصف رات کو ختم کر دی گئیں پھر صحابی کے مطالبہ پر کہ آپ رات کے باقی حصہ میں بھی نماز پڑھاتے رہتے ہیں۔

تو تیسری رات سحری کے وقت تک پڑھائیں۔ تیسری رات عین ممکن ہے کہ رات کا کچھ حصہ گذر جانے کے بعد شروع کی ہوں تا کہ دوسری حدیث جس میں "جوف اللیل" کا ذکر ہے اس سے مطابقت ہو جائے۔

" فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل ظاهر فی انه ﷺ معهم النوافل جماعة اول اللیل ففیه دلیل للجمهور علی ان التراویح یصلی اول اللیل مع الجماعة "

(شرح الترمذی للابی الطیب سندی ج ۲ ص ۱۴۹)

صحابی نے جو یہ کہا ہے کہ تراویح میں پہلی رات نبی کریم ﷺ نے ہمیں رات کے تہائی حصہ تک قیام کرلیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو تراویح جماعت سے اول رات میں پڑھائیں۔ اسی قول میں جمہور کی دلیل بھی موجود ہے کہ تراویح رات کے اول حصہ میں جماعت سے ادا کی جائیں۔

تہجد اور تراویح دونوں کے ادا کرنے کی ترغیب :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد :

" والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اوله "

(بخاری باب فضل من قام رمضان)

وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو افضل ہے اس سے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ کی نماز تھی کیونکہ لوگ اول حصہ مین تو ادا کر رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس طرف اشارہ تھا کہ تم تراویح کی نماز تو بہت خلوص و محبت سے ادا کر رہے، لیکن تہجد بھی ادا کیا کرو، کیونکہ پچھلی رات کی نماز زیادہ افضل ہے۔

خیال رہے کہ یہ الفاظ مبارکہ اسی حدیث کا آخری حصہ ہیں جس کا پہلا حصہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جاری کر دیا۔

یقیناً تراویح اول حصہ میں ادا ہو رہی تھیں، آخر رات میں جس نماز کی افضلیت کو ذکر کیا وہ تہجد کی نماز تھی،

تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ ہیں :

ابھی تک جو بحث کی گئی اس سے کافی حد تک معلوم ہو گیا کہ تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تاہم کچھ اور فرق بھی دیکھئے۔ نبی کریم ﷺ

پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ آپ نے تہجد ہمیشہ ادا کئے اور بغیر جماعت کے ادا کئے، لیکن تراویح صرف تین رات جماعت سے ادا کرائیں۔ پھر امت پر فرض ہونے کے خطرہ سے چھوڑ دی۔

" كانت صلوة الليل فريضة على النبى ﷺ فى الابتداء وعلى الامة بقوله تعالى " يايها المزمل قم الليل الا قيلا " ثم نزل التخفيف فصار الوجوب منسوخا فى حق الامة بالصلوات الخمس وبقى الاستحباب قال الله تعالى فاقرؤا ما تيسر منه واختلفوا فى انه هل بقى وجوب قيام الليل فى حق النبى ﷺ خاصة ام صار منسوخا فى حقه ايضا قال بعض الناس ببقاء وجوب قيام الليل فى حق النبى ﷺ لما روى عن عائشة ان النبى ﷺ قال ثلاث هن علىّ فريضة وهى سنة لكم الوتر والسواك وقيام الليل فالامر على هذا فى هذه الاية للوجوب "

(مظهرى ج ٥ ص ٤٦٨ زير آية فتهجد به نافلة لك)

ابتدائی طور پر تہجد کی نماز نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت پر فرض تھی، اس کی فرضیت کی وجہ "يا ايها المزمل قم الليل" آیۃ میں رات کے قیام کا حکم ہے پھر تخفیف کا حکم نازل ہوا امت کے حق میں پانچ نمازوں کے حکم سے وجوب منسوخ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم "فاقرؤا ماتيسر منه" کی وجہ سے استحباب باقی رہ گیا۔ نبی کریم ﷺ کے حق میں بھی وجوبی حکم پر قرار رہا، یعنی تہجد آپ کے لئے پہلے کی طرح ہی واجب رہے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں میرے لئے فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں

وتر، مسواک، اور رات کا قیام یعنی تہجد کی نماز، لہذا واضح ہوا کہ " فتھجد " امر ہے، جو وجوب کے لئے آیا ہوا ہے۔

تہجد اور تراویح کو علیحدہ علیحدہ پڑھا گیا:

قیس بن طلق رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے تراویح اور تہجد پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں۔

" زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلك الليلة واوتر بنا ثم انحدر الى مسجده فصلى باصحابه حتى اذا بقى الوتر قدم رجلا فقال اوتر باصحابك فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وتران فى ليلة
(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۹)

قیس بن طلق نے کہا طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن رمضان میں ہماری زیارت کی شام انہوں نے افطار ہمارے ساتھ ہی کیا، پھر رات کو انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی ہمیں پڑھائے، پھر وہ مسجد کی طرف چلے گئے۔ اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے تو انہوں نے ایک شخص کو آگے کیا اور کہا تم ان کو وتر پڑھاؤ، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے ایک ہی رات میں دو مرتبہ وتر نہیں۔

اس حدیث سے بات کھل کر واضح ہو گئی کہ پہلے آپ نے تراویح پڑھائیں، پھر وتر پڑھائے، بعد میں کچھ اصحاب کے کہنے پر تہجد ان کو پڑھا دئے اور دوبارہ وتر نہیں پڑھائے۔

بخاری رحمہ اللہ نے بھی تراویح اور وتر کو علیحد علیحدہ پڑھا :

" وقال الحاکم ابوعبداللہ الحافظ اخبرنی محمد بن خالد حدثنا مقسم بن سعد قال کان محمد بن اسمعیل البخاری اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان یجتمع الیہ اصحابہ فیصلی بھم ویقرأ فی کل رکعۃ عشرین آیۃ و کذلک الی ان یختم القرآن وکان یقرأ فی السحر مابین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کل ثلاث لیال "

(ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ذکر سیرتہ وشمائلہ الخ)

مقسم بن سعد کہتے ہیں کہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری رمضان شریف کی پہلی رات جب ہوتی تو اپنے اصحاب کو جمع کرتے ان کو نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے یہاں تک کہ قرآن پاک ختم کرتے ۔ اور سحری کے وقت نصف سے تہائی قرآن پاک پڑھتے یہاں تک کہ تین راتوں میں ختم کرتے۔

واضح ہوا کہ علامہ بخاری رحمہ اللہ تراویح میں ہر رکعت میں بیس بیس آیات پڑھ کر قرآن پاک کو ختم کرتے، لیکن تہجد میں ہر تین راتوں میں ایک ختم کرتے ، تو یا کہ رمضان میں تہجد کی نماز میں آپ دس مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے۔

غیر مقلدین کی آٹھ تراویح پر ایک اور دلیل :

" عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ "

(موطأ امام مالک باب قیام رمضان)

سائب بن یزیدی سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں اس حدیث کا عنوان قائم کیا "حضرت عمر نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا"

حدیث بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے "اس حدیث کی سند صحیح ہے کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔

(از صلوۃ الرسول ص ۳۸۲)

اس دلیل کا جواب:

یہ حدیث متن کے لحاظ پر مضطرب ہے قابل حجت نہیں۔

" قال الحافظ ابن حجر فی الفتح ورواہ عبدالرزاق من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی وعشرین "

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرزاق نے ایک اور وجہ (سند) سے محمد بن یوسف سے رایت بیان کی ہے۔ جس میں اکیس رکعت کا ذکر ہے۔

" وقال الزرقانی فی شرح المؤطأ قال ابن عبدالبر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احدی وعشرین رکعة وهو الصحیح "

زرقانی نے مؤطا کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے جن حضرات نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے انہوں نے اکیس رکعت ہی ذکر کی ہیں۔ صحیح بھی یہی ہے۔

جب یہ حدیث گیارہ رکعت سے بھی مروی ہے۔ اکیس رکعت کا بھی ذکر ہے اور تیرہ کا بھی ایک روایت میں ہے تو اسے حجت بنانا کیسے صحیح ہے۔

(از التعلیق الحسن)

غیر مقلدین نے جو دلائل پیش کئے یا تو ان میں ذکر ہی تہجد کا ہے تراویح کا نہیں، اس لئے ان کے وہ دلائل جن سے تہجد کی نماز سمجھ میں آتی ہے تراویح کے ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

یا ان کے دلائل میں جرح پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا ہے کہ حدیث متن کے لحاظ سے مضطرب ہے، اس لئے اسے حجت بنانا صحیح نہیں۔

اسی طرح جو یہ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آٹھ رکعت تراویح، اس پر جو حدیث پیش کی ہے وہ بھی جرح سے خالی نہیں وہ حدیث یہ پیش کی گئی ہے۔

" عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یارسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذاك یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لانقرأ القرآن فنصلی خلفك بصلوتك فصلیت بهن ثمان رکعات والوتر فسکت عنه وکان شبه الرضا "

(کتاب قیام اللیل امام مروزی)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رمضان میں حضرت ابی بن کعب نے رسول خدا کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا، حضور رات کو ایک بات ہو گئی آپ نے فرمایا وہ کیا اے ابی؟ انہوں نے کہا حضور میرے گھر کی عورتیں کہنے لگیں ہم قرآن نہیں پڑھتیں اس لئے ہم تمہارے پیچھے نماز (تراویح) پڑھیں گی (اور قرآن سنیں گی) تو میں نے انہیں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دئے پس آپ نے سکوت فرمایا گویا (سکوت سے) اس بات کو پسند کیا۔

اس دلیل کا جواب :

ایک بات تو یہ ہے کہ اس روایت میں رمضان کا کوئی ذکر نہیں، ممکن ہے کہ یہ نماز بھی تہجد ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں جرح پائی گئی۔ اس حدیث کی سند کو صحیح کہنا ممکن نہیں۔ آیئے توجہ فرمائیں۔

" اورده الهيثمى فى الزوائد وعزاه الى ابى يعلى وفيه ايضا عيسى بن جارية "

(التعليق الحسن)

اس حدیث کو ھیثمی نے زوائد میں ذکر کیا ہے اور ابویعلی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس میں عیسی ابن جاریہ ہے جس کے متعلق کلام ہے جو ضعف پر دلالت کر رہی ہے۔

ایک لطیفہ لیکن حقیقت :

دلائل سے تو میں نے بیس تراویح کو بفضلہ تعالیٰ واضح طور پر بیان کر دیا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے کسی کی مرضی کی بات ہے۔ البتہ ایک لطیفہ آپ کو سناؤں سمجھ دار حضرات کو شائد کچھ پتہ چل جائے کہ حقیقت یہی ہے۔

میں نے اپنی دینی تعلیم کا آغاز " دارالعلوم اہل سنت و جماعت مشین محلہ نمبر ا جہلم " سے کیا ہے میں اس وقت بہت چھوٹی عمر کا بچہ تھا۔

جہلم میں غیر مقلدین کی مسجد کے پاس کھلی جگہ خالی ہے جسے " چوک

اہل حدیث" کہا جاتا ہے وہاں اکثر طور پر دینی جلسے ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ڈی، سی وہاڑی آگیا۔ وہاں اہل سنت و جماعت کا جلسہ ہونا تھا۔ لیکن غیر مقلدین نے اپنے ہموا ڈی، سی کے ذریعے جلسہ بند کرادیا۔

قریب ہی ایک اور سڑک پر جلسے کا انتظام کرلیا گیا۔ جو غیر مقلدین کی مسجد سے کوئی دور نہ تھا۔

اس جلسے میں تقریر کے لئے مدعو مفتی مختار احمد گجراتی اور صاحبزادہ فیض الحسن (آلو مہار شریف) رحمہما اللہ تھے۔ میری بچپن کی عمر تھی دونوں حضرات کی زیادہ تقریر تو یاد نہ رہی البتہ ایک ایک بات دونوں کی یاد ہے۔ مفتی مختار احمد مرحوم نے خطبہ، آیت، درود پاک کے بعد اس شعر سے اپنی تقریر کو شروع کیا۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
مومن حبیب کا نام لیتا ہے کیوں اس زمانے میں

صاحبزادہ فیض الحسن مرحوم نے اپنی تقریر کے درمیان یہ کہا "کہ قیامت کا جب منظر ہوگا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ حساب و کتاب جب شروع ہوگا تو ہم سے اگر رب تعالیٰ نے یہ سوال کیا کہ تراویح آٹھ رکعت تھیں، تم نے بیس رکعت کیوں ادا کیں؟ تو ہم رب قدوس کے حضور عرض کریں گی اے مولی کائنات ہم نے تو بیس رکعت تیرے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحیح حدیثوں کو پڑھ کر ادا کی تھیں۔ اگر وہ حدیثیں تیرے نزدیک صحیح نہیں تھیں، تو ہم التجاء کرتے ہیں اے رب کائنات آٹھ رکعت ہم سے قبول فرمالے

اور بارہ رکعت ہمیں واپس عطا کر دے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے ہماری اس عرض کو قبول فرما کر ہمیں اس امتحان میں پاس کر دے گا۔

لیکن رب تعالیٰ نے اگر غیر مقلدین کو کہا میرے نبی کے جلیل القدر صحابہ نے تو بیس رکعت ادا کی تھیں، تمہیں کیا ہوا تھا کہ تم نے میری عبادت کو کم کرنے کا شور وغل برپا کیا ہوا تھا۔ تم نے خود بھی بارہ رکعت کم ادا کیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اب وہ کمی پوری کر کے دو۔ ورنہ تمہیں عذاب میں مبتلاء کروں گا۔

تو رب تعالیٰ کے اس سوال پر غیر مقلدین کیا کریں گے؟ یقیناً مارے مارے پھریں گے۔ اہل سنت وجماعت کے پاس آئیں گے آج تم ہمیں دو دو تراویح کی ہی خیرات دے دو تاکہ ہم بھی اپنا بوجھ ہلکا کر لیں۔

اہل سنت وجماعت کہیں گے اس وقت تو تم بڑے نیک بنتے تھے اپنے آپ کو سنت رسول اللہ ﷺ کا متبع کہتے تھے آج جاؤ ہم تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتے تو بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔

میرے مسلمان سنی بھائی بظاہر تو صاحبزادہ صاحب کا یہ لطیفہ نظر آتا ہے لیکن راقم کو حقیقت یہی نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

جنازہ کا مسئلہ

نماز جنازہ میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھیں۔ امام آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۴۳۳)

جنازہ میں امام کو قرأت، دعا اونچی آواز میں پڑھنی چاہئے۔ جنازہ میں تکبیر چار، پانچ، چھ بھی کہہ سکتے ہیں۔

احناف کا مذہب :

نیت کے بعد پہلی تکبیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد دوسری تکبیر، پھر نبی کریم ﷺ کے لئے درود شریف اس کے بعد تیسری تکبیر۔ پھر میت کے لئے دعاء اور اس کے بعد چوتھی تکبیر، پھر سلام۔

سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بطور قرأت ضروری نہیں، یعنی نماز جنازہ دعاء ہے۔ مکمل نماز نہیں کہ نماز کی طرح اس میں قراءت لازم ہو، نماز جنازہ آہستہ آواز میں ہے، خواہ امام ہو یا مقتدی، نماز جنازہ میں تکبیریں صرف چار ہیں۔ پانچ

یا چھ نہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد رب تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے لیکن حمد و ثناء کے الفاظ مقرر نہیں، اگر سورۃ فاتحہ بطور قرءت نہیں بلحہ بطور حمد و ثناء پڑھے تو جائز ہے۔ اسی طرح دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کے الفاظ بھی مقرر نہیں، البتہ نماز والا درود شریف پڑھے تو جائز ہے۔ ایسے ہی تیسری تکبیر کے بعد دعاء بھی مقرر نہیں، بلحہ مختلف دعائیں احادیث میں موجود ہیں۔

جن احادیث میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ فاتحہ کو بطور حمد و ثناء پڑھا جائے تو درست ہے۔ تاکہ دوسری احادیث سے مطابقت ہو جائے جن میں صرف حمد و ثناء کا ذکر ہے۔

تفصیل ملاحظہ ہو :

" حدثنا حفص بن غياث عن اشعث عن الشعبى قال فى التكبيرة الاولى يبدأ بحمد الله والثناء عليه والثانية صلوة على النبى ﷺ والثالثة دعاء للميت والرابعة للتسليم "

(مصنف ابن ابی شیبہ مایبدأ به بالتكبيرة الاولى الخ)

شعبی کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں (یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد) ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور تیسری کے بعد میت کے لئے دعاء اور چوتھی کے بعد سلام۔

" حدثنا محمد بن فضيل عن العلاء بن المسيب عن ابيه عن على انه كان اذا صلى على ميت يبدأ بحمدالله ويصلى على النبى ﷺ ثم يقول اللهم اغفرلأحيانا وامواتنا وألف بين

قلوبنا واصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

علاء ابن مسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب میت پر نماز پڑھتے تو ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے کرتے اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتے پھر میت کے لئے دعاء کرتے (جو حدیث میں مذکور ہے)

" حدثنا عبدة بن سليمان عن يحيىٰ بن سعيد عدن سعيد المقبرى ان رجلا سأل اباهريرة كيف تصلى على الجنازة فقال ابوهريرة انا لعمر الله اخبرك اكبر ثم اصلى على النبى ﷺ ثم اقول اللهم عبدك اوامتك كان يعبدك لايشرك بك شيأ وانت اعلم به ان كان محسنا فزدفى احسانه وان كان مخطئا فتجاوز عنه ، اللهم لا تفتننا بعده ولا تحرمنا "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

سعید مقبری کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نماز جنازہ کس طرح پڑھتے ہو؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بے شک اللہ کی قسم میں تمہیں خبر دیتا ہوں، میں تکبیر کہتا ہوں، پھر میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر دعاء کرتا ہوں اللهم عبدك الخ

" حدثنا وكيع عن سفيان عن ابى هاشم عن الشعبى قال سمعته يقول فى الأولى ثناء على الله تعالى وفى الثانية صلوة على النبى ﷺ وفى الثالثة دعاء للميت وفى الرابعة تسليم "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

ابوہاشم کہتے ہیں کہ میں نے شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ پہلے تکبیر

کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ثناء پڑھ رہے تھے اور دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف اور تیسری کے بعد میت کے لئے دعاء اور چوتھی کے بعد سلام

" مالك عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن ابيه انه سأل اباهريره كى تصلى على الجنازة فقال ابوهريرة انا لعمرالله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سيأته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده "

(مؤطا امام مالك باب ما يقول المصلى على الجنازة)

سعید مقبری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہو۔ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں میں جنازہ والے گھر سے ہی اس کے ساتھ چلتا ہوں، جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر کہتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھتا ہوں اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہوں، پھر کہتا ہوں (دعا کرتا ہوں) اللهم عبدك الخ۔

تنبیہ : مؤطا امام مالک کی جو حدیث ابھی ذکر کی ہے اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلی تکبیر کے بعد حمد کا ذکر کیا۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ سے جو حدیث مؤطا کی حدیث کے متصل پہلے ذکر کی اس میں صرف درود شریف اور دعاء کا ذکر ہے۔ ممکن ہے سوال ہی ان دو تکبیروں کے متعلق ہو۔

اور ممکن ہے کہ سہو کتابت ہو۔

فائدہ: جو حدیث مؤطا امام مالک میں ہے۔ وہی مؤطا امام محمد میں بھی مذکور ہے۔ اور اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا:

"وبهذا ناخذ لاقراءة على الجنازة وهو قول ابی حنیفة رحمه الله"

(مؤطا امام محمد باب الصلوة على الميت والدعاء)

ہم اس پر عمل کرتے ہیں کہ جنازہ میں قراءت (فاتحہ کا پڑھنا یا کسی اور سورۃ کا پڑھنا) ثابت نہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے

نماز جنازہ میں قراءت نہیں:

جنازہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف اور میت کے لئے دعاء ہے۔ جنازہ مکمل نماز نہیں، بلکہ کچھ کچھ نماز کی طرح ہے۔ کیونکہ نماز والی شرائط پائی جاتی ہیں باوضوء ہونا، ستر عورت، قبلہ کی طرف متوجہ ہونا وغیرہ لیکن مکمل نماز بھی نہیں کیونکہ جنازہ میں رکوع نہیں۔ سجدہ نہیں۔ قعدہ نہیں۔ اسی طرح قرأت بھی نہیں کہ یہ کہا جائے۔ کہ امام فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھے، قرأت کا لازم ہونا صرف نماز میں ہے۔

آیئے ان احادیث کی طرف توجہ فرمائیں جن میں قرأت نہ ہونے کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

" مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على الجنازة "

(مؤطا امام مالك (باب ما يقول المصلي على الجنازة)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

قرأت نہ کرنے میں سورۃ فاتحہ بھی آگئی اور دوسری سورتیں بھی آگئیں۔ جب صحابہ کرام قرأت نہیں کرتے تھے تو قرأت پر زور دینا کس مقصد کے لئے؟

" حدثنا ابوبکر قال ثنا اسماعیل بن علیة عن ایوب عن نافع ان ابن عمر کان لا یقرأ فی الصلوة علی المیت "

(مصنف ابن ابی شیبه باب من قال لیس علی الجنازة قراء ة)

حضرت نافع کہتے ہیں بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

" حدثنا اسمعیل بن علیة عن ایوب عن محمد انه کان لایقرأ علی المیت "

(ابن ابی شیبه باب مذکور)

حضرت ایوب کہتے ہیں محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت نہیں کرتے تھے۔

" حدثنا عبدالأ علی وغندر عن عون عن ابی المنهال قال سألت ابا العالیة عن القراء ة فی الصلوة علی الجنازة بفاتحة الکتاب فقال ماکنت احسب ان فاتحة الکتاب تقرأ الا فی صلوة فیها رکوع وسجود "

(ابن ابی شیبه باب مذکور)

ابو المنہال کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا میں یقین سے کہتا ہوں کہ فاتحہ صرف ان نمازوں میں پڑھی جاتی ہے

جن میں رکوع و سجود ہے یعنی نماز جنازہ میں جب رکوع و سجود نہیں، تو کامل نماز بھی نہیں، اس لئے اس میں فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی قرأت بھی نہیں۔

" حدثنا وكيع عن موسى بن على عن ابيه قال قلت لفضالة بن عبيدة هل يقرأ على الميت شئى قال لا "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

موسیٰ بن علی کہتے ہیں میں نے فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا میت پر (نماز جنازہ میں) کوئی قرأت ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔

" حدثنا ابومعاوية عن الشيباني عن سعيد بن ابى بردة عن ابيه قال قال له رجل اقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب قال لاتقرا "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

سعید ابن ابی بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میت پر جنازہ پڑھتے ہوئے کیا میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کروں؟ تو انہوں نے کہا تم نہ پڑھو۔

" حدثنا حفص بن غياث عن حجاج قال سألت عطاء عن القراء ة على الجنازة فقال ماسمعنا بهذا "

(ابن ابی شیبہ)

حجاج نے کہا میں نے عطاء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نماز جنازہ میں قرأت ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے (قرأت کے متعلق) کچھ نہیں سنا۔

" حدثنا وكيع عن سعيد عن عبدالله بن اياس عن ابراهيم وعن ابى الحصين عن الشعبى قالا ليس فى الجنازة قراء ة "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

ابو طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ اور عطاء دونوں ہی نماز جنازہ میں قراءت کا انکار کرتے تھے۔ یعنی نماز جنازہ میں کوئی قراءت نہیں۔

" حدثنا معتمر عن سليمان عن اسحاق بن سويد عن بكر بن عبدالله قال لا اعلم فيها قراءة "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

• بکر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ نماز جنازہ میں بھی قرأت ہے۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ نماز جنازہ میں اگر قرأت لازم ہوتی تو اسی طرح چپہ چپہ جانتا جس طرح کہ نماز میں قرأت کے لازم ہونے کو چپہ چپہ جانتا ہے۔

" حدثنا يحيى بن ابى بكر قال ثنامحمد بن عبدالله بن ابى سارة قال سألت سالما فقلت القرأة على الجنازة فقال لا قراءة على الجنازة "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

عبداللہ بن ابی سارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال کیا، توانہوں نے کہا نماز جنازہ میں کوئی قرأت نہیں۔

اس حدیث میں بہت واضح طور پر ذکر ہے کہ نماز جنازہ میں کوئی قرأت نہیں۔ نماز جنازہ میں فاتحہ کو پڑھنا لازم قرار دینے والے ان احادیث کو نہ سمجھ سکے۔

" روى عن عبدالرحمن بن عوف و ابن عمر انهما قالا ليس فيها قراءة شئى من القرآن "

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہی کہتے تھے کہ نماز جنازہ میں قرآن پاک کی قرأت نہیں۔

" روی عن ابن مسعود انه سئل عن صلوة الجنازة هل يقرأ فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولا قرأة وفي رواية دعاء ولا قراء ة كبرماكبرالامام واختر من اطيب الكلام ما شئت وفي رواية واختر من الدعاء اطيبه "

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳ x المغنی لابن القدامة ج ۲ ص ۴۸۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ نماز جنازہ میں قراء ت ہے ؟ تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے کوئی کلام اور کوئی قراء ت مقرر نہیں فرمائی ، ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ہمارے لئے کوئی قراءت اور کوئی دعا مقرر نہیں فرمائی۔ امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جو کلام بہتر تمہیں پسند آئے وہی پڑھ لو۔ اور ایک روایت میں جو دعاء تمہیں بہتر نظر آئے وہی پڑھ لو۔

اس حدیث پاک سے اور زیادہ وضاحت ہو گئی کہ نماز میں حمد و ثنا ہے لیکن الفاظ کوئی اس کے لئے مقرر نہیں ، بلکہ کوئی بھی حمد و ثنا ہو پڑھ لی جائے۔ اور دعاء کے لئے بھی کوئی الفاظ مقرر نہیں جو چاہئے دعاء کر لے۔

وہ جلیل القدر حضرات جو نماز جنازہ میں فاتحہ کی قرأت کے قائل نہیں :

" ابن وهب عن رجال من اهل العلم وعن عمر بن الخطاب وعلى ابن ابى طالب وعبدالله بن عمرو عبيد بن فضالة وابى

هريرة وجابر بن عبدالله وواثلة بن الاسقع والقاسم وسالم بن عبدالله وابن المسيب وربيعة عطاء ويحيى بن سعيد انهم لم يكونوا يقرؤن في الصلوة على الميت وقال مالك ليس ذلك بمعمول به انما هو الدعاء ادركت اهل بلادنا على ذلك "

(المدونة الكبرى ج ١ ص ١٧٤)

ابن وہب کہتے کتنے اہل علم جن میں عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، عبید بن فضالہ، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ واثلہ ابن اسقع، قاسم، سالم بن عبداللہ، ابن میتب، ربیعہ، عطاء یحیٰ بن سعید رضی اللہ عنہم میت پر نماز جنازہ پر قرأت نہیں کرتے تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنازہ میں قرأت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ہمارے علاقہ کے اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ ثناء کے طور پر پڑھنا جائز ہے :

اصل بات یہ ہے کہ عوام مسائل سے بے خبر ہوتے ہیں باریک فرق کو سمجھنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس لئے ان کو دھوکہ دینا آسان ہوتا ہے۔

قرآن پاک کا بحیثیت تلاوت پڑھنا اور ہے بحیثیت قراءت پڑھنا اور ہے۔ بحیثیت ثناء یا دعاء اور ہے قراءت کا حکم صرف نماز میں پڑھنے پر صادق آتا ہے، کہ نماز میں قرأت فرض ہے۔ جہاں قرأت فرض ہوگی وہاں قرآن پاک سے کوئی سورت پڑھنا ضروری ہوگا۔

تلاوت کی غرض سے پڑھنا عام ہے خواہ نماز میں پڑھے یا نماز کے باہر، نماز کے باہر پڑھنا فرض نہیں ثناء اور دعاء کی غرض سے پڑھنے کا یہ مطلب

ہے کہ قرآن پاک کی وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پائی جاتی ہے۔ان کو صرف حمد و ثناء کی غرض سے پڑھا جائے۔

اور جن آیات میں دعائیہ کلمات ہیں ان کو دعاء کی غرض سے پڑھنا بحیثیت دعاء کے پڑھنا کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جنبی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت قرآن پاک کی آیات بطور دعاء تلاوت کر سکتی ہیں، لیکن تلاوت کی غرض سے نہیں پڑھ سکتے۔ بے وضو شخص بحیثیت تلاوت قرآن کو پڑھے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن بحیثیت قرأت (یعنی نماز میں قراءت کی غرض سے) نہیں پڑھ سکتا۔

اب اس فرق کے بعد واضح ہو گیا کہ قرآن پاک کا ثناء کی غرض سے پڑھنا اور ہے۔ قرأت کی غرض سے اور ہے لہذا جن احادیث سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ان میں ثناء کا لحاظ کیا گیا ہے۔ قرأت کا نہیں اگر یہ اعتبار نہ کیا جائے تو جو احادیث قرأت کی ممانعت کی ذکر کی گئی ہیں اور جن جلیل القدر صحابہ کرام کا قرأت سے انکار ذکر کیا ہے ان تمام کی مخالفت لازم آئے گی

اور جو صورت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی ہے اس میں تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔اب واضح ہوا کہ یہ شور و غل یہ اشتہار بازی، یہ دھوکہ دہی، یہ چالبازی کہ حنفی جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے جب کہ احادیث میں فاتحہ کے پڑھنے کا ذکر ہے، بیکار ہے۔

فاتحہ کا پڑھنا قرأت کے طور پر منع ہے، امام کا بلند سے آواز سے پڑھنا منع ہے۔اسے حنفی حضرات نہیں مانتے۔کوئی ثناء کے طور ثناء کی جگہ پڑھے تو

حنفی انکار نہیں کرتے عوام کو دھوکہ دینا تو آسان ہے لیکن اہل علم کو مشکل ہے۔

فاتحہ والی حدیث :

" عن طلحة بن عبدالله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب فقال لتعلموا انها سنة "

(بخاری)

حضرت طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اور کہا تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

" عن ابن عباس ان النبی ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب "

(ابن ماجه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔

مقام توجہ :

غیر مقلدین کے عقیدہ کے ایک عظیم پیشوا علامہ ابن قیم کے ایک قول کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔

" ويذكر عن النبی ﷺ انه امر ان يقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب ولا يصح اسناده "

(زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

نبی کریم ﷺ سے جو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ان روایات کی اسناد صحیح نہیں ہیں۔

علامہ ابن قیم کی اس وضاحت سے ایک عظیم بات یہ حاصل ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت والی احادیث جب صحیح الاسناد نہیں تو فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں بظاہر صحابہ کرام میں اختلاف نظر آتا ہے کیونکہ پہلے کئی جلیل القدر صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جو قرأت سے منع فرماتے تھے۔ لیکن در حقیقت کوئی اختلاف نہیں جنہوں نے منع فرمایا انہوں نے قرأت سے منع کیا۔ جنہوں نے اجازت دی انہوں نے ثناء کی اجازت دی۔ یہی خوبی ہے امام اعظم رحمہ اللہ کی فراست کی ہے کہ انہوں نے احادیث کو صحیح سمجھا اور جہاں تک ممکن ہوا احادیث میں تطبیق دی۔

جنازہ کی تکبیریں :

جنازہ کی تکبیروں کے متعلق روایات مختلف ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چار تکبیروں کے بغیر دوسری تمام روایات منسوخ ہیں۔

جنازہ کی تکبیریں تین :

" حدثنا معاذ عن عمران بن جدیر قال صلیت مع انس بن مالك علی جنازة فکبر علیها ثلاثا لم یزد علیها ثم انصرف "

(مصنف ابن ابی شیبه باب من کبر علی الجنازة ثلاثا)

عمران بن جدیر فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنازہ پڑھا انہوں نے تین تکبیریں کہیں اور ان پر زیادہ نہیں کہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہوگئے۔

جنازہ کی تکبیریں پانچ :

" حدثنا هشيم عن حصين عن الشعبي عن زيد بن ارقم انه صلى على ميت فكبر عليه خمسا "

(ابن ابی شیبہ من یکبر علی الجنازۃ خمسا)

شعبی سے مروی ہے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں۔

جنازہ کی تکبیریں سات :

" حدثنا عبدالله بن نمير ووكيع قالا حدثنا سمعيل بن ابي خالد عن موسى بن عبدالله بن يزيد قال صلى عليّ على ابي قتادة فكبر عليه سبعا "

(ابن ابی شیبہ باب من یکبر علی الجنازۃ سبعا و تسعا)

موسیٰ بن عبداللہ ابن یزید کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو قتادہ کے جنازہ میں سات تکبیریں کہیں۔

جنازہ کی تکبیریں نو :

" حدثنا ابن فضيل عن يزيد عن عبدالله بن الحارث قال صلى رسول الله ﷺ على حمزة وكبر عليه تسعا "

(ابن ابی شیبہ من کبر یکبر علی الجنازۃ سبعا وتسعا)

عبداللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں نو تکبیریں کہیں۔

جنازہ کی تکبیریں چھ :

" حدثنا ابوبکر قال ثنا هشیم قال اخبرنا حصین عن الشعبی ان علیا صلی علی سهل بن حنیف فکبر علیه ستا "

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

شعبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کا جنازہ پڑھایا اور چھ تکبیریں کہیں۔

جنازہ کی تکبیریں چار :

" عن ابی هریرة ان النبی ﷺ صلی علی النجاشی فکبر اربعا وفی الباب عن ابن عباس وابن ابی اوفی وجابر وانس ویزید ابن ثابت قال ابوعیسیٰ حدیث ابی هریرة هذا حدیث حسن صحیح "

(ترمذی بحذف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا، چار تکبیریں کہیں۔ چار تکبیروں کی روایات حضرت ابن عباس، ابن ابی اوفی، جابر، انس، یزید ابن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے

" عن عثمان بن عفان ان النبی ﷺ صلی علی عثمان بن مظعون وکبر علیه اربعا "

(ابن ماجہ)

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ بے شک نبی کریم ﷺ نے

حضرت عثمان ابن مظعون کا جنازہ پڑھایا اور اس میں چار تکبیریں کہیں

" حدثنی سعید بن المسیب ان باهریرة قال ان النبی ﷺ صف بهم المصلی فکبر علیه اربعا "

(بخاری)

حضرت سعید ابن میسب کہتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے (حضرت نجاشی) کے جنازہ کے لئے لوگوں کی صف بنوائی اور چار تکبیریں کہیں۔

چار تکبیریں کہنے والے جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ :

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، عقبہ بن عامر، عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، امام حسن ابن علی، زید ابن ثابت، عبد اللہ ابن مسعود، ابن الحنفی، ابو مجلز، عبد اللہ بن ابی اوفی، ابراہیم نخعی، قیس بن ابی حازم، سوید رضی اللہ عنہم

(احادیث ابن ابی شیبہ میں دیکھی جائیں)

چار تکبیروں کے بغیر باقی منسوخ ہیں :

" والجواب عن الاحادیث التی فیها التکبیر علی الجنازة باکثر من اربع انها منسوخة "

(عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۱۶)

وہ احادیث جن میں چار تکبیروں سے زیادہ تکبیروں کا ذکر ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔

" قال بعضهم ان حدیث النجاشی هو الناسخ لانه مخرج فی

الصحيح من رواية ابى هريرة قالوا وابوهريرة متأخر الاسلام وموت النجاشى كان بعد الاسلام ابى هريرة رضى الله عنه ومما يؤكد هذا ماوراه قاسم بن اصبغ من حديث ابى بكر بن سليمان بن ابى حيثمة عن ابيه قال كان النبى ﷺ يكبر على الجنائز اربعا و خمسا و ستا و سبعا و ثمانيا حتى مات النجاشى فخرج الى المصلى فصف الناس من ورائه فكبر عليه اربعا ثم ثبت النبى ﷺ على اربع حتى توفاه الله تعالى "

(عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۱۶)

بعض اہل علم نے تمام احادیث (جن میں چار تکبیروں کے سواء ذکر ہے) کی منسوخیت کی اس طرح وضاحت کی کہ بے شک نجاشی کے جنازہ والی حدیث ناسخ ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایمان دیر سے قبول کیا لیکن نجاشی کی وفات ان کے اسلام لانے کے بعد ہوئی، اس کی تاکید ایک اور روایت سے ہوتی ہے۔ وہ روایت ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثیمہ کی اپنے باپ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، پانچ کہیں، چھ کہیں، سات کہیں، آٹھ کہیں، یہاں تک کہ نجاشی کی وفات ہوئی تو آپ جنازہ گاہ کی طرف تشریف لے گئے، لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں، پھر آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ آپ چار تکبیروں پر ہی قائم رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی ابو حیثمہ کی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔

" قال ابن عبدالبر وانعقدالاجماع بعد ذلك على اربع واجمع،

الفقهاء واهل الفتوى بالامصار على اربع على ماجاء فى الاحاديث الصحاح وماسوى ذلك عندهم شذوذ ولا يلتفت اليه قال ولا نعلم احدا من فقها الامصار بخمس الا ابن ابى ليلى "

(نووی شرح مسلم ج۱ ص۳۲۹)

ابن عبدالبر نے کہا اجماع منعقد ہو گیا اس کے بعد (یعنی ابو خیثمہ کی روایت کے بعد) کہ جنازہ میں تکبیریں چار ہیں تمام فقہاء، اور اہل فتویٰ حضرات کا اس پر اتفاق ہے اور صحیح احادیث سے چار کا ثبوت ملتا ہے باقی شاذ روایات ہیں ان کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ تمام فقہاء کرام میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو پانچ تکبیروں کا قائل ہو سوائے ابن ابی لیلیٰ کے۔

چار تکبیروں پر صحابہ کرام کا اتفاق :

" حدثنا ابو معاوية عن الأعمش عن ابراهيم قال سئل عبدالله عن التكبير على الجنائز فقال كل ذلك قد صنع ورأيت الناس قد اجمعوا على اربع "

(ابن ابی شیبه باب ماقالوا فى التكبير على الجنازة من كبر اربعا)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں تو آپ نے فرمایا تمام اقوال پر عمل ہوتا رہا۔ تحقیق میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کا چار تکبیروں پر اجماع ہے۔

" حدثنا هشيم قال اخبرنا مغيرة عن ابراهيم عن ابن مسعود قال كنا نكبر على الميت خمسا وستا ثم اجتمعنا على اربع تكبيرات "

(ابن ابی شیبه باب مذکور)

ابراہیم (نخعی) نے کہا رسول اللہ ﷺ کا جنازہ کی تکبیروں میں اختلاف رہا لیکن بعد میں چار تکبیروں پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

جنازہ میں ثناء وغیرہ آہستہ پڑھے :

سب سے بھاری دلیل تو قاضی شوکانی کا قول ہے، جن کے دلائل کے ارگرد ہی غیر مقلدین گھومتے پھرتے ہیں۔ قاضی شوکانی رقمطراز ہیں۔

" وذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر فى صلوة الجنازة وتمسكوا بقول ابن عباس المتقدم لم اقرأ اى جهرا الا لتعلموا انه سنة وبقوله فى حديث ابى امامة سرا فى نفسه "

(نيل الاوطار ج ٤ ص ٦٦)

جمہور حضرات اس طرح گئی ہیں کہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھنا مستحب نہیں۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول (جو پہلے گذر گیا) سے دلیل پکڑی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے بلند آواز سے صرف اس لئے پڑھا ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فاتحہ (بوجہ ثناء) پڑھنا سنت ہے۔ اور جمہور کے مذہب کی یہ دلیل بھی ہے کہ ابوامامہ کی حدیث میں "سرا فى نفسه" (آہستہ آواز میں پڑھنا یعنی دل ہی دل میں پڑھنا) آتا ہے۔

آہستہ پڑھنے میں اہل علم کا اتفاق :

" ويسر القرأة والدعاء فى صلوة الجنازة لا نعلم بين اهل العلم فيه خلافا "

(المغنى لابن قدامة ٢ ص ٤٨٦)

نماز جنازہ میں ثناء اور دعاء آہستہ آواز میں پڑھی جائیں۔ ہمیں کوئی معلوم نہیں کہ اہل علم نے اس میں کسی قسم کا اختلاف کیا ہو۔

یعنی اہل علم کا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہوتا تو ہمارے علم میں بھی آتا۔ ہاں اگر علم والے حضرات کے بغیر دوسری لوگ اختلاف کریں تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار بھی نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعاء :

اس مسئلہ پر اگر کسی نے تفصیلی علم حاصل کرنا ہو تو میری کتاب شمع ہدایت کا مطالعہ کرے میں نے اس مسئلہ پر بفضلہ تعالیٰ حث اس میں ذکر کی ہے۔ تاہم ایک حدیث اور اس کی وضاحت فائدہ کے لئے یہاں بھی ذکر کر رہا ہوں۔

جنازہ کے بعد دعاء کا واضح ثبوت :

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء "

(مشكوة باب الجنائز ص ۱۴٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لئے خلوص سے دعاء کرو۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث پاک کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

اس لئے مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا

" قال ابن حجر و صححه ابن حبان "

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے

حدیث پاک کو سمجھنے کے لئے دو ضابطے مد نظر رہیں۔ پھر حدیث پاک کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

پہلا ضابطہ :

" متی امکن العمل بها سقط المجاز هذا اصل کبیر لنا یتفرع علیه کثیر من الاحکام ای مادام امکن العمل بالمعنی الحقیقی سقط المعنی المجازی لانه مستعار والمستعار لایزاحم الاصل "

(نورالانوار مبحث الحقیقة والمجاز)

جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جائے گا (متن کی اس عبارت کو شارح نے اس طرح بیان فرمایا ہے) یہ ہمارے نزدیک بہت بڑا قانون ہے جس پر بہت احکام متفرع ہوتے ہیں۔ یعنی جب تک معنی حقیقی پر عمل ممکن ہو معنی مجازی ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے کہ معنی مجازی تو عاریۃً (مانگ کر) لیا جاتا ہے۔ جو چیز عاریۃً لی جائے وہ اصل سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

دوسرا ضابطہ :

" والفاء للوصل والتعقیب ای لکون المعطوف موصولاً بالمعطوف علیه متعقبا بلا مهلة "

(نورالانوار مبحث حروف العطف)

جس جگہ لفظ "فا" استعمال ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معطوف ومعطوف علیہ کے بعد متصل بلا مہلت پایا گیا ہے۔

یعنی فاء کے بعد آنے والا "فا" کے پہلے آنے والے کے بعد ہی واقع میں بھی پایا جائے گا۔ لیکن متصل۔ یعنی دونوں کے درمیان وقفہ، مہلت نہیں پائی جائے گی۔ بلکہ ایک ساتھ ہی آگے پیچھے پائے جائیں گے۔ جیسے یہ کہا جائے۔ "جاء نی زید فبکر" تو اس کا معنی یہ ہوگا۔ میرے پاس زید آیا اس کے بعد بغیر کسی دیر کے بکر بھی آگیا۔

اب دونوں ضابطوں کو بیک وقت ذھن میں رکھ کر حدیث پاک کے معنی کی طرف غور کرو مسئلہ واضح سمجھ آجائے گا۔ حدیث پاک کا معنی یہ ہے۔

جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو بغیر کسی دیر کے اس کے لئے خلوص سے دعاء کرو۔ اس معنی کے بغیر یہ معنی کرنا "کہ میت پر جب تم نماز جنازہ پڑھو تو نماز جنازہ میں میت کے لئے خلوص سے دعاء کرو" غلط ہے عربی کے تمام ضوابط کو پس پشت ڈال کر عربی سے بے خبر لوگوں کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اصحاب علم ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتے۔

اب اس مختصر بحث کی بعد عقل وشعور رکھنے والے حضرات سمجھ جائیں گے کہ جنازہ کے بعد دعاء کرنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔

جنازہ کے بعد دعاء کرنے سے روکنے والے ساری عمر سر پیٹتے رہیں کتب کی ورق گردانی کرتے رہیں ۔ ان شاء اللہ ایک حدیث بھی نہیں پیش کر

سکیں گے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے جنازہ کے بعد دعاء کرنے سے منع کیا ہو اور ایک آیۃ بھی نہیں پیش کر سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو۔ ہاں البتہ کافروں کے لئے دعاء کرنے سے رب تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ لا تصل علی احد ابدا ولا تقم علی قبره انهم کفروا بالله ورسوله وما توا وهم فاسقون ﴾

ان کافروں میں سے کسی ایک پر نماز جنازہ کبھی بھی نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر دعاء کرو بے شک وہ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے رہے اور ان کی موت حالت کفر میں ہوئی۔

ممکن ہے کہ وہابی بھی سب مرنے والوں کو کافر سمجھ کر جنازہ کے بعد دعاء نہ کرتے ہوں۔ اسی لئے صادق صاحب نے صلوۃ الرسول ص ۴۴۱ میں یہ لکھ دیا "نماز جنازہ ختم ہو جانے کے بعد جنازہ کے ارگرد جمع ہو کر فاتحہ خوانی کرنی بے اصل ہے"

سبحان اللہ رب تعالیٰ نے جن لوگوں کو دعاء سے محروم کرنا ہوتا ہے ان کو اس راہ پر چلاتا ہے "ومن یضلله فلا هادی له" پنجابی کا یہ جملہ کیسے ان جاہلوں پر سچا آتا ہے "مویا مرزودنہ فاتحہ نہ دردو" جاہلو تف تمہاری عقل پر۔

☆☆☆☆☆

عورتوں کی نماز

غیر مقلدین کے نزدیک مردوں اور عورتوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن یہ ان کا کہنا بلا دلیل ہے۔ احناف کے نزدیک مردوں اور عورتوں کی نماز میں چند وجہ سے فرق پایا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کے پردے کو ہر مقام پر مد نظر رکھا گیا۔ جن صورتوں میں عورتوں کی بے پردگی پائی جاتی ہے ان میں مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق کیا گیا۔ یہ احناف کا مذہب بفضلہ تعالیٰ احادیث سے ثابت ہے۔ صرف زبانی دعویٰ نہیں کہ یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے کہ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق پایا جاتا ہے دلیل کی کیا ضرورت ہے ہم نے کہہ دیا تو ہمارا کہنا ہی کافی ہے۔

نہیں نہیں۔ آیئے ذرا احادیث کی روشنی میں فرق کو دیکھیں۔ پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ حقیقی اہل حدیث کون ہے اور بناوٹی کون ہے۔

یقینی بات ہے کہ حقیقی اہل حدیث وہی ہیں جو احادیث کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ تو بفضلہ تعالیٰ حنفی حضرات ہیں۔ احادیث پر عمل بھی نہ ہو نام "اہلحدیث" یہ تو ایسے ہی ہے کہ نظر آئے نہیں تو نام ہو جائے "نور جہان" کھانے کے لئے روٹی ملے نہیں نام ہو جائے شاہجہان، الف، با پڑھا نہ ہو نام ہو جائے محمد فاضل اور محمد عالم۔

عورتوں اور مردوں کی نماز فرق احادیث کی روشنی میں :

مرد کا جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے :

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوة فیؤذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال وفی روایة لا یشهدون الصلوة فاحرق علیهم بیوتهم "

(بخاری ، مسلم واللفظ للبخاری ، مشکوة باب الجماعة وفضلها ص ۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ نماز کا حکم دوں، پھر اذان کہی جائے پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں لوگوں کے گھروں کا چکر لگاؤں ایک روایت میں ہے جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو جلادوں۔

" عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لو لا ما فی البیوت من النساء والذریة اقمت صلوة العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار "

(مسند احمد ، مشکوة باب الجماعة ص ۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں خود عشاء کی نماز پڑھاتا اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ (جماعت میں نہ آنے والوں کو) گھروں میں مع ان کے مال و متاع کے جلادیں۔ اس حدیث سے ہی واضح ہوگیا کہ مردوں کو جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے اور

عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے اگر عورتوں کا بھی جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ مطلقاً یہ فرماتے کہ گھروں میں بچے نہ ہوتے تو جماعت میں نہ شریک ہونے والوں کو جلا دیا جاتا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ "اگر گھروں میں بچے اور عورتیں نہ ہوتیں" یہ دلیل ہے کہ عورتوں کا حکم اور ہے اور مردوں کا حکم اور ہے۔

عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے :

" عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها "

(ابو داؤد ، مشکوٰۃ باب الجماعۃ ص ۹۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز اس کے بیت میں افضل بہ نسبت اس کے حجرہ کے اور عورت کی نماز کمرے کے اندر کمرہ میں بہتر ہے بہ نسبت اس کے بیت کے۔

تنبیہ : بیت سے مراد وہ کمرہ ہے جس میں عورت سوتی ہو۔ یقیناً اس میں زیادہ پردے کا لحاظ ہوتا ہے۔ اس میں سونے کے اوقات میں گھر کے دوسرے افراد یعنی بچے وغیرہ بھی بغیر اجازت کے نہیں جا سکتے۔

حجرہ سے مراد عام کھلا کمرہ ہے۔ مخدع سے مراد کمرے کے اندر بند

کمرہ جسے ہماری پنجابی میں پڑ کو ٹھڑی۔ یا گلی کو ٹھڑی کہتے ہیں۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہوا کہ عورت کے پردے کا لحاظ زیادہ کیا گیا ہے اسی لئے جتنا زیادہ پردہ دار کمرہ ہو گا اتنا ہی زیادہ افضل ہو گا کہ عورت اس میں نماز پڑھے۔

" عن ام سلمة عن رسول الله ﷺ انه قال خير مساجدا لنساء قعر بيوتهن "

(مسند احمد ج ٦ ص ٢٩٧)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی بہتر مسجد گھر کا اندرونی حصہ ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ عورت گھر میں نماز پڑھے۔ مسجد میں جماعت سے نماز نہ پڑھے۔

اعتراض: عورتوں کو مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے روکنا نہیں چاہئے، نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دینے کا حکم فرمایا۔

" عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لاتمنعوا نساء كم المساجد و بيوتهن خيرلهن "

(ابو داؤد مشکوۃ باب الجماعۃ ص ٩٦)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عورتوں کے مساجد سے روکنا منع

ہے، بلکہ ان کو اجازت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم کس لئے روکتے ہو اور کہتے ہو عورتیں مساجد میں جماعت سے نماز ادا نہ کریں۔

جواب: یہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کی بات ہے۔ جب کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا افضل تھا، لیکن مساجد میں آنے کی بھی ان کو اجازت تھی، لیکن آپ کے زمانہ کے قریب ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مساجد میں آنے سے عورتوں کو مکمل طور پر روک دیا گیا تھا۔

" عن عائشة قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل"

(بخاری باب خروج النساء الی المساجد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو پاتے جو عورتوں نے ایجاد کرلی ہیں تو آپ ان کو مساجد سے منع فرماتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا۔

" ما احدثت من الزينة والطيب وحسن الثياب ونحوها"

(عینی)

عورتوں کی نئی چیزوں پر عمل سے مراد زینت، خوشبو اور اچھے اچھے کپڑے، یعنی عورتوں نے ان چیزوں پر اس طرح عمل شروع کردیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھیں۔

" وقال التيمى فيه دليل على انه لا ينبغى للنساء ان يخرجن الى المساجد اذا احدث فى الزمان الفساد "

(کرمانی)

تیمی نے کہا کہ اس میں دلیل ہے اس پر کہ عورتوں کو مساجد میں نہیں جانا چاہئے جب زمانہ میں فساد پیدا ہو جائے۔

واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا عورتوں کو مساجد میں آنے پر زور دینا سوائے فساد کے کچھ بھی نہیں۔ کہاں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں عورتوں کی زیب و زینت وغیرہ اور کہاں ہمارے زمانے کی جب گریبان کھلے ،بازو ننگے ،سر ننگے ،کپڑے باریک ،پاؤڈر ،سرخی۔

پہلے مخلوط تعلیم کے ادارے اور مخلوط ملازمت دفاتر دیکھ لئے جائیں۔ پھر مساجد میں عورتوں کو بلانے کا فیصلہ کیا جائے۔ ہاں البتہ ایک فائدہ نظر آتا ہے۔ اوباش قسم کے نوجوان بس سٹاپوں پر کھڑا ہونے کے بجائے مساجد کا رخ کرلیں گے کہ حسن کے مناظر ، حسین پری پیکر کی زیارت مسجد میں ہی ہو جائے گی۔

" وعن ابن مسعود قال ماصلت امرأة خيرلها من قعر بيتها الا ان يكون المسجد الحرام ومسجد النبی ﷺ الا امرأة تخرج فی منقليها يعنی خفيها "

(المعجم الكبير للطبرانی ج ۹ ص ۳۳۹ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴ باب خروج النساء الى المساجد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی عورت کی نماز کمرے کے اندرونی حصہ سے زیادہ بہتر نہیں، سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے مگر یہ کہ وہ اپنے موزے پہن کر نکلے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بغیر عورت کا اپنے گھر کے کمرہ کے اندر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ اور مسجد حرام اور مسجد

نبوی میں بھی باپردہ ہو کر، پاؤں میں موزے پہن کر جائے۔

" عن ابی عمرو الشیبانی انه رآی عبدالله یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول اخرجن الی بیوتك خیر لكن "

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳٤٠ مجمع الزوائد ج ١ ص ٣٥ باب خروج النساء الی المساجد)

ابو عمرو الشیبانی کہتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے کہا تم گھروں میں چلی جاؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے "وقال الهیثمی رجاله موثقون" علامہ ھیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

" عن عبدالله بن سوید الانصاری عن عمته ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی انها جانت النبی ﷺ فقالت یارسول الله انی احب الصلوة معك قال قد علمت انك تحبین الصلوة معی وصلوتك فی بیتك خیرلك من صلوتك فی حجرتك وصلوتك فی حجرتك خیرلك من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك خیرلك من صلوتك فی مسجدی "

(مسند احمد ج٦ ص ٣٧١)

عبداللہ بن سوید انصاری رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی ام حمید سے روایت کرتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کرنے لگی، یارسول اللہ میں پسند کرتی ہوں کہ آپ کی معیت (اقتداء) میں نماز ادا کروں۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز ادا کرنے کو محبوب سمجھتی ہو۔ لیکن تمہارا اپنے سونے کے کمرے میں نماز ادا کرنا بنسبت عام

کمرے کے نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اور تمہارا کمرے میں نماز ادا کرنا بنسبت گھر کی صحن کے نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اور گھر کے صحن میں تمہارا نماز ادا کرنا بہتر ہے بنسبت اس میری مسجد میں ادا کرنے کے۔

عورت مردوں کی امامت نہیں کراسکتی :

یہ واضح بات ہے کہ مرد، عورتوں اور مردوں کا امام بن سکتا ہے۔ اگرچہ عورت کا مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنا بہتر نہیں تاہم عورت اگر مسجد میں آجائے، پردے کا انتظام ہو، جماعت سے نماز پڑھے، امام نے نیت کر لی ہو کہ میں عورتوں کا بھی امام ہوں تو عورت کی نماز ہو جائے گی۔

لیکن عورت کسی صورت میں بھی مردوں کو نماز نہیں پڑھا سکتی، اس پر اجماع امت ہے :

" والذكورة خرج به المرأة فلا يصح اقتداء الرجل بها "

(طحطاوی)

امام کے لئے مذکر ہونے کی قید پر جب اتفاق ہے تو واضح ہو گیا کہ عورت امام نہیں بن سکتی لہذا مرد کی اقتداء عورت سے صحیح نہیں۔

عورت کا عورتوں کی امامت کرانا :

" عن ربطة الحنفية ان عائشة امتهن وقامت بينهن فى صلوة مكتوبة "

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۴۱ باب المرأة تؤم النساء)

حضرت ربطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں نماز پڑھائی تو وہ فرض نماز میں ان کے درمیان کھڑی ہوئیں

" عن حجیرۃ بنت حصین قالت امتنا ام سلمة فی صلوة العصر فقامت بیننا "

(مصنف عبدالرزاق ج ص ۱٤٠ باب المرأۃ تؤم النساء)

حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی وہ درمیان میں کھڑی ہوئی۔

عورت کا عورتوں کی جماعت کرانا بھی صرف جواز کی حد تک ہے، لیکن کراہت سے خالی نہیں۔ کیونکہ عورت کا امامت کی حالت میں درمیان میں کھڑا ہونا بھی مکروہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ مقتدیوں کے آگے ہو کر نماز پڑھائی اور عورت کا آگے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

" ھو زیادۃ الکشف وحرمتھا ظاھرۃ لقوله تعالی ولایبدین زینتھن الا ماظھر منھا "

(کفایہ)

عورت کے آگے کھڑے ہونے میں بے پردگی ہوگی جس کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

" ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح یعنی ان الکراھة فی مثل ما تشرع فیه جماعة الرجال فرضا اونفلا "

(درمختار، شامی)

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگر چہ وہ نماز تراویح کی ہی کیوں نہ ہو، یعنی جہاں مردوں کی نماز جائز ہوگی خواہ فرض ہوں یا نفل یعنی کسوف، استسقاء وغیرہ وہاں عورتوں کا امامت کرانا مکروہ ہوگا۔

عورتوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہوگی:

" ویصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء لقوله علیه السلام لیلینی منکم اولوالاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم "

(ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، هدایة)

پہلے مردوں کی صف ہو، پھر نابالغ بچوں کی پھر عورتوں کی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے قریب عاقل وبالغ کھڑے ہوں، پھر جوان کے قریب ہیں (یعنی بچے) پھر جوان کے قریب ہیں۔ (یعنی عورتیں)

" عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها اخرها وخیر صفوف النساء آخر وشرها اولها "

(نسائی ج۱ ص۹۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کی بہتر صف پہلی ہے اور آخری بہتر نہیں۔ عورتوں کی آخری صف بہتر ہے اور پہلی شر پر مبنی ہے۔

عورت کا سجدہ:

" عن علی قال اذا سجدت المرأة فلتحتفر ولتضم فخذیها "

(مصنف ابن ابی شیبه ج ۱ ص ۳۰۲ باالمرأة کیف تکون فی سجودها)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عورت جب سجدہ کرے تو بہت سمٹ کر سجدہ کرے اور رانوں کو آپس میں ملا لے۔

" عن مغیرة عن ابراهیم قال اذا سجدت المرأة فلتضم فخذیها ولتضع بطنها علیهما "

(مجمع ابی شیبه حواله مذکور)

مغیرہ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے کہ انہوں کہا عورت جب سجدہ کرے تو اپنے ران (پیٹ سے) ملالے، اور پیٹ کو ران پر رکھے۔

" عن مجاهد انه كان يكره ان يضع الرجل بطنه على فخذيه اذا سجد كما تضع المرأة "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

مجاہد سے مروی ہے کہ مرد کے لئے یہ مکروہ ہے کہ سجدہ میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت (اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر) رکھتی ہے۔

" عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولا ترفع عجيزتها ولا تجافى كما يجافى الرجل "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت ابراہیم (نخعی) سے مروی ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے ملالے اور اپنی سرین کو زیادہ اٹھائے نہیں ،اعضاء کو ایک دوسرے سے دور نہ رکھے جیسے مرد دور رکھتا ہے۔

ان احادیث سے بہت واضح ہوا کہ عورت اور مرد کی نماز میں فرق ہے، سجدہ جب نماز میں رکن اعظم ہے اس میں ہی جب فرق موجود ہے تو اور صورتوں میں فرق کرنے میں کون سا حرج ہے۔

عورت کا نماز میں بیٹھنا:

"عن منصور عن ابراهيم قال تجلس المرأة من جانب فى الصلوة"

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ٣٠٤ ، باب فی المراۃ کیف تجلس فی الصلوۃ)

حضرت منصور حضرت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ عورت ایک جانب ہو کر بیٹھے۔ یعنی عورت قعدہ میں پاؤں کو ایک طرف نکال کر زمین سے سرین ملا کر بیٹھے، اس میں اس کا زیادہ پردہ ہے،

" عن خالد بن اللجلاج قال كن النساء يؤمرن ان يتربعن اذا جلس في الصّلوة ولا يجلسن جلوس الرجال على اوراكهن يتقى على المرأة مخافة ان يكون منها الشئى "

خالد بن لجلاج سے مروی ہے کہ عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ چوکڑی مار کر بیٹھیں، مردوں کی طرح اپنی سرین کو پاؤں پر رکھ کر نہ بیٹھیں، عورت کو مردوں کی طرح بیٹھنے سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ عورت کا کوئی مقام ظاہر نہ ہو یعنی پردے کا لحاظ تھا کہ وہ جتنا زیادہ زمین سے سمٹ کر بیٹھے گی اتنا زیادہ اس میں پردہ پایا جائے گا اور جتنا زیادہ اعضاء کو کشادہ کر کے بیٹھے گی اتنا ہی زیادہ پردہ کھلے گا، جو درست نہیں،

" حدثنا محمد بن بكر عن ابن جريج قال قلت لعطاء تجلس المرأة فى مثلنا على شقها الايسر قال نعم قلت هواحب اليك من الأيمن قال نعم قال تجتمع جالسته مااستطاعت قلت تجلس جلوس الرجل فى مثلنا او تخرج رجلها اليسرى من تحت اليتها قال لايضرها اى ذلك جلست اذا اجتمعت "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے کہا (کیا) عورت ہماری طرح بائیں طرف بیٹھے گی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا بائیں طرف بیٹھنا مجھے پسند ہے بنسبت دائیں طرف پر بیٹھنے کے۔ انہوں نے کہا

ہاں بیٹھے لیکن جتنی طاقت رکھے اتنی ہی سمٹ کر مجتمع ہو کر بیٹھے۔ میں نے کہا مردوں کی طرح بیٹھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ یا اپنا بایاں پاؤں سرین کے نیچے سے باہر نکال کر بیٹھے؟ انہوں نے کہا کوئی ضرر نہیں البتہ بیٹھے مجتمع ہو کر یعنی سمٹ کر بیٹھے۔

نتیجہ واضح ہوا کہ مقصد عورت کے پردے کا ہے، وہ اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی ہو سکے اپنے اعضاء کو اعضاء سے ملا کر، زمین سے لپٹ کر بیٹھے، خواہ یہ مقصد اسے مردوں کی طرح بیٹھنے سے حاصل ہو، یا چوکڑی مار کر بیٹھنے سے حاصل ہو، یا سرین کو زمین پر رکھنے اور پاؤں کو باہر نکالنے سے حاصل ہو۔

جب احادیث مبارکہ سے یہ واضح ہو گیا کہ عورت زیادہ سے سمٹ کر، اعضاء کو اعضاء سے ملا کر، زمین سے لگ کر سجدہ کرے اور بیٹھے، تو انسان کو رب تعالیٰ نے عقل و شعور دیا ہے وہ غور کرے کیا عورت کے بیٹھنے میں سب سے زیادہ پردہ اس صورت میں نہیں جو امام اعظم رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین نے بیان کی ہے؟ کہ عورت سرین پر بیٹھے اور پاؤں کو باہر نکال لے، یقیناً یہی صورت بہتر ہے۔

جو وجہ احادیث سے سمجھ آئی وہی فقہا کرام نے بھی بیان کی ہے لوگ سمجھتے ہیں شائد فقہ حدیث کے مخالف علم کا نام یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک اور حدیث پاک سے استنباط (حاصل کرنا) کئے ہوئے مسائل ہی علم فقہ ہے جو بعینہ قرآن پاک اور حدیث پاک کے موافق ہے، مخالف نہیں۔

فقہاء کرام نے بیان کیا :

" فان كانت امرأة جلست على اليتها اليسرى واخرجت رجلها من الجانب الايمن لانه استرلها "

(هداية)

اگر عورت نماز ادا کر رہی ہو تو وہ اپنی سرین کے بائیں حصہ کے بل بیٹھے اور اپنے پاؤں کو دائیں جانب باہر نکال لے کیونکہ اس میں عورت کے لئے پردہ زیادہ پایا جاتا ہے۔

امامت، سجود اور قعود میں عورت کا مرد سے فرق جب ظاہر ہو گا اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ اصل میں عورت کے پردے کی وجہ سے ہی یہ فرق ہے تو جہاں جہاں بھی ممکن ہوا تو وہاں فرق کیا گیا۔

عورت تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک نہ اٹھائے کیونکہ اس کے بازو، زیادہ کھل جائیں جو اس کی بے پردگی پر دلالت کریں گے، لیکن عورت جب اپنے ہاتھ کندے تک بمشکل اٹھائے گی۔ تو اس کا پردہ بر قرار رہے گا اسی طرح عورت جب ہاتھ باندھتے وقت اپنے ہاتھ اپنے پستانوں پر رکھ کر باندھے گی تو اس کا زیادہ پردہ ہو گا۔ عورت اور مرد کا اور کئی وجہ سے فرق پایا جاتا ہے اس کی تفصیل راقم کی کتاب "اسلام میں عورت کا مقام" میں دیکھی جائے۔ اس میں میں نے کئی وجہ سے فرق واضح طور پر بیان کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

جلسہ استراحت کا مسئلہ

جلسہ کا معنی ہے بیٹھنا، استراحت کا معنی ہے راحت طلب کرنا، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جلسہ استراحت ہے یا نہیں۔

جلسہ استراحت سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد یا تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر اٹھنا۔

غیر مقلدین کا مذہب اور ان کی دلیل :

جلسہ استراحت : دوسرا سجدہ کر چکنے کے بعد ایک رکعت پوری ہو چکی ہے، اب دوسری رکعت کے لئے آپ نے اٹھنا ہے لیکن اٹھنے سے پہلے اور دوسرے سجدے کے بعد جلسہ استراحت میں ذرا بیٹھ کر اٹھیں۔ اس کی صورت یہ ہے۔

" ثم يقول الله اكبر ويرفع ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها ثم ينهض "

(ابو داؤد ، دارمی ، ترمذی ، ابن ماجه)

پھر حضور اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اور بیٹھتے اس پر، پھر کھڑے ہوتے (دوسری رکعت کے لئے)

نوٹ : جلسہ استراحت سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھیں

(بخاری) (صلوٰۃ الرسول ص ۲۶۳ ، ۲۶۴)

احناف کا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ جلسہ استراحت نہیں بلکہ پہلی اور تیسری رکعت سے فارغ ہو کر اپنے قدموں کے سروں پر ہی اٹھ جائے بیٹھے نہیں۔

جب جلسہ استراحت نہیں تو اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ بھی نہیں ٹیکے جائیں گے بلکہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر اٹھا جائے گا۔

احناف کے دلائل :

" عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه "

(ترمذی ج ۱ ص۳۸ باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نماز میں اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔

اس حدیث کے بعد ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

" قال ابوعيسی حديث ابی هريرة عليه العمل عند اهل العلم يختارون ان ينهض الرجل فی الصلوة علی صدور قدميه "

(حوالہ مذکور)

ابو عیسی ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اہل علم کا عمل ہے۔ اور یہی ان کا مختار مذہب ہے۔ کہ نماز پڑھنے والے شخص کو اپنے قدموں کے سینے پر ہی اٹھنا چاہئے۔

" عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا قام من السجود رفع یدیه قبل رکبتیه "
(ابن ماجه باب السجود ص ۶۳)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب سجدہ سے کھڑے ہوتے اور اپنے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔

(یہی حدیث نسائی باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکبتین ج ۱ ص ۱۲۹ میں بھی مذکور ہے) ابوداؤد، ترمذی، دارمی میں بھی ہے بحوالہ مشکوۃ باب السجود)

" عن عبدالرحمن بن یزید قال رمقت عبداللہ بن مسعود فی الصلوۃ فرئیته ینهض ولا یجلس قال ینهض علی صدور قدمیه فی الرکعة الاولی والثالثة "
(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۰۶ السنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۱۲۵ باب من قال یرجع علی صدور قدمیه مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۶)

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بیٹھتے نہیں تھے۔ وہ اپنے قدموں کے بل پہلی اور تیسری رکعت میں اٹھ جاتے تھے۔

" وعن عباس او عیاش بن سهل الساعدی انه کان فی مجلس فیه ابوه وکان من اصحاب النبی ﷺ وفی المجلس ابوهریرة وابوحمید الساعدی وابو اسید فذکر الحدیث وفیه ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورك "
(ابوداؤد ج ص ۱۰۷ باب افتتاح الصلوۃ)

ایک محفل میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور بھی تھے اور ان

میں حضرت ابو ہریرہ، ابو حمید الساعدی، ابو اسید رضی اللہ عنہم بھی تھے ایک حدیث کو بیان کیا گیا، جس میں یہ ذکر تھا کہ (نبی کریم ﷺ نے) تکبیر کہی، پھر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی، ساتھ ہی فوراً کھڑے ہو گئے، کوئی تورک (پاؤں نکال کر بیٹھنا) نہیں کیا۔

" عن عبید بن ابی الجعد قال کان علیؓ ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه"

(مصنف ابن ابی شیبة باب من کان ینهض علی صدور قدمیه)

عبید ابن ابی جعد کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے سینے پر کھڑے ہو جاتے۔

" عن عبدالرحمن بن یزید قال کان عبدالله ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه "

(حوالہ مذکور)

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

" عن خیثمة عن ابن عمیر قال ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه"

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت خیثمہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جائیں۔

" عن الشعبی ان عمرو علیا واصحاب رسول الله ﷺ کانوا ینهضون فی الصلوة علی صدور اقدامهم "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت شعبی سے مروی ہے کہ بے شک حضرت عمر اور

حضرت علی اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔

" عن وهب بن كيسان قال رأيت ابن الزبير اذا سجد السجدة الثانية قام كما هو على صدور قدميه "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

وہب ابن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے (عبداللہ) ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جب دوسرا سجدہ کرتے (تو کھڑے ہونے والی رکعات میں) تو کھڑے ہو جاتے جیسا کہ آپ (پہلے ہی) قدموں کے کناروں پر تھے۔

یعنی جلدی سے بغیر کسی تاخیر کے اور بغیر بیٹھنے کے اور بغیر سہارا لگانے کے آپ کھڑے ہو جاتے یوں محسوس ہوتا کہ آپ پہلے سے ہی قدموں کے کناروں پر تیار بیٹھے تھے۔

" عن نافع عن ابن عمر انه كان ينهض فى الصلوة على صدور قدميه "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضے اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔

" عن ابراهيم قال كان ابن مسعود فى الركعة الاولى والثالثة لا يقعد حين يريد ان يقوم حتى يقوم "

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من کان یقول اذا رفعت راسک من السجدۃ الثانیۃ)

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب پہلی اور تیسری رکعت سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو بیٹھتے نہیں

تھے یہاں تک کہ کھڑے ہو جاتے۔

" عن الزهری قال کان اشیاخنا لایمایلون یعنی اذا رفع احدهم رأسه من السجدة الثانیة فی الرکعة الأولی والثالثة ینهض کما هو ولم یجلس "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے بزرگ حضرات (بیٹھنے کی طرف) میلان نہیں فرماتے تھے۔ یعنی پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے جب بھی کوئی سر اٹھاتا، تو سیدھا ہی کھڑا ہو جاتا جیسا کہ وہ بیٹھا ہی نہیں تھا۔

" عن الزبیر بن عدی عن ابراهیم انه کان یسرع فی القیام فی الرکعة الاولی من آخر سجدة "

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم (نخعی) رضی اللہ عنہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد قیام کی طرف بہت جلدی کرتے تھے۔

عن نعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ فکان اذا رفع رأسه من السجدة فی اول رکعة والثالثة قام کما هو ولم یجلس

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

نعمان ابن ابی عیاش کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے کئی صحابہ کرام کو پایا کہ جب بھی کوئی پہلی اور تیسری رکعت کے (دوسرے) سجدہ سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوتے جیسا کہ یہ بیٹھے ہی نہیں تھے۔

تمام احادیث مذکورہ سے واضح ہوا کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت

کے دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت نہیں، بلکہ قدموں کے بل سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے۔

غیر مقلدین کی دلیل کا جواب اور شاندار محاکمہ :

غیر مقلدین نے جو احادیث پیش کیں کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد ذرا بیٹھ کر ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھے، وہ احادیث بھی صحیح ہے۔ ان کا بھی انکار نہیں۔ بظاہر دونوں قسموں کی حدیثوں پر عمل تو ممکن نظر نہیں آتا کہ جلسہ استراحت اور ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے سے، بغیر جلسہ استراحت اور ہاتھوں کا گھٹنوں سے پہلے اٹھانے پر عمل نہیں ہوتا۔

اور اگر جلسہ استراحت نہ کیا جائے اور ہاتھ زمین پر لگا کر نہ اٹھے تو دوسری حدیثوں پر عمل نہیں ہوگا۔

غیر مقلدین کے قول پر عمل کیا جائے تو ان تمام احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا قربان جاؤں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فراست علمی پر آپ نے شاندار محاکمہ بیان فرمایا کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے، کسی کو چھوڑنا لازم نہ آئے۔ اور آپ کے محاکمہ کو بھی دوسری اور احادیث سے تائید حاصل ہے۔

وہ محاکمہ یعنی احادیث میں تطبیق اس طرح بیان کی گئی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام بغیر کسی عذر کے یعنی تکلیف اور بڑھاپے کے عذر کے بغیر تو قدموں کے بل اٹھتے رہے۔ کبھی ہاتھوں کا سہارا زمین پر نہیں لگایا۔ لیکن بڑھاپے میں اور تکالیف کی صورت میں ذرا بیٹھ کر، ہاتھوں کا سہارا زمین پر لگا کر اٹھے۔

محاکمہ پر احادیث کی تائید :

" عن الحارث عن ابراهيم انه كان يكره ذلك الا ان يكون شيخا كبيرا او مريضا "

(مصنف ابن ابی شیبه باب فی الرجل يعتمد على يديه فى الصلوة)

حارث رحمہ اللہ روایت کرتے کہ حضرت ابراہیم (نخعی) رضی اللہ عنہ ہاتھوں کا سہارا لگا کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے ہاں البتہ کوئی شخص بوڑھا ہو یا مریض ہو تو اس کیلئے جائز ہے۔

" عن ابی حجیفة عن علی قال ان من السنة فی الصلوة المكتوبة اذا نهض الرجل فی الركعتين الا ولیین ان لا یعتمد بيد به على الارض الا ان يكون شيخا كبيرا لا يستطيع "

(ابن ابی شیبه حواله مذکور)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرض نماز میں سنت یہ ہے کہ انسان جب پہلی دو رکعت کے بعد اٹھے تو اپنے ہاتھوں کا زمین پر سہارا نہ لگائے مگر یہ کہ بہت بوڑھا ہو (بغیر سہارے کے اٹھنے کی) طاقت نہ رکھتا ہو

ان احادیث سے بہت واضح ہو گیا کہ اگر کسی کو کمر میں تکلیف، پاؤں، ٹانگوں میں تکلیف ہو یا بیمار ہو۔ یا بڑھاپا ہو وہ سیدھا قدموں کے بل اٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر اٹھے یا زمین پر سہارا لگا کر اٹھے تو یہ جائز ہے۔ اور ان ہی عذروں کے پیش نظر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے بیٹھ کر اٹھنا یا زمین پر سہارا لگا کر اٹھنا ثابت ہے۔

جب کوئی عذر نہ ہو تو قدموں کے بل نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے قدموں کے بل اٹھنا ثابت ہے۔

یہی حکم بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے جو تا قیامت (ان شاء اللہ) باقی رہے گا۔ وہ حکم یہی ہے کہ انسان طاقت کے مطابق کام کرے۔ اس بحث سے بعد اگر کوئی شخص ضد، حسد، عناد، ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر انصاف کی نظر سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو دیکھے گا تو داد تحسین دیے بغیر رہ نہیں سکے گا۔

☆☆☆☆☆

نمازوں کے اوقات

نماز کے وقت میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
غیر مقلدین کہتے ہیں جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اسی وقت نماز ادا کی جائے دیر نہ کی جائے ۔

احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ یعنی وقت میں تین حال پائے جاتے ہیں۔

ایک ہے : کل وقت، یعنی نماز کا وقت کب ختم ہوتا ہے۔ وقت کے شروع ہونے سے لیکر وقت کے ختم ہونے تک تمام وقت کہلائے گا۔

دوسرا ہے : مکروہ وقت۔ نماز کے بعض اوقات وہ ہیں جن میں نماز مکروہ ہوگی اگرچہ وہ نماز کا وقت کہلائے گا۔

تیسرا ہے : مستحب وقت جن وقتوں میں نماز ادا کرنا یا جماعت کرانا افضل ہوتا ہے اسے مستحب وقت کہا جاتا ہے۔ دونوں مذہبوں کے دلائل اور مسئلہ پر وضاحت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حق مذہب کونسا ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

آئمہ مساجد کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کے مطابق وہ نمازیں اول وقت پر پڑھایا کریں، اس سے خدا خوش ہو

گااور سنت کی پیروی کے سبب رحمۃ للعالمین حشر میں شفاعت فرمائیں گے

(صلوۃ الرسول ص ۱٤٨)

سبحان اللہ کبھی نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا انکار اور کبھی دھوکہ دینے کیلئے اقرار کبھی آپ کی رحمت کو تسلیم نہ کرنا اور کبھی تمام جہانوں کیلئے رحمت مان لینا یہی ان کے باطل مذہب کا بیان کافی ہے، بہر حال ان کے مذہب کے دلائل بیان کرنے کے بعد احناف کے مذہب کی وضاحت ہو گی۔

غیر مقلدین کے دلائل :

نماز عصر کا وقت : حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں

"فاقام العصر والشمس مرتفعة بيضا نقية "

(رواه مسلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے قائم کی نماز عصر درحالیکہ آفتاب تھا بلند سفید صاف (یعنی زرد نہ تھا)

" وعن انس قال كان رسول الله ﷺ يصلى العصر والشمس مرتفعة حية "

(متفق عليه)

روایت ہے حضرت انس سے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا نماز عصر پڑھتے اور آفتاب ہوتا تھا بلند، زندہ، (یعنی روشن بغیر زردی کے)

منافق کی نماز :

حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا

"تلك صلوة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا اصفرت وكانت بين قرني الشيطن قام فنقر اربعا لا يذكر الله فيها الا قليلا"

(رواه مسلم)

یہ منافق کی نماز عصر ہے (جو اخیر وقت پڑھی جائے) کہ بیٹھا رہتا ہے، انتظار کرتا ہے آفتاب کا، یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے زرد، اور ہوتا ہے درمیان دو سینگوں شیطان کے (یعنی غروب کے وقت) کھڑا ہوتا (نماز کیلئے) پھر ٹھونگیں مارتا ہے چار، نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔

(صلوۃ الرسول ص ۱۴۴)

غیر مقلدین اپنا دعوی ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے :

دعویٰ یہ کہ نماز عصر اول وقت میں پڑھی جائے، گرمیوں میں بھی ساڑھے تین بجے۔ اور جو احادیث بیان کی ہیں، ان سے یہ دعوی کیسے ثابت ہے۔ احادیث سے جو ثابت ہو رہا ہے وہ تو احناف کا مذہب ہے۔

پہلی جو دو حدیثیں پیش کی ہیں ان سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی جب کہ سورج روشن، چمکدار تھا۔

تیسری حدیث جو پیش کی اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کر دینا کہ سورج زردی مائل ہو جائے۔ بلکہ غروب کے قریب ہو جائے (کیونکہ غروب کے وقت ہی شیطان سورج کے آگے اپنے بازو پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ سورج کی عبادت کرنے والے دراصل مجھے سجدہ کریں)

اور نماز پڑھنے والے کو سورج کے غروب ہونے کا خطرہ ہو وہ بے اطمینانی سے نماز ادا کرے تو یہ علامت نفاق ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ "منافق کی نماز" کا عنوان بھی غلط ہے اور ظلم عظیم ہے کسی مومن کو منافق کہنا دراصل اپنے آپ کو کافر بنانا ہے۔ احادیث میں جہاں بھی اس قسم کے الفاظ ہیں وہاں منافقت کی علامت مراد ہوتا ہے، بعینہ منافق نہیں کہا گیا اور نہ ہی یہ کہنا درست ہے۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ مثال کے طور پر راولپنڈی، اسلام آباد میں گرمیوں کا آخری وقت غروب شمس (سورج کے غروب ہونے کا وقت) کا سات بج کر تئیس منٹ ہے۔ سورج کے غروب ہونے سے بیس یا پچیس منٹ پہلے سورج زردی مائل ہوتا ہے اگر کوئی شخص سات بجے یا اس کے بعد نماز ادا کرے تو وہ مکروہ وقت ہوگا۔ اور اگر کوئی غروب کے وقت نماز ادا کرے یعنی جب سورج غروب ہو رہا ہو تو یہ علامت نفاق ہوگی۔

یہی مذہب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احناف کا ہے کہ وہ ساڑھے پانچ بجے یا زیادہ سے زیادہ پونے چھ بجے نماز ادا کر لیتے ہیں، جب سورج خوب چمک رہا ہوتا ہے، آب و تاب میں ہوتا ہے۔

ذرا انصاف کیجئے کہ احناف کیا اس وقت نماز نہیں ادا کر رہے ہوتے جو حضور ﷺ کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ یقیناً وہی وقت احناف کی نماز کا ہے جو وقت رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ہے۔

عصر کا وقت فقہ حنفی سے :

" واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر على القولين وآخر وقتها مالم تغرب الشمس "

(هداية)

عصر کا وقت اس وقت شروع ہوگا جب ظہر کا وقت امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین کے قول کے مطابق ختم ہو جائے گا۔ یعنی سایہ چیز کا دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت ختم اس وقت ہوگا جب سورج غروب ہوگا۔

خیال رہے کہ عصر کا جو وقت بیان کیا گیا ہے یہ کل وقت ہے۔ جس میں مکروہ اور غیر مکروہ دونوں شامل ہیں۔

" ثلاثة اوقات لا يصح فيها شئى من الفرائض والواجبات التى لزمت فى الذمة قبل دخولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع وعند استوائها الى ان تزول وعند اصفرارها الى ان تغرب ويصح اداء ماوجب فيها مع الكراهة "

(نورالایضاح)

تین وقتوں میں کوئی فرائض و نوافل ادا نہیں ہوں گے، جو اس کے ذمہ اس سے پہلے ہیں، ایک طلوع شمس (سورج کے نکلتے) کے وقت یہاں تک کہ سورج (ایک دو نیزے کے برابر) اوپر آجائے۔ اور جب سورج درمیان میں ہو یہاں تک کہ ڈھل جائے۔ اور جب سورج زردی مائل ہو جائے البتہ اسی دن کی عصر جو اس وقت اس پر لازم ہوئی بوجہ تاخیر کے وہ ادا ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔

اس فقہی قول کو حدیث پاک سے لیا گیا:

" ولذا إستدل بحديثِ عقبة بن عامر الثابت في مسلم وغيره ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ نهانا ان نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حين تميل الشمس وحين تضيف للغروب حتى تغرب "

(فتح القدير)

ان تین اوقات میں نماز کی ممانعت پر اس حدیث پاک سے دلیل پکڑی گئی ہے جو مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں۔ تین وقتوں میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے اور فوت ہونے والے لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرماتے تھے، جب سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور جب دوپہر کے وقت سورج درمیان میں ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور غروب ہونے کی طرف مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

سورج کے زردی مائل ہونے اور غروب کے قریب ہونے پر فقہاء کا استدلال:

" قوله ﷺ ان الشمس تطلع بين قرني شيطان فاذا ارتفعت فارقها ثم اذا استوت قارنها فاذا زالت فارقها فاذا دنت للغروب قارنها واذا غربت فارقها ونهى عن الصلوة في تلك الساعات رواه مالك في الموطأ والنسائي فانه افاد كون المنع

لما اتصل بالوقت مما يستلزم فعل الاركان فيه التشبيه بعبادة الكفار وهذا المعنى بنقصان الوقت والافالوقت لانقص فيه نفسه بل هو وقت كسائر الاوقات "

(فتح القدير)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ بے شک سورج شیطان کے دو سینگوں (یعنی بازوں) کے درمیان طلوع ہوتا ہے، پھر جب سورج بلند ہو جاتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے، پھر جب سورج درمیان میں آتا ہے پھر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ پھر جب سورج ڈھل جاتا ہے وہ بھی ہٹ جاتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے وہ پھر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ اور جب غروب ہو جاتا ہے جدا ہو جاتا ہے۔ اور تین اوقات میں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔

(موطا امام مالك نسائی)

اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ کافروں کی عبادت کی مشابہت حاصل ہوتی ہے ورنہ وقت میں ذاتی طور پر کوئی نقص نہیں۔ بلکہ یہ بھی دوسری وقتوں کی طرح ہی وقت ہیں۔ نقصانِ عبادات میں ہوگا تو ضمناً اوقات میں بھی نقص آگیا

فقہاء کرام کی عبارات اور دلائل کو دیکھ کر انصاف سے فیصلہ کریں، کیا یہ سچ نہیں، یہ حق نہیں کہ فقہ قرآن و حدیث کے مسائل کی وضاحت کرنے والے علم کا نام ہے؟ ہاں ہاں یہ حقیقت ہے اس کا انکار ممکن نہیں۔ عوام کو دھوکہ دینا یہ مسئلہ تو فقہ کا ہے ہم تو حدیث بیان کر رہے فقہ کوئی حدیث کے

مطابق علم کا نام نہیں۔ فقہ تو اماموں کا من گھڑت علم ہے، یہ سب جھوٹ اور فریب ہے، دھوکہ دہی کے بغیر کچھ نہیں۔

ظہر کی نماز کا وقت اور غیر مقلدین :

گرمی میں ظہر ٹھنڈے وقت : حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا نے فرمایا

" اذا اشتدالحر فابردوا بالصلوة "

(متفق علیہ)

جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

ملاحظہ : ٹھنڈے وقت کا یہ مطلب نہیں چار بجاد وبلکہ یہ مراد ہے کہ شدت کی گرمی میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نہ پڑھو۔ تھوڑی دیر کرو۔

اور نسائی میں حضرت انس سے روایت ہے۔ " واذا کان البرد عجل " یعنی جب سردی ہوتی تو حضور ظہر پڑھنے میں جلدی کرتے

(صلوة الرسول ص ١٤٤)

غیر مقلدین کی اس دلیل میں بھی ناکامی :

چار بجے نماز پڑھنے کا بہتان ہے، گرمیوں میں نماز ہمارے علاقہ میں ڈیڑھ بجے سے لے کر اڑھائی بجے تک ہوتی ہیں۔ سردیوں میں نماز ایک بجے سے لے کر دو بجے تک ہوتی ہے۔

حدیث شریف کی یہ توجیہ بیان کرنا "کہ شدت گرمی میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نہ پڑھو، تھوڑی دیر کرو" غلط ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کی گئی۔ صرف زبانی دعوی قابل قبول نہیں۔

اگر اپنی مرضی سے ہی وجہ گھڑنی ہو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شدت گرمی میں زوال کے وقت نماز نہ پڑھو بلکہ سورج ڈھلتے ہی جلدی پڑھ لو۔

احناف کا مذہب فقہ سے :

" ووقت الظهر من زوال الشمس الى ان يصير ظل كل شئى مثليه او مثله سوى ظل الاستواء "

(نورالایضاح)

ظہر کا وقت سورج کے ڈھل جانے سے شروع ہوا ہے اور ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے بغیر دو مثل ہو جائے یا ایک مثل ہو جائے۔

ظہر کا یہ کل وقت ہے۔ یعنی ظہر کے وقت کی ابتداء کو بیان کیا گیا ہے، اور ظہر کے وقت کی انتہاء کو بیان کیا گیا ہے۔

ظہر کا مستحب وقت :

" والابراد بالظهر فى الصيف وتعجيله فى الشتاء الافى يوم غيم فيؤخر فيه "

(نورالایضاح)

گرمیوں کو ظہر میں ٹھنڈا کر کے پڑھا جائے، سردیوں میں جلدی، ہاں

اگر بادل ہو تو تاخیر کرے۔

یہ ضرورت اس وقت تھی جب گھڑیوں کا نظام نہیں تھا، دیر کا حکم اس لئے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لی جائے۔

احناف کے دلائل احادیث سے :

" عن ابی هريرة عن النبی ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم "

(بخاری ج ۱ ص۷٦ باب الابراد بالظهر ، مسلم ج ۱ ص۲۲٤ باب استحباب الابراد بالظهر ، ابوداؤد ج ۱ ص۵۸ باب وقت صلوة الظهر ترمذی ج ۱ ص٤۰ باب ماجاء فی تاخير الظهر ، نسائی ج ۱ ص۸۷ باب الابراد بالظهر ، ابن ماجه ج ۱ ص٤۹ باب الابراد بالظهر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک آپ نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، بے شک سخت گرمی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

" عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا كان الحر ابرد بالصلوة واذا كان البرد عجل "

(بخاری ، نسائی حواله مذکور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جب گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ اور جب سردی ہو تو جلدی پڑھو۔

" عن ابی ذر الغفاری قال كنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان يؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد حتى راينا فئى التلول فقال النبی ﷺ ان

شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة "

(بخاری باب الابراد بالظهر فی السفر ، مسلم باب استحباب الابراد بالظهر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، کچھ دیر کے بعد مؤذن نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے (پھیلے ہوئے) ہم دیکھ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک سخت گرمی جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

اس حدیث پاک میں لفظ "ثم" سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے روکنے کے بعد کچھ وقت گذر گیا تو مؤذن نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے پھر روک دیا۔

" فئی التلول " سے بھی پتہ چلا کہ ٹیلوں کے سائے کافی مقدار میں پھیل چکے تھے جو دور سے دکھائی دے رہے تھے اگر مطلقاً " سایہ " ہی معنی لیا جائے تو وہ کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ جب تک سایہ ڈھلے نہیں اس وقت تک تو ظہر کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا۔

اصلی سایہ کے سواء ایک مثل ہونے سے پہلے ظہر ادا کرلیجائے :

اگرچہ ظہر کے وقت میں مکروہ وقت نہیں، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے کہ ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے ہر چیز

کے اصلی سایہ کے بغیر ایک مثل سایہ ختم ہونے تک وقت ختم ہو جاتا ہے یا کہ دو مثل تک پہنچنے تک۔

یہی اختلاف عصر کے وقت کی ابتداء میں ہے کہ ایک مثل کے بعد شروع ہوتا ہے یا دو مثل کے بعد، زیادہ صحیح اور معتبر اور مفتی بہ قول امام اعظم رحمہ اللہ کا دو مثل والا ہے۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک سایہ پہنچنے سے پہلے پہلے ادا ہو جائے اور دو مثل تک سایہ پہنچنے کے بعد ہی عصر کی نماز پڑھی جائے۔

اس فقہی ضابطہ کو بھی بفضلہ تعالیٰ حدیث پاک سے ہی لیا گیا ہے۔ آیئے حدیث پاک کو دیکھیں۔

" عن عبدالله بن رافع مولى ام سلمة زوج النبى ﷺ انه سأل اباهريرة عن وقت الصلوة فقال ابوهريرة انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك "

(موطا امام مالک کتاب و قوت الصلوۃ)

حضرت عبداللہ بن رافع جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں وہ روایت کرتے ہیں۔ کہ بے شک انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ظہر کی نماز ادا کرلو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو جائے۔

بہت واضح ہوا کہ ظہر کے وقت کی انتہاء شے کے ایک مثل سایہ پر نہیں ہوتی ورنہ وہاں سے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے البتہ شے کے ایک مثل سایہ کے ختم ہونے تک ظہر کو ادا کر لینا بہتر ہے۔

راقم عام طور دو بجے ہی ظہر کی نماز ادا کرتا ہے۔ میرے خیال میں یہ وقت تقریباً تمام سال راولپنڈی، اسلام کے علاقوں میں بہتر ہے۔ تعجیل و تاخیر دونوں پر بیک وقت عمل ہو جاتا ہے۔

فجر کی نماز کے متعلق غیر مقلدین کا بیان :

" عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ ليصلى الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن ما يعرفن من الغلس "

(متفق علیه)

حضرت عائشہ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول خدا (جب) نماز صبح پڑھتے تھے۔ پس پھر تیں عورتیں (مسجد سے آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر) اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نہ پہچانی جاتی تھیں، بسبب اندھیرے کے۔

(بخاری و مسلم)

ملاحظہ : معلوم ہوا کہ حضور اندھیرے میں اول وقت نماز پڑھا کرتے تھے

(صلوة الرسول ص ١٤٥)

فجر کی نماز کے وقت کے متعلق فقہ حنفی سے :

" وقت الصبح من طلوع الفجر الصادق الى قبيل طلوع الشمس "

(نور الايضاح)

صبح کا وقت صبح صادق سے لیکر سورج کے نکلنے سے تھوڑا پہلے تک ۔

صبح کا یہ وقت ہے، یعنی اس کی ابتداء صبح صادق (پو پھٹنے) سے ہی ہے اور انتہاء سورج کے نکلنے کے وقت کے قریب تک ہے۔

صبح کی جماعت کا مستحب وقت فقہ حنفی سے

میں نے نورالایضاح کے عربی حاشیہ "ذریعۃ النجاح" میں در مختار ،شامی، مراقی الفلاح سے ترتیب دیا اور اس میں اپنی طرف سے وضاحت بھی کی ۔اسے دیکھیں۔

متن کی عبارت یہ ہے :

"ویستحب الاسفار بالفجر للرجال"

مردوں کیلئے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا مستحب ہے۔

اس پر راقم کا ترتیب دیا ہوا حاشیہ یہ ہے۔

" الاسفار بالفجر للرجال الی التاخیر للاضائۃ والابتداء باسفار والختم بہ وھو المختار بحیث یرتل اربعین ایۃ ثم یعیدہ بطھارۃ ولو فسد لقولہ علیہ السلام اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر ،والاسفار بالفجر مستحب سفرا وحضرا للرجال الافی مزدلفۃ للحاج فان التغلیس لھم افضل لوجوب الوقوف بعدہ بھا کما ھو فی حق النساء دائما لانہ اقرب للستر والفائدہ فی الاسفار تکثیر الجماعۃ وفی التغلیس تقلیلھا وما یؤدی الی التکثیر افضل

اقول باعث الافضلية بالاسفار تكثير الجماعة وان كان تكثير الجماعة فی التغليس فالافضل التغليس وان الذين يعملون فی المعامل والمصانع والمكاتب يرضون التعجيل والتاخير باعث لحرجهم وتقليل الجماعة والله اعلم بالصواب "

(ذریعۃ النجاح)

مردوں کیلئے فجر کی نماز میں اسفار کا یہ مطلب ہے کہ وقت کے روشن ہونے کیلئے تاخیر کرے، ابتداء بھی روشنی میں ہو اور ختم بھی روشنی میں ہو۔ مختار یہ ہے کہ امام ترتیل سے چالیس آیتیں پڑھے، پھر اگر نماز میں کوئی فساد لازم آجائے تو دوبارہ وضوء کر کے اسی مقدار میں قراءت سے نماز وقت میں ادا ہو سکے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کو روشنی میں ادا کرو کہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ فجر کی نماز کو مردوں کے لئے روشنی میں ادا کرنا مستحب ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ سوائے مزدلفہ کے، کیونکہ وہاں اندھیرے میں نماز افضل ہے حاجیوں کے لئے، اس لئے کہ بعد میں وہاں دعاء کے لئے ٹھہرنا ہے تاکہ زیادہ وقت مل سکے، جیسا کہ عورتوں کو ہمیشہ ہی اندھیرے میں نماز پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس میں ان کا پردہ ہے۔ روشنی میں نماز ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جماعت میں لوگ زیادہ مل سکیں گیں اور اندھیرے میں نمازی کم ہوں گے۔ تکثیر جماعت افضل ہے۔

اس پر راقم کی وضاحت یہ ہے کہ جب مقصد روشنی میں پڑھنے کا تکثیر جماعت ہے تو یقیناً اگر اندھیرے میں نماز پڑھنا نمازیوں کے زیادہ ہونے کا سبب ہو تو اندھیرے میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہو گا۔ جیسا کہ کارخانوں

،فیکٹریوں اور دفاتر میں ملازمت کرنے والے صبح کی نماز جلدی پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں ایسی صورت میں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ اگر دیر سے نماز ادا کی جائے تو یا ان لوگوں کے کاموں میں حرج واقع ہو گی۔ یا وہ نماز جماعت سے پہلے ادا کر کے چلے جائیں گے اس لئے نمازیوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

احناف کا استدلال احادیث سے :

" عن رافع بن خديج ان رسول الله ﷺ قال اسفروا لصلوة الفجر فان ذلك اعظم للاجر اوقال لاجوركم"

(مسند حميدى ج ۱ ص۱۹۹ ابوداؤد ج ۱ ص ٦۱ باب وقت الصبح ، ترمذى ج ۱ ص ۹٤ باب الاسفار ، نصب الراية ج ۱ ص۲۳۸)

رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کو روشنی میں ادا کرو، بے شک اس میں عظیم اجر ہے

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے سفیدی میں نماز پڑھنے کا جو حکم دیا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ صبح صادق کے وقت نماز ادا کرو، کیونکہ صبح کاذب کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے۔

جواب: صبح صادق مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ صبح صادق سے پہلے تو نماز ہو ہی نہیں سکتی، پھر روشنی میں نماز پڑھنے کا حکم اور عظیم اجر کے پائے جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے!:

ایک اور حدیث پاک کو دیکھیں تو اور واضح ہو جائے گا کہ اس سفیدی

سے مرادروشنی ہی ہے، صبح صادق نہیں،

" عن هرير بن عبدالرحمن بن رافع بن خديج قال سمعت جدى رافع بن خديج يقول قال رسول الله ﷺ لبلال نوّر بصلوة الصبح حتى يبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار "

(المعجم الكبير للطبرانى ص٢٧٨ رقم الحديث ٤٤١٤)

ھریر بن عبدالرحمٰن بن رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا رافع بن خدیج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشن کر کے پڑھو، یہاں تک کہ اس روشنی میں قوم اپنے تیروں کے گرنے کے مقامات کو دیکھ لے۔

اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ "اسفار" سے مراد صبح صادق نہیں بلکہ روشنی مراد ہے۔

" عن على بن ربيعة قال سمعت عليا يقول لمؤذنه اسفر اسفر "

(مصنف عبدالرزاق ج ١ ص٥٦٩ باب وقت الصبح) مصنف ابن ابى شيبه ج ١ ص٣٢١ باب من كان ينور بها ، طحاوى ج ١ ص١٢٣ باب وقت الفجر)

حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ اپنے مؤذن (ابن نباح) کو کہہ رہے تھے اور روشنی ہونے دو، اور روشنی ہونے دو

" عن عبدالرحمن بن يزيد قال كنا نصلى مع ابن مسعود فكان يسفر بصلوة الصبح "

(طحاوى ج ١ ص١٢٥ باب وقت الفجر ، مصنف عبدالرزاق ج ١ ص٥٦٨ ، مصنف ابن ابى شيبه ج ١ ص٣٢١ باب من كان ينور بها)

عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کے ساتھ نماز پڑھتے تھے وہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے تھے۔

جن احادیث کو ذکر کیا گیا ہے ان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب تکثیر جماعت روشنی میں ہو تو روشنی میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ اس پر عمل رسول اللہ ﷺ کا بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اور صحابہ کرام کا بھی

غیر مقلدین کی دلیل کا جواب :

" والحدیث القولی مقدم ای اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر واما ثبوت الغلس فلا ننکره ایضا فانه ایضا جائز فان الخلاف فی الافضلیة فصار الترجیح لمذهب الاحناف "

(حاشیہ ترمذی)

صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھنے والی حدیث قولی ہے۔ اور اندھیرے میں نماز پڑھنے والی حدیث فعلی ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب قولی اور فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قولی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اور اصل میں یہ نزاع ہی نہیں کہ اندھیرے میں صبح کی نماز نہیں ہوتی، بلکہ نزاع تو صرف افضلیت میں ہے کہ افضل کیا ہے۔ روشنی والی نماز میں عظیم اجر کا ذکر ہے لہذا یہ افضل ہو گی۔ اندھیرے والی نماز میں صرف پڑھنے کا ذکر ہے لہذا وہ جائز رہے گی۔

اندھیرے میں نماز فجر ادا کرے یا روشنی میں جائز ہے۔ لیکن جب روشنی میں نمازی زیادہ ہوں تو روشنی میں افضل ہے۔ اور جب اندھیرے میں نماز پڑھنے سے نمازی زیادہ ہوں تو اندھیرے میں افضل ہے۔

راقم جہاں امام ہے وہاں کے لوگ دفتری ملازم ہیں۔ دفتر میں جانے سے پہلے سیر کرنا، ناشتہ کرنا، غسل کرنا، کپڑے بدلنا ان کے کئی معمولات ہیں سردیوں میں وقت کم ہونیکی وجہ سے راقم صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھاتا ہے اور گرمیوں میں وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے اور رات کے چھوٹا ہونے اور دیر سے جاگ آنے کی وجہ سے صبح کی نماز اجالے میں پڑھاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں نمازیوں کی سہولت کے مدنظر ہیں۔ ورنہ راقم خود گرمیوں اور سردیوں میں جلدی جاگنے کا عادی ہے، ہمیشہ اندھیرے میں نماز پڑھنے یا اجالے میں نماز پڑھنے سے راقم کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن فقہی نقطہ کو مدنظر رکھ کر بفضلہٖ تعالیٰ راقم کا عمل ہے۔ ضد یا عناد کسی کو نہ ہو تو بفضلہٖ تعالیٰ راقم کے طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا۔

جلدی نماز پڑھنے پر غیر مقلدین کی ایک اور دلیل :

ترمذی شریف میں حضرت علی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" یاعلی ثلاث لاتؤخرھا الصلوۃ اذااتت والجنازۃ اذاحضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا "

اے علی تین چیزیں (ایسی) ہیں کہ نہ دیر کرنا ان کو (پہلی) نماز جب کہ آئے وقت اس کا (دوسری) جنازہ جب کہ تیار ہو (تیسری) عورت بن خاوند کے جب کہ پائے تو اس کے لئے کفو۔

(صلوۃ الرسول ص ۱۴۷)

اس حدیث کو غیر مقلدین نے دلیل بنایا ہے کہ نماز کا جب وقت آجائے اسی وقت نماز ادا کی جائے دیر نہ کی جائے۔

اس دلیل کا جواب :

حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے، جنازہ جب حاضر ہو تو اس مین دیر نہ کرو۔ کیا کوئی غیر مقلد اس کے ظاہر پر عمل کرتا ہے۔ کہ ایک شخص فوت ہوا، ادھر قبر تیار ہوئی اور بغیر دیر کے اسے دفن کر دیا؟ نہیں اس پر کوئی عمل نہیں کر رہا، ابھی چند دن ہوئے علامہ عبد القادر روپڑی فوت ہوئے، ان کی وفات کے بعد تقریباً سولہ یا اٹھارہ گھنٹے بعد جنازہ ہوا۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ لڑکی غیر شادی شدہ کفو کو جب مل جائے تو اس کی شادی میں دیر نہ کی جائے۔

کیا ایسا کوئی غیر مقلد ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی بالغ ہوتے ہوئے کفو ملنے پر کر دیتا ہے کفو تو تقریباً ہر خاندان کو مل ہی جاتی ہے جب ان دونوں پر عمل نہیں تو نماز کے وقت شروع پر نماز ادا کرنے پر زور کیوں؟

بات واضح ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا مستحب وقت ہو جائے تو نماز پڑھنے میں اتنی دیر نہ کرو کہ مکروہ وقت آجائے۔ جب کوئی شخص فوت ہو جائے جنازہ پڑھنے والے چالیس آدمی آجائیں تو جنازہ ادا کرنے مین بہت دیر نہ کرو کہ جسم سے بدبو آنے لگ جائے یا میت کو برف خانہ میں رکھنا پڑھے۔ لڑکی جوان ہو جائے، کفو مل جائے تو بہت دیر نہ کرو جہاں فتنہ کا خوف ہو۔

یہ مطلب جو راقم نے بیان کیا ہے، یہی تقریباً منصف مزاج علماء کرام کرتے ہیں۔ اور اسی پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں دو پر غیر مقلدین بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح میں نے بیان کیا ایک پر وہ جلدی جلدی عمل کر کے بظاہر اہل حدیث بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں لیکن در حقیقت وہ وقت مستحب اور مطلق وقت فرق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

غیر مقلدین کا حدیث پر عمل یا حدیث سے انحراف :

غیر مقلدین نے اوقات کے متعلق جو احادیث بیان کی ہیں (ان کا جواب دیا جا چکا ہے) ان سے انہوں نے نتیجہ نکالتے ہوئے بظاہر نصیحت ان الفاظ سے کی ہے (جو در حقیقت فضیحت ہے)

بھائیو اور بہنو ! غور کرو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی میں پانچوں نمازیں اول وقت پڑھیں۔

(صلوۃ الرسول ص ۱۴۶)

یہ سراسر غلط ہے، گرمیوں میں دیر سے ظہر کی نماز پڑھنے کا ذکر احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور فجر کی نماز نمازیوں کے زیادہ ہونے کی غرض سے روشنی میں ادا کرنے کی فضیلت کو بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

آیئے اب عشاء کی نماز کی تاخیر کا مستحب ہونا احادیث مبارکہ سے دیکھیں۔ پھر اندازہ کریں کہ غیر مقلدین کی یہ نصیحت واقعی نصیحت ہے یا فضیحت ہے۔ کیا حدیث پر عمل ہے یا حدیث سے انحراف ہے۔

" عن ابی سعید قال انتظرنا رسول الله ﷺ لیلة لصلوة العشاء حتی ذهب نحو من شطر اللیل قال فجاء فصلی بنا ثم قال خذوا مقاعدکم فان الناس قد اخذوا مضاجعهم وانکم لم تزالوا فی صلوة منذ انتظرتموها ولو لا ضعف الضعیف وسقم السقیم وحاجة ذی الحاجة لأخرت هذه الصلوة الی شطر اللیل "

(نسائی ج ۱۹۳ باب ما یستحب من تاخیر العشاء ، ابن ماجه ج ۱ ص ۵۰ باب وقت صلوة العشاء ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱ باب وقت صلوة العشاء الاخرة مسند احمد ج ۳ ص ۵)

حضرت ابو سعید (خدری) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک رات عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کی انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رات کا تقریباً نصف حصہ گذر گیا تو آپ تشریف لائے، پھر ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے فرمایا اپنی اپنی جگہ پر قائم رہو (اس کے بعد آپ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا) بے شک لوگ اپنی اپنی آرامگاہ میں سوگئے ہیں بے شک تم جتنی دیر نماز کی انتظار میں رہے ہو نماز میں ہی تھے۔ اگر بوڑھوں کے بڑھاپے۔ بیماروں کی بیماری ، صاحب حاجت کی حاجت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نماز کی انتظار میں بیٹھنا، دیر کرنا، نہ سونا، نماز پڑھنا ہے۔ یعنی نماز کے پڑھنے کا ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرنے کو پسند فرمایا صرف بوڑھے ، بیماروں ، ضرورتمندوں کا لحاظ کرتے ہوئے آدھی رات تک دیر نہیں کی۔ لیکن رات کے تہائی حصہ تک دیر کرنا مستحب ہے۔

" عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق على امتى لأمرتهم ان يؤخروا العشاء الى ثلث الليلَ او نصفه "

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰ ، ترمذی ج ص ۴۳ باب ماجاء فی تاخیر العشاء الاخرة ، ابن ماجه ج ۱ ص ۵۰ باب وقت العشاء)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اپنی امت کے لئے مشکل نہ سمجھتا تو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کر دو۔

اس حدیث پاک میں شارحین کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں امت کی مشکل کو خیال میں نہ لاتا تو عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کرنے کو واجب کر دیتا۔ یعنی وجوبی حکم دیتا نبی کریم ﷺ نے اگرچہ عشاء کی نماز کو دیر سے پڑھنا واجب تو نہیں قرار دیا، لیکن رات کے تہائی حصہ تک دیر کرنا پسند فرمایا۔ مستحب یہی ہے کہ عشاء کی نماز دیر سے پڑھی جائے۔

جب عشاء کی نماز کو دیر سے پڑھنا رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا تو جلدی نماز پڑھنے پر زور دینا یقیناً حدیث پاک سے انحراف ہے خدرا غور کریں حدیث پر عمل کرنے سے انحراف کرنے پر کوئی شخص اہل حدیث ہوتا ہے یا کہ عمل کرنے سے؟ حقیقت یہی ہے کہ ہمارا نام تو حنفی ہے لیکن ہم حقیقی معنی میں اہل حدیث ہیں۔ غیر مقلدوں نے اپنا نام ہی صرف اہل حدیث رکھا ہوا ہے، ورنہ وہ اہل حدیث کہلانے کے حقدار نہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿چھوٹے بچے کے پیشاب میں اختلاف﴾

غیر مقلدین کے نزدیک چھوٹا بچہ اگر کپڑوں پر پیشاب کر دے تو ان کپڑوں کو دھونا ضروری نہیں، بلکہ اس پر پانی چھڑکنا کافی ہے۔

احناف کا مذہب:

احناف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جس طرح باقی ناپاک چیزوں کا حکم ہے وہی بچے کے پیشاب کا حکم بھی ہے

اگر نجاست کسی کپڑے پر لگ جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ نجاست خشک ہونے کے بعد نظر آتی ہے یا نہیں۔ اگر نجاست خشک ہونے کے بعد نظر آئے تو اس نجاست کا زوال اور گندگی کی بو کو زائل کر کے ہی کپڑے کو پاک کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اتنا دھوئے کہ نجاست زائل ہو جائے اور اس کی بو بھی باقی نہ رہے۔

اگر خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے تو تین مرتبہ دھونا اور خشک کرنا اور بو والی نجاست اگر ہو تو بُو کو زائل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل:

ام قیس اپنے چھوٹے (شیر خوار) بچے کو، جس نے کھانا نہیں کھایا تھا رسول اللہ کے پاس لائی اور حضور نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ بچے نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ تو حضور نے پانی منگوا کر کپڑے پر چھینٹا دیا اور نہ دھویا۔

غیر مقلدین نے اس دلیل سے یہ پیش کیا کہ بچے کے پیشاب کو دھونا نہیں، البتہ صرف پانی کے چھینٹے دینا کافی ہے۔

احناف کی طرف سے جواب :

آیئے پہلے حدیث کے الفاظ مبارکہ کی طرف غور کریں، پھر شارحین کی بحث کو دیکھیں تو مسئلہ واضح ہو جائے کہ بچے کا پیشاب بھی اسی طرح ناپاک ہے جس طرح بڑوں کا پیشاب ناپاک ہے۔

" عن عبداللّٰہ بن عتبة عن ام قیس بنت محصن انها اتت بابن لها صغیر لم یاکل الطعام الی رسول اللّٰہ فاجلسه رسول اللّٰہ فی حجره فبال علی ثوبه فدعا بماء فنضحه ولم یغسله "

(بخاری جلد اول باب بول الصبیان ص ۳۵)

عبداللہ بن عتبہ ام قیس بنت محصن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا جو کھانا نہیں کھا سکتا تھا، اس کو آپ نے اپنی گود میں بٹھایا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی طلب کیا وہ کپڑوں پر چھڑ کا اور کپڑوں کو دھویا نہیں۔

حدیث پاک پر شارحین کی بحث :

اس حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ہے "فنضحه" (پانی چھڑکا) اور بعض روایات میں "فرشه" استعمال ہوا ہے اس کا معنی بھی ہے۔ "پانی چھڑکا" اور بعض روایات میں "فصب" لفظ استعمال ہوا جس کا معنی ہے "پانی بہایا"

تینوں لفظوں کی مزید وضاحت دیکھئے :

"نضنح" کا معنی ہے بر تن کا رسنا اور پسینہ بہنا۔ اس ۔لئے اس کا ظاہری معنی بنے گا "پانی چھڑکا" "رش" کا معنی ہے "پانی چھڑکنا" بکھیرنا، آسمان کا پھوار برسانا، اس کا بھی ظاہری معنی یہ ہی ہوگا "پانی چھڑکا" پھر "لم یغسلہ" کے الفاظ سے مزید غلطی ہوتی ہے کہ آپ نے کپڑوں کو دھویا نہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کا پیشاب ناپاک نہیں، اور اس سے کپڑوں کا دھونا لازم نہیں ۔

حالانکہ اس طرح نہیں، کیونکہ " فصب " کے لفظ سے بھی سمجھ آرہا ہے کہ آپ نے پانی بہایا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کپڑے کو دھویا۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے

" بماء فاتبعه ای اتبع رسول الله ﷺ البول بماء "

(حاشیہ بخاری)

نبی کریم ﷺ نے پیشاب کا پانی سے پیچھا کیا۔ یعنی آپ نے پانی بہایا اور کپڑے کو دھویا۔

اسی معنی پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں "فصب" کا لفظ ہے اور اس کا معنی پانی بہانا اور گرانا ہے۔ اب تمام روایت کی تطبیق اس طرح دی جاسکے گی "غسله من غير رفرك وغير مبالغة" آپ نے کپڑے کو دھویا لیکن دھونے میں مبالغہ نہیں کیا، اور کھر چا نہیں۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ بچے کے پیشاب میں زیادہ بو نہیں ہوتی۔ بدبو کے زائل کرنے کے لئے زیادہ مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ عبید اللہ بن عتبہ کی روایت بالمعنی ہے اگر اس کی تاویل نہ کی جائے تو معنی باطل ہوتا ہے۔

احادیث جن سے پیشاب کا نجس (ناپاک) ہونا سمجھ میں آتا ہے :

عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ اکثر عذاب القبر من البول

(ابن ماجہ ص ۲۹ (باب التشدید فی البول م مستدرک حاکم باب عامۃ عذاب القبر من البول ج ۱ ص۱۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایازیادہ عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوگا۔

" عن عبادۃ بن الصامت قال سألنا رسول اللہ ﷺ عن البول فقال اذا مسکم شئی فاغسلوہ فانی اظن ان منہ عذاب القبر "

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ص ۱۳۰ باب الاستنجاء بالماء)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پیشاب کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں (تمہارے جسم یا کپڑوں کو) پیشاب لگ جائے تو اسے دھولو، بیشک میں جانتا ہوں کہ (عام) عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

" عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ بقبرین فقال انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لایستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقہا نصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یارسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلہ یخفف عنہما مالم ییبسا "

(بخاری ج ص ۳۵ کتاب الوضو) مسلم ج ۱ ص ۱٤۱ باب الدلیل علی نجاستہ البول)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں کے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا بے شک ان دونوں (قبروں والوں) کو عذاب ہو رہا ہے، ان کو عذاب کسی بڑی چیز کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔ ایک ان میں سے وہ ہے جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور

دوسرا چغلخوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک سبز شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا دوسری قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ یہ جب تک خشک نہیں ہوں گی ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی۔

یعنی یہ جب تک سبز رہیں گی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گی تو عذاب سے ان کو تخفیف ہوگی۔ سبحان اللہ سبز شاخ کی تسبیحات سے قبر والوں کو عذاب سے تخفیف، قرآن پڑھنے سے نہ ہو؟ یہ بھی ان لوگوں کی ہی سوچ ہے۔ مزید کے لئے راقم کے رسالہ "ایصال ثواب مستحب ہے" اور راقم کی کتاب موت کا منظر مع احوال حشر و نشر" کا مطالعہ کریں

ذکر کردہ احادیث سے واضح ہوا کہ پیشاب جسم پر یا کپڑوں پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے۔ پیشاب ناپاک ہے، اسی لئے پیشاب سے نہ بچنا عذابِ قبر کا سبب ہے۔

ان احادیث میں بڑے، چھوٹے کے پیشاب کو کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔ اور خصوصاً مسلم کے عنوان سے بات سمجھ میں آرہی ہے۔ کہ بچے کا پیشاب نجس ہے۔

مقام توجہ :

" عن الحسن عن امه انها ابصرت ام سلمة تصب الماء على بول الغلام ما لم يطعم فاذا طعم غسلته وكانت تغسل بول الجارية "

(ابو داؤد ج ص ٥٤ باب بول الصبی یصیب الثوب)

حضرت حسن اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بچے کے پیشاب پر پانی بہاتیں جب تک وہ کھانا پیتا نہیں تھا اور جب کھاتا پیتا تھا تو آپ دھوتیں۔ اور بچی کے پیشاب سے (کپڑے وغیرہ کو) دھولیتی تھیں

اس حدیث سے بہت واضح ہوا کہ چھوٹے بچے کا پیشاب جب پہنچے تو کپڑے کو معمولی دھویا جائے پانی بہایا جائے زیادہ مبالغہ دھونے میں ضروری نہیں بڑے شخص کے پیشاب اور چھوٹی بچی کے پیشاب سے کپڑوں کو زیادہ مل کر دھویا جائے تاکہ ان سے بو کو دور کیا جاسکے

غلطی کی بنیادی وجہ محاورات سے بے خبری:

اگر ہم اپنے اردو کے روزمرہ کے محاورات کو دیکھیں تو بات سمجھ میں آجائے کہ "لم یغسلہ" کا مطلب کیا ہے ایک ہی لفظ ہوتا ہے انداز گفتگو بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے، انسان دھوبی کو کپڑے دھونے کے لئے دیتا ہے پتہ کرنے کے لئے جاتا ہے اس نے کپڑے ابھی تک نہیں دھوئے ہوئے گھر آکر وہ شخص کہتا ہے اس نے کپڑے نہیں دھوئے کبھی دھوبی کپڑے دھوئے صاف نہ کرے داغ رہ جائیں تو پھر آدمی کہتا ہے اس نے کپڑے نہیں دھوئے کبھی کپڑا پاک کرنے کے لئے دھونے کے لئے کسی کو کہے وہ معمولی پانی انڈیل دے شرعی قانون کے مطابق ان کو پاک نہ کرے تو اس وقت بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے کپڑے نہیں دھوئے الفاظ سب جگہ ایک ہیں مطلب علیحدہ علیحدہ ہے۔

اسی طرح کبھی کوئی شخص سوالیہ انداز میں کہتا ہے "یہ کام تم نے کیا ہے؟ کبھی خبر دینے کے متعلق کہتا ہے "یہ کام تم نے کیا ہے۔ کبھی سوالیہ انداز میں ڈانٹ بھی ساتھ ہوتی ہے زور دے کر کہا جاتا ہے "یہ کام تم نے کیا ہے "یعنی تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا کبھی کہا جاتا ہے فلاں شخص نے تمہارے متعلق کہا ہے یہ کام تم نے کیا ہے، یعنی میرا دل تو نہیں مانتا کہ وہ سچا ہے سب جگہ پر الفاظ ایک ہی ہیں۔ لیکن انداز گفتگو بدلنے سے مفہوم بدل گیا۔

یہی صورت عربی میں بھی ہے۔ لیکن لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اب مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ "لم یغسلہ" کا مطلب ہے آپ نے اس طرح کپڑے کو نہیں دھویا جیسا کہ بڑوں یا بچیوں کے پیشاب لگنے سے دھویا جاتا ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد نفل:

احناف کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے نفل ادا کرنے مکروہ ہیں۔ احناف نے ان احادیث سے دلیل پکڑی ہے۔

" عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب مارأيت احدا يصليهما على عهد رسول الله ﷺ " (ابو داؤد باب الصلوة قبل المغرب ج ۱ ص ۱۸۲)

طاؤس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر سے مغرب سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا میں نے کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ دو رکعت ادا کی ہوں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں۔

" وعن حماد بن ابى سليمان انه سأل ابراهيم النخعى عن الصلوة قبل المغرب قال فنهاه عنها وقال ان رسول الله ﷺ وابا بكر وعمر لم يكونوا يصلونها " (کتاب الآثار ص ۲۹ باب ما يعاد من الصلوة وما يكره)

حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے نماز (نفل) پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ بیشک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس وقت میں نفل نہیں ادا کرتے تھے۔

تنبیہ: عام طور پر جن مسائل پر بہت نزاع کیا جاتا ہے۔ میں نے ان مسائل کو احادیث کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدالرزاق ولد قاضی عبدالعزیز

ولد قاضی فیض احمد ولد قاضی علامہ نبی رحمہ اللہ